

أُصُولُ الرَّشَادِ لِقَمْعِ مَسَائِلِ الْفَسَادِ

رئيس المتكلمين علامہ مولانا نقی علی خان
تصنيف: علامہ مولانا نقی علی خان

تقديم وترتيب علامہ محمد حنیف خاں رضوی حفظہ اللہ
تصحیح واعتناء: مولانا محمد اسلم رضا القادری حفظہ اللہ

ناشر: ادارۃ اہل سنت، جامع مسجد الماس، عزیز آباد ۸، کراچی
مکتبہ برکت المدینہ، جامع مسجد بہار شریعت، بہادر آباد، کراچی



جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: اصول الرشاد قمع مبانی الفساد
مصنف: رئیس المحکمین علامہ مولانا تقی علی خان علیہ رحمۃ الرحمن
تقدیم و ترتیب: علامہ محمد حنیف خاں رضوی بریلوی حفظہ اللہ
صحیح و اعتناء: مولانا محمد اسلم رضا قادری حفظہ اللہ
تحقیق: عبدالرزاق ہنگو رو تحسینی، محمد اویس رضا قادری،
محمد کاشف محمود قادری، محمد امجد اختر قادری،
محمد امان اللہ

تعداد صفحات: ۲۵۳

سائز: 23x36/16

تعداد: ۱۱۰۰

ناشر: ادارۃ اہل سنت، جامع مسجد الماس، عزیز آباد ۸،
کراچی۔ dar_sunnah@yahoo.com

فون: 009221-2021393

مکتبہ برکات المدینہ، جامع مسجد بہار شریعت، بہادر آباد،
کراچی۔ فون: 021-4219324

barkatulmadina@yahoo.com

ویب لے آؤٹ: www.RazaNW.org



طباعت اول:

۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء

مطبع صبح صادق

سیتا پور۔ یو پی (انڈیا)

طباعت دوم:

۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۶
۲	تعارف مصنف و کتاب	۹
۳	مقدمہ	۳۷
۴	قاعدہ اولیٰ	۴۰
۵	قاعدہ اولیٰ: الہ شرع میں بمعنی مستحق للعبادۃ ہے	۴۱
۶	قاعدہ ثانیہ: عبادت غایت تعظیم اور نہایت تذلل سے عبارت ہے	۴۳
۷	قاعدہ ثالثہ: شرک شرع میں بمعنی اثبات الشریک فی الألویۃ ہے	۴۵
۸	قاعدہ رابعہ: لفظ بدعت باصطلاح شریعت دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے	۴۸
۹	قاعدہ ۲	۹۵
۱۰	قاعدہ ۳	۹۹
۱۱	قاعدہ ۴	۱۱۶
۱۲	مبحث اول	۱۱۸

۱۲۴	مبحث دوم	۱۳
۱۲۶	مبحث سوم	۱۴
۱۳۰	مبحث چهارم	۱۵
۱۳۶	مبحث پنجم	۱۶
۱۳۹	مبحث ششم	۱۷
۱۴۶	قاعده ۵	۱۸
۱۴۹	قاعده ۶	۱۹
۱۵۵	قاعده ۷	۲۰
۱۶۷	قاعده ۸	۲۱
۱۷۴	مبحث اول	۲۲
۱۷۵	مبحث دوم	۲۳
۱۷۷	مبحث سوم	۲۴
۱۷۸	مبحث چهارم	۲۵
۱۷۹	قاعده ۹	۲۶
۱۸۴	قاعده ۱۰	۲۷
۱۹۱	قاعده ۱۱	۲۸
۲۰۲	قاعده ۱۲	۲۹
۲۰۳	قاعده ۱۳	۳۰
۲۰۴	قاعده ۱۴	۳۱

۲۰۶	قاعده ۱۵	۳۲
۲۱۲	قاعده ۱۶	۳۳
۲۱۵	قاعده ۱۷	۳۴
۲۱۹	قاعده ۱۸	۳۵
۲۲۵	قاعده ۱۹	۳۶
۲۲۸	قاعده ۲۰	۳۷
۲۳۰	فهرست آیات قرآنیہ	۳۸
۲۳۵	فهرست احادیث	۳۹
۲۴۰	ماخذ و مراجع	۴۰

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد:

۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۴۸ء سے پہلے ہندوستان کے مسلمان متفقہ طور پر عقائد و معمولاتِ اہل سنت پر کاربند تھے، اور البرکۃ مع اکابر کم کے نقطہ نظر سے اُسلاف یعنی صحابہ کرام و تابعین عظام و بزرگانِ دین کے افکار و نظریات کے پابند تھے۔

۱۲۳۰ھ میں ہندوستان کے ابنِ عبد الوہاب یعنی اسماعیل دہلوی نے جب ابنِ عبد الوہاب نجدی کی ”کتاب التوحید“ کا ترجمہ و خلاصہ بعنوان: ”تقویۃ الایمان“ اُس وقت ہندوستان پر قابض انگریز حکومت کے ایماء اور مدد سے شائع کیا تو پورے ملک میں فتنہ و فساد کی آگ پھیل گئی؛ کیونکہ اس کتاب میں تمام اُن کاموں کو شرک، بدعت اور حرام و ناجائز کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جن کا تعلق ادب، تعظیم، توقیر اور محبتِ انبیاء و اولیاء سے ہو، اس کتاب کی اشاعت کے نتیجے میں غیر منقسم ہندوستان میں وہابی، نجدی، دیوبندی فرقے نے جنم لیا، اور اب تمام تر معمولاتِ اہل سنت پر شرک، بدعت، بدعت اور حرام کے فتوے لگائے جانے لگے۔

آگے چل کر اسی تسلسل میں اس نئے فرقے کے مولویوں کی مزید کتابیں شائع ہوئیں جیسے بشیر الدین قنوجی کی ”غایۃ الکلام“ اور ”کلمۃ الحق“ وغیرہا، لہذا علمائے اہل سنت نے ان کے رد و ابطال میں اپنی کوششیں تیز کر دیں اور تصانیف و مناظرہ کا سلسلہ شروع ہو گیا، انہیں علماء میں سے امامِ اہل سنت کے جیدِ امجد حضرت مولانا رضا علی خان اور والد

گرامی حضرت مولانا فتی علی خان علیہما الرحمۃ بھی پیش پیش تھے، ولید گرامی حضرت مولانا فتی علی نے متعدد کتابیں اس نئے فرقے کے رد میں تحریر فرمائیں، جن میں سے ”إذاعة الأئمة“ اور اس پر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے حواشی ”مشافة الکلام“ ادارۃ اہل سنت کراچی نے ۲۵ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ بمطابق مارچ ۲۰۰۸ء کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کی، اور اب تقریباً پورے ایک سال بعد حضرت کی دوسری انتہائی نایاب کتاب ”أصول الرشاد“ شائع کرنے جارہے ہیں۔

”أصول الرشاد“ حضرت کی انتہائی دقیق اور مفید کتاب ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی متعدد تحریرات میں اس بابرکت کتاب کی طرف اشارہ فرمایا اور اس کے مطالعے کی تاکید فرمائی۔

عرصہ دراز سے اس کتاب کی تلاش و جستجو جاری تھی، بالآخر حضرت مولانا محمد حنیف خان رضوی صاحب دامت برکاتہم صدر مدرس جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف کی وساطت سے اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ حاصل کرنے میں ہم کامیاب ہوئے، پھر چونکہ تحریر و خط دونوں ہی مشکل تھے، اور ادارۃ اہل سنت کراچی ”جد الممتاز“ کی جلد ۱۵ اور ۶ کی خدمت میں مشغول، لہذا حضرت مولانا حنیف صاحب ہی سے گزارش کی گئی کہ آپ ہی اپنے زیر نگرانی اس کتاب کی کمپوزنگ اور تصحیح وغیرہ کروا کر بھیج دیجئے، لہذا حضرت نے ہماری اس گزارش کو قبول فرمایا۔ پھر جب اُن کے ہاں سے کتاب ادارۃ اہل سنت کراچی کو پہنچی تو دوبارہ اس کی تصحیح از سر نو قلمی نسخہ سے کی گئی اور حوالہ جات کی تخریق وغیرہ کا کام انجام دیا گیا۔

کتاب کا لب و لہجہ چونکہ مشکل و قدیم ہے جس کے باعث بعض احباب کو شکایت ہو سکتی، مگر چونکہ یہ کتاب ہمارے اکابر کی تراث میں سے ہے، اسے پہلی بار بچوں کا

ٹوں چھپنا ضروری تھا، البتہ اب اگر کوئی صاحب بصیرت اس پر مزید تشریح و تسہیل کا کام کرنا چاہیں تو صلّائے عام ہے یا رانِ بکتہ واں کیلئے۔

ادارۃ اہل سنت نے اس کتاب پر جو کام کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

(۱) صحت و ضبط عبارت کا اشد اہتمام۔

(۲) تخریج آیات قرآنیہ، واحادیث شریفہ، و نصوص کتب۔

(۳) فہرست مضامین، و آیات واحادیث، و مآخذ و مراجع۔

(۴) پیرا بندی، کا ماز، فُل اسٹاپ وغیرہ کا اہتمام۔

(۵) طویل عبارات کی تقریب فہم کے لئے ہلالین () کا استعمال۔

ان تمام اہتمامات کے باوجود تنقاضائے بشری غلطی کا امکان باقی ہے، لہذا اس اشاعتِ جدیدہ کے امور حسنہ ہمیں اس مبارک کام کی توفیق بخشے والے پروردگار کے فضلِ عیم سے ہیں، اور اس میں پائی جانے والی اغلاط فقیر اور اس کی ٹیم کی طرف منسوب ہیں، لہذا ہر مخلص و ہمدرد سے التجا ہے کہ ان اغلاط کی نشاندہی فرما کر ممنون و ماجور ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم، و علی آلہ و صحبہ افضل الصّلاۃ

دعا گو و دعا جو

والتسلیم۔

محمد اسلم رضا تحسینی

۵ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه أجمعين، وبعد:

۱۲۳۰ھ بمطابق ۱۸۴۸ء سے پہلے ہندوستان کے مسلمان متفقہ طور پر عقائد و معمولات اہل سنت پر کار بند تھے، اور البرکۃ مع اکابر کم کے نقطہ نظر سے اُسلاف یعنی صحابہ کرام و تابعین عظام و بزرگان دین کے افکار و نظریات کے پابند تھے۔

۱۲۳۰ھ میں ہندوستان کے ابن عبد الوہاب یعنی اسماعیل دہلوی نے جب ابن عبد الوہاب نجدی کی ”کتاب التوحید“ کا ترجمہ و خلاصہ بعنوان: ”تقویۃ الایمان“ اُس وقت ہندوستان پر قابض انگریز حکومت کے ایماء اور مدد سے شائع کیا تو پورے ملک میں فتنہ و فساد کی آگ پھیل گئی؛ کیونکہ اس کتاب میں تمام اُن کاموں کو شرک، بدعت اور حرام و ناجائز کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جن کا تعلق ادب، تعظیم، توقیر اور محبتِ انبیاء و اولیاء سے ہو، اس کتاب کی اشاعت کے نتیجے میں غیر منقسم ہندوستان میں وہابی، نجدی، دیوبندی فرقے نے جنم لیا، اور اب تمام تر معمولات اہل سنت پر شرک، بدعت، بدعت اور حرام کے فتوے لگائے جانے لگے۔

آگے چل کر اسی تسلسل میں اس نئے فرقے کے مولویوں کی مزید کتابیں شائع ہوئیں جیسے بشیر الدین قنوجی کی ”غایۃ الکلام“ اور ”کلمۃ الحق“ وغیرہا، لہذا علمائے اہل سنت نے ان کے رد و ابطال میں اپنی کوششیں تیز کر دیں اور تصانیف و مناظرہ کا سلسلہ شروع ہو گیا، انہیں علماء میں سے امام اہل سنت کے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خان اور

ولید گرامی حضرت مولانا نقی علی خان علیہا الرحمۃ بھی پیش پیش تھے، ولید گرامی حضرت مولانا نقی علی نے متعدد کتابیں اس نئے فرقے کے رد میں تحریر فرمائیں، جن میں سے ”إذاعة الأئمة“ اور اس پر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے حواشی ”رَشَاقَةُ الْكَلَامِ“ ادارۃ اہل سنت کراچی نے ۲۵ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ بمطابق مارچ ۲۰۰۸ء کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کی، اور اب تقریباً پورے ایک سال بعد حضرت کی دوسری انتہائی نایاب کتاب ”أصول الرشاد“ شائع کرنے جا رہے ہیں۔

”أصول الرشاد“ حضرت کی انتہائی دقیق اور مفید کتاب ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی متعدد تحریرات میں اس بابرکت کتاب کی طرف اشارہ فرمایا اور اس کے مطالعے کی تاکید فرمائی۔

عرصہ دراز سے اس کتاب کی تلاش و جستجو جاری تھی، بالآخر حضرت مولانا محمد حنیف خان رضوی صاحب دامت برکاتہم صدر مدرس جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف کی وساطت سے اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ حاصل کرنے میں ہم کامیاب ہوئے، پھر چونکہ تحریر وخط دونوں ہی مشکل تھے، اور ادارۃ اہل سنت کراچی ”جدہ الستار“ کی جلد ۵ اور ۶ کی خدمت میں مشغول، لہذا حضرت مولانا حنیف صاحب ہی سے گزارش کی گئی کہ آپ ہی اپنے زیر نگرانی اس کتاب کی کمپوزنگ اور تصحیح وغیرہ کروا کر بھیج دیجئے، لہذا حضرت نے ہماری اس گزارش کو قبول فرمالیا۔ پھر جب اُن کے ہاں سے کتاب ادارۃ اہل سنت کراچی کو پہنچی تو دوبارہ اس کی تصحیح از سر نو قلمی نسخہ سے کی گئی اور حوالہ جات کی تخریج وغیرہ کا کام انجام دیا گیا۔

کتاب کا لب و لہجہ چونکہ مشکل و قدیم ہے اس لئے بعض احباب کو شکایت ہو سکتی ہے، مگر چونکہ یہ کتاب ہمارے اکابر کی تراث میں سے ہے، اسے پہلی بار بھوں کا

توں چھپنا ضروری تھا، البتہ اب اگر کوئی صاحب بصیرت اس پر مزید تشریح و تسہیل کا کام کرنا چاہیں تو صلئے عام ہے یا رانِ نکتہ وال کیلئے۔

ادارہ اہل سنت نے اس کتاب پر جو کام کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

(۱) صحت و ضبط عبارت کا اشد اہتمام۔

(۲) تخریج آیات قرآنیہ، واحادیث شریفہ، و نصوص کتب۔

(۳) فہرست مضامین، آیات واحادیث، و مآخذ و مراجع۔

(۴) پیرایندی، کاماز، فہل اسٹاپ وغیرہ کا اہتمام۔

(۵) طویل عبارات کی تقریب فہم کے لئے ہلالین O کا استعمال۔

ان تمام اہتمامات کے باوجود تقاضائے بشری غلطی کا امکان باقی ہے، لہذا اس اشاعتِ جدیدہ کے امور حسنہ ہمیں اس مبارک کام کی توفیق بخشنے والے پروردگار جل جلالہ کے فضلِ عمیم سے ہیں، اور اس میں پائی جانے والی اخلاطِ فقیر اور اس کی ٹیم کی طرف منسوب ہیں، لہذا ہر مخلص و ہمدرد سے التجا ہے کہ ان اخلاط کی نشاندہی فرما کر ممنون و ماجور ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم، و علی آلہ و صحبہ افضل الصلاۃ

دعا گو و دعا جو

والتسلیم۔

محمد اسلم رضا تحسینی

۵ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ

رئیس الاتقیا حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں قدس سرہ

حیات و خدمات

از: محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

تعلیم و تربیت: آپ کی ولادت جمادی الآخرہ ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو بریلی کے محلہ ذخیرہ میں ہوئی۔

رئیس الاتقیا مفتی نقی علی خاں نے جملہ علوم و فنون کی تعلیم اپنے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں سے حاصل کی، آپ ایام طفولت سے ہی پرہیزگار اور متقی تھے، کیوں کہ آپ امام العلماء کے زیر تربیت رہے جو نامور عالم اور عارف باللہ بزرگ تھے، جن کی پرہیزگاری کا جوہر مولانا کوورشہ میں ملا تھا، پھر بفضل ایزدی میلاں طبع بھی نیکی کی طرف تھا، چنانچہ آپ علم و عمل کا بحر ذخار تھے۔ آپ کی ذات مرجع علماء و خلائق تھی، آپ کی آراء و اقوال کو علمائے عصر ترجیح دیتے تھے، کثیر علوم میں تصنیفات مطبوعہ و غیر مطبوعہ آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔

امام محکمین خاتم المفتین حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کا علمی مقام و مرتبہ کس قدر بلند تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز انہیں کے خوانِ علم سے فیض پا کر دنیائے سنیت کے امام اور دین و ملت کے مجدد اعظم کہلائے، اس کا تذکرہ خود امام احمد رضا نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر اس

توں چھپنا ضروری تھا، البتہ اب اگر کوئی صاحب بصیرت اس پر مزید تشریح و تسہیل کا کام کرنا چاہیں تو صلائے عام ہے یا ران نکتہ داں کیلئے۔

ادارہ اہل سنت نے اس کتاب پر جو کام کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

(۱) صحت و ضبط عبارت کا اشد اہتمام۔

(۲) تخریج آیات قرآنیہ، واحادیث شریفہ، وخصوص کتب۔

(۳) فہرست مضامین، و آیات واحادیث، و مآخذ مراجع۔

(۴) پیرابندی، کا ماز، فہم اشاپ وغیرہ کا اہتمام۔

(۵) طویل عبارات کی تقریب فہم کے لئے ہلالین () کا استعمال۔

ان تمام اہتمامات کے باوجود تقاضائے بشری غلطی کا امکان باقی ہے، لہذا اس اشاعت جدیدہ کے امور حسنہ ہمیں اس مبارک کام کی توفیق بخشنے والے پروردگار جل جلالہ کے فہل عیم سے ہیں، اور اس میں پائی جانے والی اغلاط فقیر اور اس کی ٹیم کی طرف منسوب ہیں، لہذا ہر مخلص و ہمدرد سے التجا ہے کہ ان اغلاط کی نشاندہی فرما کر ممنون و ماجور ہوں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم، وعلی آلہ وصحبہ افضل الصلاۃ

دعا گو و دعا جو

والتسلیم۔

محمد اسلم رضا تحسینی

۵ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ

طرح فرمایا، لکھتے ہیں:

”آہ! آہ! ہندوستان میں میرے زمانہ ہوش میں دو بندہ خدا تھے جن پر اصول و فروع اور عقائد و فقہ سب میں اعتماد کلی کی اجازت تھی:

اول: اقدس حضرت خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد، حاشا للہ! نہ اس لئے کہ وہ میرے والد و والی، ولی نعمت تھے، بلکہ اس لئے کہ الحق والحق اقول: الصدق واللہ يحب الصدق، میں نے اس طیب حاذق کا برسوں مطب پایا اور وہ دیکھا کہ عرب و عجم میں جس کا نظیر نظر نہ آیا، اس جناب رفیع قدس اللہ سرہ البدیع کو اصول حنفی سے استنباط فروع کا ملکہ حاصل تھا، اگرچہ کبھی اس پر حکم نہ فرماتے مگر یوں ظاہر ہوتا تھا کہ نادر و دقیق اور معطل مسئلہ پیش نہ ہوا کہ کتب متداولہ میں جس کا پتہ نہیں، خادم کمینہ کو مر لعل کتب و استخراج جزئیہ کا حکم ہوتا اور ارشاد فرماتے: ”ظاہر احکم یوں ہونا چاہئے“، جو وہ فرماتے وہی نکلتا، یا بعض کتب میں اس کا خلاف نکلتا تو زیادت مطالعہ نے واضح کر دیا کہ دیگر کتب میں ترجیح اسی کو دی جو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا، عجم کی حالت تو آپ ملاحظہ ہی فرماتے ہیں، عرب کا حال یہ ہے کہ اس جناب قدس سرہ کا یہ ادنیٰ خوشہ چیں و زلہ رہا، جو مکہ معظمہ میں اس بار حاضر ہوا، وہاں کے اعلیٰ العلماء و افضیٰ الفقہاء سے چھ چھ گھنٹے مذاکرہ علمیہ کی مجلس گرم رہتی، جب انہوں نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ فقہ حنفی کے دو حرف جانتا ہے، اپنے زمانے کے عہدہ افتاء کے مسائل کثیرہ (جن میں وہاں کے علماء سے اختلاف پڑایا اشتباہ رہا) اس بیچ میر زپر پیش فرمانا شروع کئے، جس مسئلہ و حکم میں اس احقر نے انکی موافقت عرض کی آثار بشارت انکے چہرہ نورانی پر ظاہر ہوئے، اور جس کے لئے عرض کر دیا کہ فقیر کی رائے

میں حکم اس کے خلاف ہے، سمع دلیل سے پہلے آثارِ حزن نمایاں ہوتے، اور خیال فرما لیتے کہ ہم سے اس حکم میں لغزش واقع ہوئی، یہ اسی طیبہ حاذق کی کفش برداری کا صدقہ ہے۔

دوم: والا حضرت تاج الحول محبتِ رسول مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہ الشریف پچیس برس فقیر کو اس جناب سے بھی صحبت رہی، انکی سی وسعتِ نظر و قوتِ حفظ و تحقیقِ اینق ان کے بعد کسی میں نظر نہ آئی، ان دونوں آفتاب و ماہتاب کے غروب کے بعد ہندوستان میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نسبت عرض کروں کہ آنکھیں بند کر کے اس کے فتویٰ پر عمل ہو^(۱)۔

ایک مقام پر ”فتاویٰ رضویہ“ کی تدوین و ترتیب اور تفصیل و تبویب کے سلسلہ میں بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وذلك أن سيدي وأبي، وظلّ رحمة ربّي، ختام المحققين، وإمام المدققين، ماحي الفتن، وحامي السنن، سيّدنا ومولانا المولوي محمد نقی علی خان القادري البركاتي، أمطر الله تعالى على مرقده الكريم شأبيب رضوانه في الحاضر والآتي، أقامني في الإفتاء للرابع عشر من شعبان الخير والبشر، ستّ وثمانين وألف ومئتين، من هجرة سيّد الثقلین عليه وعلى آله الصلوات من ربّ المشرقین، ولم تتمّ لي إذ ذاك أربعة عشر عاماً من العمر؛ لأنّ ولادتي عاشر شوال اثنتين وسبعين من

(۱) ”فتاویٰ رضویہ“، کتاب الشقی، عقائد و کلام و دینیات، ۲۹/۵۹۵، ۵۹۶۔

سَنِيَّ الْهَجْرَةِ الْأَطَائِبِ الْغَرِّ، فَجَعَلْتُ أَفْتَى، وَيَهْدِيَنِي -قَدَسَ سِرُّهُ- فِيمَا
أَعْطَى، فَبَعْدَ سَبْعِ سَنِينَ أَذِنَ لِي، عَطَّرَ اللَّهُ تَعَالَى مَرْقَدَهُ النَّقْيَ الْعُلَى، أَنْ
أَفْتَى وَأَعْطَى وَلَا أَعْرَضَ عَلَيْهِ، وَلَكِنْ لَمْ أَجْتَرِ بِذَلِكَ حَتَّى قَبِضَهُ الرَّحْمَنُ
إِلَيْهِ، سَلَخَ ذِي الْقَعْدَةِ عَامَ سَبْعٍ وَتَسْعِينَ، فَلَمْ أَلْقِ بِأَلِي إِلَى جَمْعِ مَا أَفْتَيْتُ
فِي تِلْكَ السَّنِينَ“^(۱)۔

”فتاویٰ رضویہ“ کی تدوین و ترتیب کا سبب یہ ہوا کہ میرے آقا و والد، سایہ
رحمت الہی، خاتم المفتین، امام المدققین، فتوؤں کو مٹانے والے، سنتوں کی حمایت
فرمانے والے، ہمارے سردار و مولیٰ حضرت مولانا محمد تقی علی خان صاحب قادری
برکاتی نے (کہ اللہ ان کی مرقد انور پر ہمیشہ اپنی رضا کے مینہ برسائے) مجھے چودہ
شعبان المعظم کو فتویٰ لکھنے پر مامور فرمایا جبکہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت
سے ۱۲۸۶ھ سال تھے اور اس وقت میری عمر پورے چودہ سال نہ ہوئی تھی؛ کیوں کہ
میری ولادت ۱۰ اشوال ۱۲۷۲ھ کو ہوئی، تو میں نے فتویٰ دینا شروع کیا اور جہاں میں
غلطی کرتا حضرت قدس سرہ اصلاح فرماتے (اللہ عز و جل اُن کے مرقد پاکیزہ بلند کو
معطر فرمائے) سات برس کے بعد مجھے اذن فرمادیا کہ اب فتویٰ لکھوں اور بغیر حضور کو
سنائے سائلوں کو بھیج دیا کروں، مگر میں نے اس پر جرأت نہ کی یہاں تک کہ رحمن
عز و جل نے حضرت والد کو سلخ ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ میں اپنے پاس بلا لیا۔“

ایک مقام پر آپ نے مقام والا شان، علو علم و عرفان، اوصاف حمیدہ،

(۱) ”فتاویٰ رضویہ“، خطبہ الکتاب، ۱/۸۸، ۸۷۔

خصائل رفیعہ، شمائل بدیعہ اور مناصب جلیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی عجز و نیاز مندی کا اظہار اور ولی نعمت کے انعام کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا:

”ہاں ہاں، یہ کفش برداری خدامِ درگاہِ فضائل پناہِ اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، أعلم العلماء الربانیین، أفضل الفضلاء الحقانیین حامی السنن السنیة، ماحی الفتن الدنیة، بقیة السلف المصلحین، حجة الخلف المفلحین، آية من آیات رب العالمین، معجزة من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم أجمعین، ذي التصنيفات الرائقة والتحقیقات الفائقة والتدقیقات الشائقة، تاج المحققین سراج المدققین، أكمل الفقهاء المحدثین، حضرت سیدنا الوالد، أمجد الأمجد، أطیب الأطائب مولانا مولوی محمد نقی علی خان صاحب محمدی سنی حنفی قادری برکاتی ہریلوی قدس اللہ سرہ وعمم برہ، وتم نورہ، وأعظم أجرہ، وأکرم نزلہ، وأنعم منزلہ ولاحرمننا سعده ولم یفتننا بعده ہے“ (۱)۔

یوں تو آپ کے دور میں علمائے کرام کی بہت بڑی جماعت ہندوستان کے مختلف گوشوں میں خدمتِ دین میں مصروفِ عمل اور اعدائے دین سے نبرد آزماتی، لیکن رب کریم نے اپنی حکمتِ بالغہ سے آپ کو کچھ ایسی خصوصیات سے نوازا

(۱) ”فتاویٰ رضویہ“، کتاب الصلوة، باب الاوقات، ضمن رسالۃ: ”حاجز البحرین الواقی عن

تھا جن کی بدولت آپ اپنے اقران اور ہم عصر علماء میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ مولانا رحمن علی لکھتے ہیں:

”مولوی نقی علی خاں بریلوی ذہین ثاقب ورائے صائب داشت، خالق تعالیٰ وے را عقل معاش و معاد ممتاز اقران آفریدہ بود، علاوہ شجاعت جبلی بصفہ سخاوت و تواضع و استغناء موصوف بود، و عمر گرانمایہ خود با شاعت سنت و ازالہ بدعت بسر بردہ، اعلان مناظرہ دینی مسمیٰ بنام تاریخی (اصلاح ذات بین) ۱۲۹۰ھ بمطابق ۱۸۷۳ء بست و ششم شعبان سال دوازده صد و نو دوسہ ہجری شائع فرمودہ، و در مسئلہ امتناع مماثلت رسول اکرم ﷺ موفورہ بکار بردہ کہ رسالہ ”تنبیہ الجہال“ ہاں خبری دہد“ (۱)۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اس مضمون کی وضاحت یوں فرماتے ہیں: ”جو وقت انظار، وحدت افکار و فہم صائب، ورائے ثاقب حضرت حق جل مجدہ نے انہیں عطا فرمائی ان دیار و امصار میں ان کی نظیر نظر نہ آئی، فراست صادقہ کی یہ حالت تھی کہ جس معاملہ میں جو کچھ فرمایا وہی ظہور میں آیا، عقل معاش و معاد دونوں کا بروہ کمال اجتماع بہت کم سنا، یہاں آنکھوں دیکھا۔

علاوہ ازیں سخاوت و شجاعت، علو ہمت و کرم و مروّت، صدقات خفیہ و مہزات جلیہ، بلندی اقبال و دہد بہ وجلال، موالات فقراء و امیر دینی میں عدم مبالغات باغیاء، حکام سے عزالت، رزق موروث پر قناعت وغیرہ ذلک فضائل جلیلہ و خصائل

(۱) ”تذکرہ علمائے ہند“، حرف النون، ص ۲۴۴، ملقط۔

جیلہ کا حال وہی کچھ جانتا ہے جس نے اس جناب کی برکت و صحبت سے شرف پایا ہے۔

ع این نہ بحرِ است کہ در کوزہ تحریر آید

مگر سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس ذاتِ گرامی صفات کو خالق عز و جل نے حضرت سلطانِ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی غلامی و خدمت اور حضورِ اقدس کے اعدا پر غفلت و شدت کے لئے بنایا تھا، بھم اللہ تعالیٰ ان کے بازوئے ہمت و طعنۂ صولت نے اس شہر کو فتنہ مخالفین سے یکسر پاک کر دیا، کوئی اتنا نہ رہا کہ سر اٹھائے یا آنکھ ملائے، یہاں تک کہ ۲۶ شعبان المعظم ۱۲۹۳ھ کو مناظرہ دینی کا عام اعلان مسٹری بنام تاریخی ”اصلاح ذاتِ بین“ ۱۲۹۳ طبع کرایا، اور سوامہر سکوت یا عار فرار و غوغائے جہال اور عجز و اضطراب کے کچھ جواب نہ پایا۔

فتنہ ”شش مثل“ کا شعلہ کہ مدت سے سر بفلک کشیدہ تھا اور تمام اقطار ہند میں اہل علم اس کے اظہار پر عرق ریز و گرویدہ، اس جناب کی ادنیٰ توجہ میں بھم اللہ سارے ہندوستان سے ایسا فرو ہوا کہ جب سے کان ٹھنڈے ہیں، اہل فتنہ کا بازار سرد ہے۔ خود ان کے نام سے جلتے ہیں۔ مصطفیٰ ﷺ کی یہ خدمت روزِ ازل سے اس جناب کے لئے ودیعت تھی جس کی قدرے تفصیل رسالہ ”تنبیہ الجہال“ میں مطبوع ہوئی، ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء“ (۱)۔

خداوندِ کریم نے ان تمام خدماتِ جلیلہ اور اشاعتِ علومِ دینیہ کے لئے پیدا فرمایا تو روزِ اول ہی سے ان کے لئے وسائل بھی ایسے پیدا فرمادیے کہ دنیاوی علاقہ

(۱) ”مختصر حالات مصنف مشمولہ جواہر البیان“ ص ۶۷۔

و موانع ان کی راہ میں حائل نہ ہو سکے، بلکہ وہ اپنی دنیا میں بادشاہ تھے، کسی کی کاسہ لیمسی اور کسی در کی گدائی انہوں نے کبھی نہ سیکھی، بے لوث خدمت و سب حق اور خدمتِ خلق ان کا طرہ امتیاز رہا، پوری زندگی تعلیم و تعلم اور تبلیغ اسلام میں بسر فرمائی۔

شہزادۂ استاذِ زمن، برادرِ زادۂ امام احمد رضا حضرت علامہ شاہ محمد حسین رضا خاں صاحب علیہم الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں: ”مولانا تقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شمار شہر کے رؤسا میں تھا، اور ہندوستان کے بڑے علماء میں گنے جاتے تھے، ان کا اس دنیا میں سب سے بڑا شاہکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ جیسے جلیل القدر فاضل کی تعلیم و تربیت ہے جو صدیوں ان کا نام نامی زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ مولانا تقی علی خاں صاحب اپنے وقت میں مرجع فتاویٰ تھے، مگر اعلیٰ حضرت نے ان کو اپنی کمسنی میں ہی فتویٰ نویسی سے سبکدوش کر دیا تھا، اب وقت آیا تھا کہ وہ اپنے باغ کی بہار دیکھتے اسی دوران ان پر سحر ہوا، مگر ان کی روحانی قوت کی وجہ سے ان پر اثر کم ہوا، پھر سحر ہوا تو کچھ اثر ہوا، غرض کہ سحر اور ان کی روحانی قوت میں مسلسل چار سال تک رسہ کشی ہوتی رہی، اسی دور میں وہ بیعت و خلافت سے سرفراز ہوئے، اسی حالت میں انہوں نے حج بیت اللہ کیا اور مدینہ طیبہ میں حاضری کا شرف حاصل کیا، مارہرہ شریف اور حاضریِ حرمین طہیین کے دونوں سفروں میں اعلیٰ حضرت قبلہ ان کے ساتھ رہے، وہ اپنے فرائض و واجبات سے سبکدوش ہو کر بتاریخ آخری ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ میں حاضر دربار رب العزت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس گھرانے کے شاہی خاندان کے ہونے کی بعض نشانیاں تھوڑی یا بہت بفضلہ تعالیٰ اب تک باقی ہیں، اس خاندان کی غیر معمولی ذہانت اور عالی دماغی، خود

داری اور سیر چشتی، جرأت و بہادری، صبر و استقلال، بے لوث خدمتِ خلق، عام ہمدردی، سب اوصاف میں رب العزت نے اب تک اس خاندان کو کسی قدر ممتاز ہی رکھا ہے، یہی فرمانروائی و جہانداری کی نشانیاں ہوتی ہیں“ (۱)۔

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: ”اعلیٰ حضرت کے والد ماجد مولانا تقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سات گاؤں کے زمیندار اور معافی دار مشہور تھے، انہیں ہر قسم کی آسانیاں فراہم تھیں، وہ بڑے قبیلہ کے پٹھان تھے، وہ سارے روہیلکھنڈ کے واحد مفتی تھے، روہیلکھنڈ کے شہر میں ان کا شمار تھا، ان کے والد ماجد مولانا رضا علی خاں صاحب سے اہل شہر کو والہانہ عقیدت تھی، وہ مادر زاد ولی مشہور تھے، وہی اس خاندان میں دینی دولت لائے“ (۲)۔

”مولانا تقی علی خاں اپنے خاندان اور احباب میں سلطانِ عقل مشہور تھے، اعلیٰ حضرت کی والدہ وزیرِ عقل کہلائیں“ (۳)۔

ان تمام شواہد کی روشنی میں اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ رب کریم نے اپنے فضلِ خاص سے آپ کو خوب خوب نوازہ تھا، اور آپ اپنی گونا گوں صلاحیتوں کے ذریعہ مدتِ العمر شہنشاہِ بطحا کی عظمتوں کا پہرہ دیتے رہے، رب العزت جل مجدہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آپ کو علوم و معارف کا بحرِ ذخار بنایا تھا جس

(۱) ”سیرت اعلیٰ حضرت“، ص ۴۲، ۴۳۔

(۲) ”سیرت اعلیٰ حضرت“، ص ۴۲، ۴۳۔

(۳) ”سیرت اعلیٰ حضرت“، ص ۵۲۔

پران کی تصانیف شاہدِ عادل ہیں۔

اخلاق و عادات: آپ کے اخلاق و عادات نہایت اعلیٰ تھے، پوری زندگی اتباعِ رسول اور عشقِ رسول میں گزری، اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے انتقام نہ لیا، دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تھے، سلام میں سبقت فرماتے تھے، کبھی قبلہ کی طرف پاؤں نہ کرتے اور نہ احتراماً کبھی قبلہ کی طرف تھوکتے تھے، غربا و مساکین اور طلباء کے ساتھ انتہائی شفقت سے پیش آتے تھے، غرور و تکبر نام کو نہ تھا، خدا کی رضا کے لئے خدمتِ دین آپ کا مشغلہ تھا، کسی غرض یا ذاتی مفاد کا معمولی شائبہ بھی نہ تھا۔

عشقِ رسول: امامِ الاتقیاء سچے عاشقِ رسول تھے، کیوں کہ عشقِ رسول ہی اطاعتِ الہی کا ذریعہ ہے، عشقِ رسول کے بغیر بندہ محبتِ الہی سے محروم رہتا ہے، امامِ الاتقیاء کو سرورِ دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچا عشق تھا، آپ کے ہر قول و عمل سے عشقِ رسول کی جھلک نمایاں تھی، آپ کو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زبردست گرویدگی اور وارفتگی تھی، آپ تمام عمر پورے عالم کو اتباعِ نبوی میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے، عوام و خواص، علماء و دانشور، غریب و سرمایہ دار، غرض کہ سب کے سامنے آپ کی گفتگو کا موضوع حضورِ اکرم ﷺ کا عشق و محبت ہوتا اور اتباع کی تلقین ہوتی۔

ایک بار آپ بیمار ہو گئے جس کی وجہ سے کافی نقابت ہو گئی، محبوبِ رب العالمین نے اپنے فدائی کے جذبہٴ محبت کی لاج رکھی اور خواب ہی میں ایک پیالے میں دوا عنایت فرمائی جس کے پینے سے افاقہ ہوا اور وہ جلد ہی رُوبصحت ہو گئے (۱)۔

(۱) ”حیاتِ مفتی اعظم“، معنفہ مرزا عبدالوحید بیگ بریلوی۔

بیعت و خلافت: آپ اپنے خلیفہ اکبر امام احمد رضا خاں محدث دہلوی اور تاج النحل علامہ عبدالقادر بدایونی کے ہمراہ ۵ جمادی الآخرہ ۱۲۹۳ھ کو خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے، اور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت حاصل کیا۔ امام احمد رضا بھی اسی مجلس میں سیدنا شاہ آل رسول قدس سرہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، اسی مجلس میں آپ نے دونوں کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔

اجازت حدیث: امام الاتقیاء مولانا نقی علی خاں کو سند حدیث مندرجہ ذیل چار سلسلوں سے حاصل تھی:

(۱) سیدنا شاہ آل رسول ماترہ وی سے، اور وہ اپنے مشائخ سے بیان کرتے ہیں، جن میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی ہیں، اور وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے^(۱)۔

(۲) اپنے والد امام العلماء مولانا رضا علی خاں سے، وہ مولانا ظلیل الرحمن محمد آبادی سے، وہ فاضل محمد سندیلوی سے، اور وہ ابوالعیاش بحر العلوم علامہ محمد عبدالعلی سے^(۲)۔

(۳) سید احمد بن زینی وطلان مکی سے، اور وہ شیخ عثمان دمیاطی سے^(۳)۔

(۱) بیاض قلمی امام احمد رضا خاں حضرت سید شاہ عجمی حسن مارہروی۔

(۲) ۱۳ اجازات المتینۃ لعلماء ہجۃ والمدینۃ، النسخۃ الرابعۃ، ثم اتفقت العبارة، ص ۶۶، ۶۷ بتصرف۔

(۳) ۱۳ اجازات المتینۃ، النسخۃ الرابعۃ، ثم اتفقت العبارة، ص ۶۷۔

(۴) آپ کو شیخ محقق عبدالحق دہلوی کی طرف سے بھی حدیثِ مسلل بالاولیت کی سند حاصل تھی^(۱)۔

حج و زیارت: آپ ۲۶ شوال ۱۲۹۵ھ کو حج و زیارت کے لئے روانہ ہوئے، یہ وہ دور تھا کہ آپ شدید علیل تھے اور ضعف انتہا کو تھا، اس سلسلہ میں امام احمد رضا فرماتے ہیں: عزمِ زیارت و حج مصمم فرمایا، یہ غلام (احمد رضا) اور چند اصحاب و خدام ہمراہ رکاب تھے، ہر چند احباب نے عرض کیا کہ: علالت کی یہ حالت ہے، آئندہ سال پر ملتوی فرمائیے! ارشاد فرمایا: ”مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم دروازہ سے باہر نکالوں، پھر چاہے روح اُسی وقت پرواز کر جائے“۔ دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد میں تندرستوں سے کسی بات میں کمی نہ فرمائی، بلکہ مرض ہی خود ہی اکرم ﷺ کے ایک آبِ خورہ میں دوا عطا فرمانے سے کہ ((مَنْ رَأَى فَقْدَ رَأَى الْحَقَّ)) (رواہ أحمد^(۲) والشیخان^(۳)) عن أبي قتادة رضي الله تعالى عنه) حدِ منع پر نہ

(۱) ”الإحازات المتينة“، سند الحديث المسلسل بالاولية، طريق الشيخ المحقق عبدالحق المحدث قدس سرہ، ص ۷۴ بتصرف۔

(۲) ”المسند“ للإمام أحمد، مسند الأنصار، حديث أبي قتادة الأنصاري، ر: ۳۷۸/۸، ۲۲۶۶۹۔

(۳) ”صحيح البخاري“، كتاب التعبير، باب من رأى النبي ﷺ - في المنام، ر: ۶۹۹۶، ص ۱۲۰۷، و”صحيح مسلم“، كتاب الرؤيا، باب قول النبي عليه الصلاة والسلام: ((مَنْ رَأَى فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَأَى))، ر: ۵۹۲۱، ص ۱۰۰۔

رہا“ (۱)۔

فتویٰ نویسی: تیرہویں صدی ہجری میں امام الاقنیا کے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی خاں نے ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں سرزمین بریلی پر مسندِ افتاء کی بنیاد رکھی، اور چونتیس سال تک فتویٰ نویسی کا کام بحسن و خوبی انجام دیا، امام العلماء نے اپنے فرزند سعید مولانا نقی علی خاں کو خصوصی تعلیم دے کر مسندِ افتاء پر فائز کیا۔ آپ نے مسندِ افتاء پر رونق افروز ہونے کے بعد سے ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتویٰ نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا، بلکہ معاصر علماء و فقہاء سے اپنی علمی بصیرت کا لوہا منوالیا۔ مولانا نے طویل عرصہ تک ملک و بیرون ملک سے آنے والے سوالات کے جوابات انتہائی فقیہانہ بصیرت کے ساتھ فی سبیل اللہ تحریر کئے۔ مولانا کے فتاویٰ کا مجموعہ تیار نہ ہو سکا، اس لئے ان کی فتویٰ نویسی پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی جاسکتی، لیکن مختلف علوم پر آپ کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔ آپ کی آراء کو علمائے عصر بطور سند تسلیم کرتے تھے، اور اپنے فتوؤں پر امام الاقنیا کی تصدیق لازمی و ضروری سمجھتے تھے۔ آپ کے پاس عام طور پر فتاویٰ تصدیقات کے لئے آتے تھے، آپ انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے، اگر جوابات صحیح ہوتے دستخط فرمادیتے تھے، اور اگر جواب غلط ہوتے تو علیحدہ کاغذ پر جواب لکھ دیتے تھے، کسی کی تحریر سے تعرض نہیں فرماتے، اس بارے میں آپ کے شاگرد مفتی حافظ بخش آنولوی لکھتے ہیں: ”مسائل جو مہر کے واسطے آتے ہیں، اگر صحیح ہوتے ہیں، مہر ثبت فرماتے

(۱) ”جواب الہیان فی أسرار الارکان“، حالات مصنف از: امام احمد رضا۔

ہیں، اور جو خلاف کتاب ہوتے ہیں جواب علیحدہ سے لکھ دیتے ہیں، کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے“ (۱)۔

درس و تدریس: آپ ایک بلند پایا عالم اور اپنے وقت کے بے مثال فقیہ تھے، آپ نے تصنیف کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کی طرف بھی توجہ دی، آپ کا درس مشہور تھا، طلباء دور دور سے آپ کے پاس علم کی پیاس بجھانے آتے تھے، آپ بہت ذوق و شوق کے ساتھ طلباء کو تعلیم دیتے۔ مولانا تقی علی خاں قوم کی فلاح و بہبودگی کے لئے دینی تعلیم کو لازمی قرار دیتے تھے، آپ نے اس مقصد کے حصول کے لئے بریلی میں ”مدرسہ اہل سنت“ قائم کیا۔

مجاہد آزادی: آپ کو ملک میں انگریزی اقتدار سے سخت نفرت تھی، آپ نے تاحیات انگریزوں کی مخالفت کی اور انگریزی اقتدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، وطن عزیز کو انگریزوں کے جبر و استبداد سے نجات دلانے کے لئے آپ نے زبردست قلمی و لسانی جہاد کیا، اس بارے میں چندا شاہ حسینی لکھتے ہیں: ”مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ انگریزوں کے خلاف لسانی و قلمی جہاد میں مشہور ہو چکے تھے، انگریز مولانا کی علمی و جاہت و دبدبہ سے بہت گھبراتا تھا، آپ کے صاحبزادہ مولانا تقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ بھی انگریزوں کے خلاف جہاد میں مصروف تھے، مولانا تقی علی خاں کا ہند کے علما میں اونچا مقام تھا، انگریزوں کے خلاف آپ کی

(۱) تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال، ص ۲۳۔

عظیم قربانیاں ہیں“ (۱)۔

ملک سے انگریزوں کو نکال باہر کرنے کے لئے ہند کے علماء نے ایک جہاد کمیٹی بنائی، انگریزوں کے خلاف عملاً جہاد کا آغاز کرنے کے لئے ”جہاد کمیٹی“ نے جہاد کا فتویٰ صادر کیا، اس ”جہاد کمیٹی“ میں سر فہرست مولانا رضا علی خاں بریلوی، علامہ فضل حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا نقی علی خاں بریلوی، مولانا احمد اللہ شہید، مولانا سید احمد مشہدی بدایونی، فتح بریلوی، جنرل بخت خاں وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں (۲)۔

مولانا نقی علی خاں انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے پہنچاتے تھے، آپ نے اپنی انگریز مخالف تقاریر سے مسلمانوں میں جہاد کا جوش و ولولہ پیدا کیا، بریلی کا جہاد کامیاب ہوا، انگریزوں کو مسلمانوں نے شکست دے کر بریلی چھوڑنے پر مجبور کر دیا (۳)۔

تلامذہ: مولانا نقی علی خاں بریلوی کے مندرجہ ذیل تلامذہ معروف زمانہ ہوئے:

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں (۲) مولانا حسن رضا خاں حسن بریلوی

(۱) ”مخمس التواریخ“ ...

(۲) ”مشعل راہ“ = ”برطانوی مظالم کی کہانی عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہانپوری کی زبانی“، باب اول ۱۸۵۷ء کا گمراہ اور نتائج، ص ۳۶ ملخصاً۔

(۳) ”حیات مفتی اعظم“ ...

- (۳) مولانا برکات احمد (۴) مولانا ہدایت رسول لکھنوی
 (۵) مفتی حافظ احمد بخش آنولوی (۶) مولانا حشمت اللہ خاں
 (۷) مولانا سید امیر احمد بریلوی (۸) مولانا حکیم عبدالصمد صاحب
 عقد اور اولاد: مولانا نقی علی خاں کی شادی مرزا اسفندیار بیگ لکھنوی کی دختر
 حسینی خانم کے ساتھ ہوئی تھی، مرزا اسفندیار بیگ کا آبائی مکان لکھنؤ میں تھا، مگر آپ
 نے مع اہل و عیال بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی، آپ مسلک سنی تھے۔
 مولانا نقی علی خاں کی مندرجہ ذیل اولادیں یادگار تھیں:
 (۱) احمدی بیگم زوجہ غلام دستگیر عرف محمد شیر خاں، خلف محمد عمران خاں۔
 (۲) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں۔
 (۳) استاد ذمّن مولانا حسن رضا خاں۔
 (۴) حجاب بیگم زوجہ وارث علی خاں۔
 (۵) مولانا محمد رضا خاں۔
 (۶) محمدی بیگم زوجہ کفایت اللہ خاں خلف عطاء اللہ خاں۔

ہمد مجت کا سفر آخرت: امام الاتقیاء مفتی نقی علی خاں کا خونی اسہال کے
 عارضہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ کو وصال ہوا، اور اپنے والد ماجد امام العلماء مولانا رضا علی
 خاں کے پہلو میں بخیر استراحت ہوئے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی آپ کے آخری
 لمحات کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:

”سلخ ذیقعدہ پنج شنبہ وقت ظہر ۱۲۹۷ھ قدسیہ کو ۵۱ برس پانچ ماہ کی عمر
 میں بعارضہ اسہال دُموی شہادت پا کر شب جمعہ اپنے والد ماجد قدس سرہ کے کنارہ میں

جگہ پائی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

روزِ وصال نمازِ صبح پڑھ لی تھی اور ہنوز وقتِ ظہر باقی تھا کہ انتقال فرمایا، نزع میں سب حاضرین نے دیکھا کہ آنکھیں بند کئے متواتر سلام فرماتے تھے، جب چند آنفاس باقی رہے ہاتھوں کو اعضائے وضو پر یوں پھیرا گویا وضو فرما رہے ہیں، یہاں تک کہ استہشاق بھی فرمایا۔ سبحان اللہ! اپنے طور پر حالتِ بے ہوشی میں نمازِ ظہر بھی ادا فرما گئے، جس وقت روح پُرفتح نے جدائی فرمائی فقیر سر ہانے حاضر تھا، واللہ العظیم! ایک نورِ ملیح علانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اٹھ کر برقی تابندہ کی طرح چمکا، جس طرح لمعانِ خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے، یہ حالت ہو کر غائب ہو گیا، اس کے ساتھ ہی روح بدن میں نہ تھی“ (۱)۔

تصنیف و تالیف: تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی مولانا تقی علی خاں اپنے دور میں نادر روزگار مصنف تھے، اور جمیع علوم میں اپنے ہم عصر علماء پر فوقیت رکھتے تھے، آپ کو متعدد علوم پر دسترس حاصل تھی، آپ نے اردو، عربی، فارسی کو اپنی گراں قدر تصانیف سے مالا مال کیا، آپ نے متعدد علوم و فنون اور موضوعات پر کتابیں لکھیں، خاص طور پر سیرتِ نبوی ﷺ، تعلیم و تعلم، علمِ معاشرت، علمِ تصوف وغیرہ موضوعات و مسائل پر نہایت جامع اور بلند پایہ چالیس کتابیں تصنیف کیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے ۲۶ کتابوں کا ذکر کیا۔ آپ کی بیشتر تصانیف اور دینی تحقیقات

(۱) "إذاعة الأناضول لمانبي عمل المولد والقيام" = "میلاد و قیام"، تعارف مصنف، ص ۳۳

آپ کی حیات میں طبع نہ ہو سکیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے آپ کو علم و فضل کی دولت کے ساتھ ساتھ استیقتا کی دولت سے بھی مالا مال کیا تھا، جس وقت نام نہاد علما اپنے علم کو جس تجارت بنا کر برطانوی حکام سے نذرانے وصول کر رہے تھے، اور دولت مندوں سے چندہ لے کر اپنے عقائد کی ترویج و اشاعت کر رہے تھے، اس وقت مفتی نقی علی خاں کی غیرت دینی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے خود اپنے ہم مسلک اور معتقدین رؤسا کے پاس جانا بھی منظور نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی زیادہ تر تصانیف آپ کی حیات میں زیرِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔

آپ کی زیرِ مطالعہ کتاب کا نام ”أصول الرشاد لقمع مباني الفساد“ ہے، اس کتاب کے بارے میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں: ”اس کتاب میں وہ قواعد ایضاح و اثبات فرمائے جن کے بعد نہیں مگر سنت کو قوت، اور بدعتِ نجدیہ کو موتِ حسرت“ (۱)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس عظیم و جلیل کتاب میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے اُن قواعد و اصول کی وضاحت فرمائی ہے جو ہم اہل سنت اور وہابیہ، نجدیہ، دیوبندیہ، وغیرہ مقلدین کے درمیان زمانہ دراز سے محلِ نزاع ہیں۔ آپ نے اس طرح کے بیس قواعد تحریر فرمائے ہیں اور ہر قاعدہ کو خوب شرح و بسط کے ساتھ تحریر فرما کر ایسی تحقیق اُنیق فرمائی ہے کہ مزید چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ منصف مزاج غیر جانبدار شخص اگر ان اصول کا سنجیدگی سے مطالعہ کرے تو بلاشبہ وہ

(۱) ”مختصر حالات مصنف“ مشمولہ ”جواہر البیان“، ص ۸۔

حضرت اقدس مصنف علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں داد و تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نیز ان قواعد کو تسلیم کر لینے کے بعد عصر حاضر کے سیکڑوں دینی و شرعی مسائل میں موجود نزاع خود بخود مرتفع ہو جائے گا۔

قاعدہ اولیٰ میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ”الفاظ شرعیہ سے حتی الامکان ان کے معانی حقیقیہ مراد ہوتے ہیں۔“ اس قاعدے کے تحت چار فائدے تحریر فرمائے: ”فائدہ اولیٰ معنی اللہ کی تحقیق میں، فائدہ ثانیہ معنی عبادت کی تحقیق میں، فائدہ ثالثہ معنی شرک کی تحقیق میں، فائدہ رابعہ معنی بدعت کی تحقیق میں۔“

چاروں فائدوں کی تحقیق و وضاحت میں آپ نے تقریباً ۸۰ کتابوں کے حوالے پیش فرمائے جو بلاشبہ آپ کے حجر علمی اور وسعت مطالعہ کا بین ثبوت ہیں۔ اس قاعدہ کے تحت فائدہ رابعہ میں آپ نے بدعت کی نہایت نفیس تحقیق فرمائی ہے، جو شایان مطالعہ ہے، مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں:

”بالجملہ مجز عدم فعل خواہ عدم نقل حضور سے نہ مثبت کراہت و حرمت، اور نہ تحدید زمانی اس میں معتبر، اور نہ فقدان کسی فعل کا ازمنہ مٹاؤ میں اس کی ضلالت و بدعت سمیہ ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور استہلال اکابر فرقہ وہابیہ اس بات پر کہ ”جو امر قرون مٹاؤ یعنی عہد سید المرسلین و زمانہ صحابہ و تابعین میں نہ پایا جائے بدعت و ضلالت ہے“ حدیث: ((حیور امتی)) سے محض بے جا ہے“ (۱)۔

اس کے بعد اپنے دعوے پر چند دلائل پیش فرمائے جن کی اس مختصر کلام میں

گنجائش نہیں، صرف ایک دلیل ملاحظہ فرمائیں:

حدیث کا فرمان کہ ”تابعین کا زمانہ بہتر ہے“ (۱) اس کا یہ مطلب بیان کرنا کہ صرف اہل زمانہ کے اعتبار سے اس میں خوبی پائی جاتی ہے درست نہیں، بلکہ الفاظ حدیث تو اس معنی کی صراحت کر رہے ہیں کہ تابعین کا زمانہ عہد نبوت سے قریب ہونے کے سبب بہتر ہے، اور صحابہ کرام کا زمانہ عہد رسالت سے قریب تر ہونے کے سبب بہتر ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ زمانے فی نفسہ بہتر، تو تمام افعال و اشخاص بہتر ہیں، یا اپنی ذات کے اعتبار سے بہتر، تو بعد کے تمام زمانے شرف و فساد سے بھرے ہیں، اور ان زمانوں میں ایجاد ہونے والے تمام کام سراسر ناجائز اور خلاف شرع ہیں، بلکہ خوبی و اچھائی کا مدار خود افعال کی خیر و خوبی پر ہے، جمع قرآن کے موقع پر صحابہ کرام نے اسی پر اتفاق اور اجماع فرمایا۔

قاعدہ ۲ میں فرماتے ہیں: ”چند افعال نیک کا مجموعہ نیک ہی رہتا ہے۔“ دلائل عقلیہ کی روشنی میں نہایت عمدہ بحث ہے جو آپ نے اپنے دعوے کے اثبات میں تحریر کی، اور پھر رسالت کتابوں کی سند سے مخالفین کے لئے مُسکِت جواب دیئے۔ اس قاعدے کی رُو سے فاتحہ اور سوئم وغیرہ امور متنازعہ کا جواز اظہر من الشمس وأبین من الشمس ہے۔

قاعدہ ۳ میں مشہور قاعدہ بیان فرمایا کہ ”اشیاء میں اصل اباحت ہے۔“

(۱) ”صحیح مسلم“، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة، ثم الذين يلونهم،

تقریباً ۳۵ کتابوں سے حوالہ دیکر یہ واضح فرمایا کہ اصل کئی زمانہ قدیم سے معمول یہ ہے، اور قرآن وحدیث سے ثابت۔

قاعدہ ۴ میں فرمایا: ”قرآن وحدیث کے عموم و اطلاق سے اسدلال عہد صحابہ کرام سے بلا تکثیر جاری ہے۔“ اس قاعدہ کو ۲۵ سے زائد کتابوں کے حوالے سے ثابت فرما کر حق تحقیق ادا کر دیا ہے۔

قاعدہ ۵ میں فرمایا: ”فعل فعیج سے مقارنت کے سبب فعل حسن ہر جگہ فعیج نہیں ہو جاتا۔“ ”در مختار“ اور ”البحر الرائق“ سے اس کی نظیریں پیش فرما کر منکرین کی دہن دوزی فرمائی ہے۔

قاعدہ ۶: ”کفار ومبتدعین سے افعال میں مشابہت ہر جگہ حرام و کفر نہیں، اس کے لئے چند شرائط ہیں۔“ اس کی وضاحت کے لئے آپ نے متعدد کتابوں کے حوالے دے کر فرمایا کہ ”احادیث مشابہت سے سختہ کفار مطلق ممنوع ٹھہرانا اقوال علماء کے سراسر خلاف ہے۔“

قاعدہ ۷: ”کسی با عظمت شے کی طرف نسبت سے زمان و مکان بھی عظیم ہو جاتے ہیں۔“ قرآن وحدیث سے اسدلال فرما کر اس اصل کی خوب خوب وضاحت فرمائی، جو بلاشبہ مخالفین کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔

قاعدہ ۸: ”جو بات اہل اسلام میں بلا تکثیر رائج ہو وہ محمود و حسن ہوتی ہے۔“
 قاعدہ ۹: ”امت مسلمہ کے اجماع کی طرح جمہور اور اکثر حضرات کا قول بھی حجت شرعی ہوتا ہے، اگرچہ اول قطعی اور دوم ظنی ہے۔“ اس قاعدہ کے اثبات میں مصنف علیہ الرحمہ نے آیات واحادیث سے اسدلال فرمایا ہے اور نہایت علمی و تحقیقی

بحث فرمائی ہے۔ ایک مقام کا خلاصہ یہ ہے کہ ((فعلیکم بالسواد الأعظم))^(۱) حدیث کا ایک جز ہے، جس کے ذریعہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لوگوں کو امت میں اختلاف کے وقت سوادِ اعظم کی پیروی کا حکم دیا ہے، اور سوادِ اعظم سے مراد جمہور امت ہیں۔

قاعدہ ۱۰: ”ہر حکم شرعی میں یہ ضروری نہیں کہ اس کو بیان کرنے کا حق مجتہد ہی کو ہے، بلکہ بے شمار احکام کے استخراج پر علما قادر تھے اور انہوں نے بیان بھی فرمائے، مثلاً دلالتِ اقص سے استہلال، علیٰ منصوبہ کے ذریعہ کھئی کے دیگر جزئیات میں اس کا حکم جاری کرنا، مبہمات کی تصریح کرنا، مجملات کی تفصیل بیان کرنا، مجتہدانہ اصول سے احکام غیر مصرحہ کا استنباط کہ بہت سے وقائع و حوادث رونما ہوئے، لیکن کسی نہ کسی اصل کے تحت آتے ہیں، لہذا ان کا بیان کرنا، ظاہر، نص، مفسر اور محکم وغیرہ اسے احکام کو جاننا اور بیان کرنا، یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے ذریعہ علمائے کرام نے ہر دور میں احکام بیان فرمائے۔ مصنف علام نے اس دعویٰ پر متعدد کتب سے حوالے پیش فرمائے ہیں، لیکن بعض مخالفین کو اس پر اصرار ہے کہ یہاں اجماع امت مراد ہے، اس کے جواب میں فرمایا: ”یہ تسلیم ہے کہ سوادِ اعظم اور اجماع امت کا مدلول واحد ہے، لیکن یہاں سوادِ اعظم کی اتباع سے پہلے اختلاف کا ذکر ہے، اور اختلاف کے ہوتے ہوئے اجماع امت حقیقی کا تصور نہیں کیا جاسکتا، لہذا جماعت کثیرہ کو اجماع امت سے تعبیر فرمایا، اور سوادِ اعظم کا اجتماع گمراہی پر نہیں ہوگا،

(۱) ”سنن ابن ماجہ“، کتاب الفتن، باب السواد الأعظم، ز: ۳۹۵۰، ص: ۶۶۹۔

بلکہ یہاں یوں کہا جائے تو حق ہے کہ اجماع بسا اوقات بمعنی جماعت کثیرہ پر بولا جاتا ہے، اور جو حکم اکثر کی طرف منسوب ہو وہ کل کی طرف شمار ہوتا ہے، مخالفین کے معتمدین میں سے متکلم قنوجی ”غایۃ الکلام“^(۱) کے مقالہ میں اس امر کی خود تصریح کر چکے، پھر منکرین کو کیا مجال دم زدن!؟۔

قاعدہ ۱۱: ”حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتکلیماً کے عوام و خواص اور علما و ائمہ جس بات پر باتفاق عمل کرتے ہوں یہ ان کا تعامل ہے، اور یہ بھی حجت ہے۔“ فقہائے کرام نے اس تعامل کے سبب بہت سے امور شرعیہ کے جواز و منع پر استدلال فرمایا، اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ”شرح موطا“ میں بہت سے مقامات پر اس سے استدلال فرمایا ہے۔ اس موقف کے اثبات پر آپ نے احادیث سے بھی استدلال کیا ہے اور فقہائے کرام کے بہت سے اقوال پیش فرمائے ہیں۔

قاعدہ ۱۲: ”اجماع سکوتی احناف اور جمہور علما کے نزدیک حجت شرعی ہے،“ یعنی خواص اہل اسلام کی ایک جماعت کا قول و فعل اور باقی مسلمانوں کا سکوت۔ کتب اصول میں اس کی صراحت موجود ہے۔

قاعدہ ۱۳: ”کسی مسئلہ میں پہلے علمائے کرام کے درمیان اختلاف تھا، لیکن بعد کے زمانہ میں علما و فقہا نے اتفاق کر لیا، تو اب پہلے کا اختلاف کا عدم قرار پاتا ہے، اور مسئلہ اجماعی ہو جاتا ہے۔“ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب اس کے خلاف قرار دینا غلط، بلکہ صحیح یہ ہے کہ امام اعظم، امام احمد بن حنبل اور امام غزالی وغیرہ اکثر شوافع

(۱) ”غایۃ الکلام“۔

اس پر متفق ہیں، احناف کی غالب اکثریت اسی کی قائل ہے۔ لہذا اب اختلاف صحابہ کو لے کر متعہ، جمع مال، دیدار الہی اور معراج جسمانی جیسے امور شرع میں کوئی یہ کہہ کر اختلاف کو قائم رکھے کہ یہ مسائل تو دور صحابہ میں بھی مختلف فیہ تھے، لہذا آج ہمیں بھی اس کا حق ہے کہ بعض امور کو اپنائیں، متعہ جیسے مسائل کی رو سے فائدہ اٹھائیں، تو یہ ہر گز جائز نہیں، یا معراج جسمانی کا انکار کر کے کسی صحابی کی پیروی کر لیں، تو اس کی اجازت کسی صورت میں نہیں دی جاسکتی؛ کیوں کہ بعد میں یہ امور عطف علیہ ہو گئے، اب متعہ حرام ہی قرار پائے گا، اور معراج جسمانی کا قول ناگزیر ہے۔

قاعدہ ۱۴: ”کوئی ایسا فعل جو فی نفسہ واجب نہیں لیکن اس کو واجب سمجھ کر ہمیشہ کرتے رہنا بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے، لیکن واجب و فرض کے علاوہ کاموں کو فرض و واجب نہ جانتے ہوئے کرتے رہنا اور اس پر مداومت اختیار کرنا نہایت محمود، بلکہ مطلوب فی الشرع ہے۔“ لہذا بخاری وغیرہ صحاح میں اس کی ترغیب وارد اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے التزام کے بعد ترک کر دینے کو منع فرمایا: اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خاص اس سلسلہ میں ایک باب وضع کیا: ”باب أحب الدین إلى الله تعالى أدومہ“ (۱) یعنی پسندیدہ اعمال میں اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے اور ہمیشہ پابندی سے اس پر عمل رہے۔ اس قاعدہ کی رو سے محفل میلاد، فاتحہ، اور درود و سلام وغیرہ کا التزام جائز و مستحسن ہے، جو لوگ اس پر عمل پیرا ہیں ان کے بارے میں یہ سمجھ لینا کہ وہ واجب جانتے ہیں غلط فہمی

(۱) ”صحیح البخاری“، کتاب الإیمان، ص ۱۰۔

اور نئے ظن ہے، اور یہ سراسر خلاف شرع ہے۔

قاعدہ ۱۵: ”حضور نبی کریم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اللہ تعالیٰ کو ہر طرح محبوب و پسند اور شرع کو مطلوب ہے۔“ آپ کی ذات والا شعائر اللہ میں اعظم واجل ہے، اور شعائر اللہ کی تعظیم جس قرآن حکیم قلوب کا تقویٰ و پرہیزگاری ہے^(۱)، بلکہ آپ کی تکریم جانِ ایمان ہے، صحابہ کرام نے اظہارِ عظمتِ رسول میں مختلف طریقوں سے اس کا ثبوت دیا، جی کہ بعض نے اس کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔

قاعدہ ۱۶: ”حضور سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم کی تعظیم و تکریم آپ کی ظاہری حیاتِ مقدسہ کے ساتھ ہی خاص نہیں، بلکہ بعدِ وصال بھی اسی طرح واجب و فرض ہے جیسی تھی۔“ نصوص کا اطلاق اور احادیث کی صراحت اس پر واضح دلائل ہیں۔ علمائے کرام نے اس کی تاکید شدید فرمائی، علامہ قاضی عیاض نے ”شفا شریف“ میں اس کی خوب وضاحت فرمائی ہے^(۲)۔

قاعدہ ۱۷: ”جس طرح بعدِ وصال آپ کی تعظیم و تکریم واجب و لازم، اسی طرح آپ کے ذکرِ مبارک، کلامِ پاک اور نامِ نامی کی تعظیم بھی ضروری ہے۔“ ہمارے اُسلافِ کرام، ائمہ دین اور علمائے کرام ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے، احادیث

(۱) ﴿ذَلِكَ وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرُ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾، (ب، ۱۷، الحج: ۳۲)۔

(۲) ”الشفاء بتعريف حقوق المصطفى“ القسم الثاني، الباب الثالث في تعظيم أمره

ووجوب توقيره وبراءه، فصل: واعلم... إلخ، الجزء الثاني، ص ۲۶-۲۸۔

کریمہ کے بیان کرنے کے وقت صحابہ کرام سے عظمتِ رسول کی اہمیت اور کیفیت و حالت معلوم کیجئے تو واضح ہوگا کہ وہ حضرات جس طرح ذاتِ رسول کا احترام کرتے تھے اسی طرح وہ اقوالِ رسول بیان کرتے وقت بھی ہیبت و اجلال کا مجسمہ نظر آتے تھے، امام مالک سے تحدیث و ذکرِ رسول کی کیفیت پوچھو! فرماتے تھے: ”اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تردد و انکار کو راہ نہ دیتے“ (۱)۔

قاعدہ ۱۸: ”تعظیم کے لئے معظم کا سامنے ہونا شرط نہیں“۔ دیکھو کعبہ معظمہ کی تعظیم قریب و بعید، سامنے اور پیچھے ہر حال میں لازم، اور بول و براز کے وقت نہ منہ کر سکتے ہیں اور نہ پشت، ملائکہ کو حکم ہوا آدم کو سجدہ کریں، حالانکہ درحقیقت نور محمدی کو سجدہ تھا، اور وہ ملائکہ کو بھی محسوس و مشاہد نہیں تھا، جیسا کہ امام رازی نے ”تفسیر کبیر“ میں بیان فرمایا (۲)، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ عبادت تو غایتِ تعظیم کا نام ہے، لیکن معبود کا محسوس و مبصر ہونا کسی نے شرط نماز نہیں کہا۔

قاعدہ ۱۹: ”جب تک کسی خاص فعل کی بابت شریعت اظہارِ تعظیم سے منع نہ فرمائے اُس وقت تک اظہارِ تعظیم کو مقید کرنا محض تحکم ہے، بلکہ باری تعالیٰ نے آپ کی تعظیم بلا تخصیص و تعین فرض فرمائی ہے، اور کسی خاص صورت اور طریقہ میں منحصر نہیں فرمائی، لہذا جس طرح سے بھی اظہارِ تعظیم ہو وہ محمود و مطلوب ہے۔ یہ مطالبہ سراسر بے جا ہے کہ تعظیم کے اظہار کا یہ طریقہ عہدِ صحابہ میں دکھلاؤ! بلکہ جو تعظیم کے کسی طریقہ پر

(۱) ”الشفاء“، القسم الثانی، الباب الثالث فی تعظیم امرہ و وجوب توقیرہ و برہ، فصل:

واعلم... إلخ، الجزء الثانی، ص ۲۷۔

(۲) ”التفسیر الکبیر“، پ ۳، البقرة تحت الآية: ۲۵۳، ۲/۵۲۵۔

معارض ہے وہ اس کی ممانعت قرآن وحدیث سے ثابت کرے، جو بلا دلیل تعظیم رسول کے اظہار سے روکتا ہے، وہ معاند و گستاخ اور بے باک ہے۔

قاعدہ ۲۰: ”تعظیم اور توہین کے سلسلہ میں خاص طور پر عرف کا اعتبار ہوتا ہے“، مثلاً عرب میں ”ك“ ضمیر کے ذریعہ خطاب عام ہے، جس کا ترجمہ ہے ”تُو“، باپ ہو یا کوئی اور معظم شخصیت، سب کو اسی کے ذریعہ خطاب کیا جاتا ہے، لیکن ہمارے دیار میں کسی معظم و بزرگ بلکہ ساتھی اور ہمسر کو بھی ”تُو“ کہنا خلاف ادب اور گستاخی قرار پائے گا۔ لہذا فقہائے کرام نے صد ہا مسائل کو عرف وعادت کے اعتبار سے بیان فرمایا، اور اہل اسلام میں جیسا رواج دیکھا اسی پر بنائے کار رکھی، مصنف علیہ الرحمہ نے امام غزالی علیہ الرحمہ کی کتاب ”احیاء العلوم“ سے اس قاعدہ کی باحسن وجوہ وضاحت فرمائی^(۱)۔

اس طرح آپ نے بیس اصول بیان فرما کر مخالفین کے اختراعی اور خود ساختہ قواعد کی دھجیاں اڑادی ہیں، اور منکرین کے لئے مجال دم زدن نہیں چھوڑی، پھر بھی کوئی شخص اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو یہ اس کی ٹھومی قسمت کا نتیجہ ہوگا۔ پوری کتاب اصول شریعت کا بحر ذخار ہے، جس کے ذریعہ ہزار ہا اختلافی مسائل کی گتھیاں سلجھائی جاسکتی ہیں، لیکن نگاہ انصاف اور قلب سلیم کی ضرورت ہے۔ یہ کتاب مصنف علیہ الرحمۃ والرضوان کے حجر علمی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

یہ کتاب مصنف علیہ الرحمہ کے وصال اقدس کے فوراً بعد ۱۲۹۸ھ میں طبع

(۱) ”اصول الرشاد قمع مہانی الفساد“، ص ۲۲۸، ۲۲۹۔

ہوئی تھی جس کو اب ایک سو تیس (۱۳۰) سال سے زیادہ ہو رہے ہیں، غالباً اس کے بعد اب تک نہیں چھپ سکی، کتاب کی طباعت قدیم طرز پر تھی، اس میں نہ پیرا گراف، نہ کاما اور فل اشاپ، قدیم طرز کی اردو، اور لمبے جملوں کے سبب افادہ و استفادہ عام نہیں ہو پاتا، راقم الحروف نے محبت گرامی حضرت مولانا محمد اسلم رضا صاحب رضوی کراچی کی فرمائش پر اس کی پیراہندی، کاما اور فل اشاپ کا التزام کیا، تخریج کا کام مولانا محمد اسلم رضا نے اپنے ادارہ اہل سنت سے کروایا، ہمارے پاس دو نسخے ہیں، ایک مطبوعہ مطبع صبح صادق سینٹاپور (یو پی) کانکس، اور دوسرا مصنف علیہ الرحمہ کے قلم کا مخطوطہ، دونوں سے حتی الامکان مقابلہ کر کے صحت کا پورا التزام کیا گیا ہے، بعض مقامات پر تردد بھی رہا، لیکن احباب سے مشورہ کے بعد ان کی تصحیح کی گئی۔

يافتاح

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم صل على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين.

إن أرفع ما تمهد به قواعد بنيان البيان حمد عليم، اصطفى لنا الإسلام ديناً وجعله وسطاً عدلاً سمحاً سهلاً متيناً، فبين لنا الحلال تبييناً، وأوضح لنا المحرم تفصيلاً، وما سكت عنه فهو عفو منه إكراماً وتفضيلاً، فله الحمد كما ينبغي لحلال وجهه وعظيم سلطانه حمداً يوافي نعمه، ويكافئ مزيد إحسانه، وإن أحكم ما تشيد به مباني بناء الكلام نعت حكيم أرشدنا إلى سبل الحق يقيناً، ومنحنا في غياهب الشكوك نوراً مبيناً، شمر عن ساعد الجهد في تأسيس أصول الرشد فلم يذر فيها ثلعة ودعا الناس بكتاب فيه تفصيل لكل باب إلى كلمة أينما كلمة فلم يترك علينا في ديننا شوكة من شك مولماً ولا داجاً من شبهة مظلماً ولا خفاء يضلنا عن الحق تضليلاً فيجعل علينا لتلبس إبليس سبيلاً، فصلّى الله عليه وسلم وشرف ومجدّ وكرم حق قدره وشأنه وقدر رفعة مكانه وعلى آله الأطهار وأصحابه الأخيار الذين بذلوا غاية جهدهم في دعاء العالمين إلى تزيين رقاب اليقين بقلائد أصول الدين وتحلية صدور الدين بهيا كل فروع الشرع المبين جزاهم الله عنا خير ما جازى آل نبي عن قومه وصحب رسول الله عن أتباعه وخدمه وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم.

اتما بعد اس زمانہ پر آشوب و فساد میں کہ بازارِ علم کا سد ہے، اور آزارِ جہل روز بروز زائد، خدا ناشناسان بے قید و بند، و ہواداران ہوائے نفس آزادی پسند نے ماہ تابِ عالم تابِ اسلام کو بجکم ((إِنَّ هَذَا الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فُطُوْبِي لِلْغُرَبَاءِ))^(۱) عین محاق میں ﴿حَتَّىٰ عَاذَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ﴾^(۲) کا مصداق پا کر غیابتِ شکوک و غیابِ اوہام میں بے چارے عوام نادیدہ رَو کے لئے جو شعِ علم و یقین کی روشنی سے کامل بہرہ اندوز نہیں دامِ اضلال بچھایا، اور سوا ان اقبالِ مندانِ سعادت نصیب کے جنہیں روزِ ازل وعدہ کریمہ: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾^(۳) نے اپنی سایہ عنایت و دامنِ حمایت میں لیا تھا، جس پر قابو چلا چاہِ ضلالت میں گرایا، عامیاں خام کار نے بختوئی جہلِ مرکبِ ائمہ امت و مجتہدین ملت بن کر بجکم ((فافتوا بغیر علم فضلوأواضلوأ))^(۴) وہ مسائل اپنے اُمثالِ جہال کو تعلیم کئے کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور اُن کے بھی خارِ راہ بنے، اور برہمنوئی نفسِ رہزن فحوائے ((يقولون من قول خیر البریة))^(۵) اتباعِ قرآن و حدیث کا نام

(۱) ”صحیح مسلم“ کتابُ الإیمان، باب بیان أنَّ الإسلام بدأ غریباً سيعود غریباً وإنه

یارز بین المسجدين، ر: ۳۷۲، ص ۷۵ بتصرف.

(۲) یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسی کججور کی پرانی ڈال۔ (پ ۲۳، یس: ۳۹).

(۳) بیشک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔ (پ ۱۴، المحر: ۴۲).

(۴) ”صحیح مسلم“، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن فی

آخر الزمان، ر: ۶۷۹۶، ص ۱۱۶۴.

(۵) ”سنن أبی داود“ کتاب السنۃ، باب فی قتال الحوارج، ر: ۴۷۶۷، ص ۶۷۴

بتصرف.

بدنام کر کے وہ نئے عقیدے دل سے نکالے ((ما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤکم)) (۱) جو کہیں دیکھے نہ سنے، مگر محمد اللہ کو اسلام غریب ہے، اور ساعت قریب، اور حالت نازک، تاہم ہنوز وہ طاقتور قائمہ بامر اللہ موجود ہے، جس کی بقا تالیقیا م قیامت موعود ہے، علمائے دین نے شکر اللہ مساعیہم الحمیلۃ وآبہم بنصرہ الحلیۃ اس فرقہ جدیدہ و شجرہ خبیثہ کے قلع و قمع میں (جس کی جڑ نے بجکم: ((هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان)) (۲) نجد میں ریشہ دوانی کر کے شاخیں اپنی حسب اخبار صادقہ فتن مشرقیہ ہند پر آشوب میں پھیلائیں) سعی بلیغ فرمائی، اور عنایت الہی و اعانت رسالت پناہی علیہ و علی آلہ الصلاۃ والسلام اس کے ہر شاخ و برگ پر صاعقہ شعلہ بارود و ابطال گرائے، جزاہم اللہ عنا عیر جزاء و ہناہم بکل مسرۃ و نعیم یوم اللقاء، آمین!

اب فقیر حقیر سراپا تقصیر راجی رحمت ربہ القوی محمد تقی علی محمدی سنی حنفی قادری بریلوی عاملہ اللہ بلطفہ العفی و فضلہ الوفی کی نظر میں ایسا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ مبتدعہ کے اقوال منشعبہ و فروع منسحبہ کے تعرض کے عوض راساً ان اصول کے استیصال کی طرف توجہ کیجئے جن پر اس مذہب کی بنا ہے، تا بحث طول نہ پائے اور اس شجرہ خبیثہ کی نسبت مزدہ جانفزائے ﴿اجْتَنَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا

لَهَا مِنْ قَرَارِهِ^(۱) سننے میں آئے، لہذا قواعد چند قرآنِ مبین، واحادیثِ سید
الرسلمین، وآخایر صحابہ و تابعین، وارشاداتِ ائمہ مجتہدین، واقوالِ علمائے دین
صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین سے جمع، اور اس رسالہ کو بنام
”اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد“ منسّی کرتا ہے۔

بعد تسلیم ان قاعدوں کے تمام نزاع ان شاء اللہ العظیم مرتفع اور یہ بدعت
زائغہ حادثہ از بنج برکنده و منقطع ہو جائے گی ومع ذلك من کابر و تکبر و دابر فلم
یتدبر، فحسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم،
واللہ یقضی الحق وهو خیر الفاصلین، فان تولّوا فقل: حسبی اللہ لا إله الا
هو علیہ توکلت وهو ربّ العرش العظیم، وصلى اللہ تعالیٰ علی خیر
خلقه محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

قاعدہ اولی

”الفاظ کہ شارع نے وضع فرمائے، مانند صوم و صلاۃ و حج و زکاۃ کے حمل اُن
کا تا امکان معانی موضوع لہا پر واجب ہے“، کما فی ”التوضیح“: ”إذا استعمل
اللفظ یجب أن یحمل علی المعنی الحقیقی، فإذا لم یکن فعلی المعنی
المجازی“^(۲)۔

”نور الانوار“ میں ہے: ”(ومتی أمکن العمل بها سقط المجاز)،

الحقیقی، سقط المعنی المجازی؛ لأنّه مستعار، والمستعار لا يزاحم الأصل^(۱)۔

”کشف المنار“ میں ہے: ”لأنّه خلف، والحقیقة أصل“^(۲)۔

”مسلم الثبوت“ میں ہے: ”وأجیب بالتحوّل، قلنا: خلاف الأصل

فلا مصیر إلّا بدلیل“^(۳)۔

بلکہ امام اعظم رحمہ اللہ حقیقت کو مجاز متعارف پر بھی ترجیح دیتے ہیں، اور بعض محققین علم اصول باعتبار سامع کے مجاز کو ضروری کہتے ہیں؛ کہ اُس کی طرف مصیر محض بضرورت بوجہ تعدّی حقیقت ہوتی ہے۔ علمائے اصول وادب کا اس بات پر کہ: ”تا اِمكان حقیقت ہی پر عمل ضرور“ اتفاق رہا ہے، اور ائمہ مجتہدین نے بحالت عدم تعدّی اُسی پر عمل کیا ہے۔ اس زمانہ میں کچھ لوگوں نے برخلاف اس قاعدہ کے نصوص کتاب و سنت کو مجاز شرعی اور اپنی اصطلاح اختراعی پر حمل کرنے کی عادت کی ہے، بالخصوص معانی ”الہ“ و ”عبادت“ و ”شُرک“ و ”بدعت“ میں تو قیامت برپا کر دی ہے، نظر بر آں تحقیق و توضیح معانی الفاظ اربعہ واجب، اور ترمین قاعدہ ہذا انہیں اُمثلہ سے مناسب۔

فائدہ اوّل: ”الہ شرع میں بمعنی مستحق للعبادة ہے“۔ صرّح بہ الإمام فخر

الدّین الرازی فی ”التفسیر الکبیر“ حیث قال: ”مَنْ قَالَ: إِنَّ الْإِلَٰهَ هُوَ الْمَعْبُودُ

فقد أخطأ؛ لأنه كان إلهاً في الأزل ولم يكن معبوداً لعدم العابد، بل الإله هو القادر لا إله إلا هو القيوم، وفي ضمن الآية قوله: ﴿يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾^(۱) بمعنى المستحق للعبادة، لا المعبود المطلق، سواء كان مستحقاً أو لا، هذا لفظ شرعي مثل باقي الألفاظ الشرعية^(۲)۔

اور اس معنی کو بہ چند طریق آیات قرآن سے ثابت کیا ہے، اور دوسرے علما نے اسے واجب الوجود سے بھی تفسیر کیا ہے^(۳)، لیکن ترجمہ و تفسیر لفظ مذکور ”حاکم“ و ”مالک“ کے ساتھ کہ ”تقویۃ الایمان“^(۴) میں واقع محض اختراعی ہے؛ کہ نہ شرع

بنادینے، اور لاکھوں کروڑوں مؤجد دیندار ان لوگوں کے اعتقاد میں مشرک کافر ٹھہرے۔ جس صفت کو جناب احدیت کے لئے ثابت پایا (گو معنی اُلوہیت سے مراد ف اور مساوی نہ ہو) خواہ مخواہ جناب باری تقدس و تعالیٰ کے ساتھ مخصوص سمجھ لیا، اور جس نے غیر خدا پر اطلاق کیا اُسے مشرک کافر ٹھہرا دیا۔ اس قدر بھی نا سمجھے کہ مجر د تخصیص کسی صفت کی جناب باری تقدس و تعالیٰ کے ساتھ اگر ثابت بھی ہو جائے، اُس کا اطلاق غیر پر غلط و باطل ہو شرک نہیں ہو جاتا۔

اسی طرح جو فعل کہ حضرت صمدت کے سوا ہماری شریعت میں دوسرے کے لئے حرام ہے، جیسے بقول رائج سجدہ، اُس کے کرنے سے علی العموم شرک لازم نہیں آتا جب تک بقصد عبادت نہ کیا جائے؛ کہ سجدہ تحیت اگلی شرائع میں جائز تھا اور واقع ہوا، اور شرک کسی وقت جائز نہیں ہوتا؛ کہ قبیح عقلی ہے، لا الہ الا اللہ بلا جماع کلمہ توحید ہے، اور شرک توحید کا ضد، تو اثبات اُلوہیت صرف خدا کے لئے، اور نفی اُس کے غیر سے توحید میں کافی، اور ثابت کرنا ایسی صفت کا بھی جو ملزوم اُلوہیت ہے توحید کے منافی ہے۔

الحاصل: اُلوہیت شرع شریف میں استحقاق عبادت اور وجوب وجود سے عبارت، جو اسے اور اُس کے ملزومات کو خدا کے لئے مخصوص اور ذات پاک میں منحصر جانتا ہے مؤحد ہے، اُسے مشرک کہنا گمراہی ہے۔

فائدہ ثانیہ: ”عبادت غایت تعظیم اور نہایت تذلل سے عبارت ہے، اور وہ مجر د افعال سے متصور نہیں“، مثلاً: کسی کے سامنے دست بستہ خواہ زانوں پکڑ کے بطریق ہزل کھڑا ہونا، یا مسخرہ پن سے گرد گھومنا، یا محتاج سمجھ کر کسی کے لئے چالیسواں حصہ اپنے مال کا ہر سال مقرر کر دینا، یا اپنے اہل و عیال کے کاروبار میں صبح صادق سے

غروبِ آفتاب تک کھانے پینے سے باز رہنا غایتِ تعظیم ہونا تو ایک طرف، تعظیم ہی نہیں، بلکہ مدارِ عبادت اس امر پر ہے کہ ایسے افعال کسی کو غایتِ مرتبہٴ عظمت میں سمجھ کر اُس کے لئے اس حیثیت سے کہ وہ غایتِ مرتبہٴ عظمت میں ہے بجالائے، وِلہٰذا قرآن مجید میں امرِ عبادت کو خالقیتِ کل اشیاء و امثالِ ذلک پر (کہ نہایت عظمت پر وال ہیں) مرتب کیا، قال جلّ شأنہ وعزّ برہانہ: ﴿ذَلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا إِلٰهَ

شرع خواہ قرینہ قاطعہ اس اعتقاد پر متحقق نہ ہو، ہوائے نفس اور اپنے ظن و گمان سے حکم شرک و کفر صحیح نہیں۔

فائدہ ثالث: ”شرک شرع میں بمعنی ”إثبات الشریک فی الألویہ“ ہے۔ ”شرح عقائد“ میں ہے: ”الإشراک هو إثبات الشریک فی الألویہ بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس أو بمعنی استحقاق العبادة کما لعبدة الأوثان“ (۱)۔

اسی بنا پر اسے توحید کا ضد کہتے ہیں، اور جس امر کا اثبات کلمہ توحید میں ماخوذ نہیں، گو غیر کے لئے ثابت نہ ہو، شرک سے خارج سمجھتے ہیں۔ تو جو شخص ورائے ألویہیت و طزومات ألویہیت کو غیر کے لئے شرک مصطلح قرار دیتا ہے، قطعاً معنی شرک سے ذہول اور مضمون کلمہ طہیہ لا إله إلا الله سے غفلت کرتا ہے۔ ہاں شرک کبھی مطلق کفر و طیرہ و ریاء غیر ہا معاصی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، مگر ہماری بحث سے خارج؛ کہ کلام قسم کفر میں ہے جس کے احکام دیگر اقسام کفر سے مانند حرمت نکاح و ذبیحہ کے مغائر ہیں، بلکہ عند العمق یہ اطلاقات برسمیل تجوز ہیں، اور یہ معانی مجازات شرعیہ؛ کہ عدم تجاوز ان کا عند الاطلاق اس پر کھلا قرینہ، حقیقت شرعیہ وہی ہے کہ بلا قرینہ مجز و اطلاقی لفظ سے متبادر ہوتا ہے، اُس معنی پر اطلاقی شرک کسی صفت و فعل کی وجہ سے جب تک ألویہیت کا اثبات لازم نہ آئے صحیح نہیں۔ مثلاً کوئی جاہل کسی کامل کی نسبت اولیائے امت سے اعتقاد کرے کہ وہ سب زمین کا حال ہر وقت و ہر آن

(۱) ”شرح العقائد“، اللہ تعالیٰ خالق لأفعال العباد... إلخ، احتجّ أهل الحق بوجوده،

کیساں جانتا ہے، اور جو اُسے جس وقت جس جگہ سے پکارتا ہے فوراً سن لیتا ہے، تو گویا عقیدہ غیر ثابت ہو، لیکن اگر اُس کے ساتھ اُسے علم و قدرت میں مستقل نہیں جانتا، اور یہ سب خدا کے اِعلام و اقتدار سے سمجھتا ہے، اور نہ اُسے واجب الوجود و مستحق معبودیت اعتقاد کرتا ہے، تو اس قدر عقیدہ سے مشرک نہ ہوگا۔

ہاں عوام کو اس عقیدہ سے روکنا، اور اُس کا بطلان ظاہر کرنا چاہیے، مگر لطف وزی خواہ زجر و توبخ سے جس طرح مناسب ہو، نہ اس طرح کہ خواہ مخواہ مشرک کہا جائے۔ کیا ایسی باتوں سے اُلوہیت ثابت ہو جاتی ہے؟! اور اُس بادشاہِ عالم کی شان (معاذ اللہ) اس قدر چھوٹی ہے؟! غضب تو یہی ہے کہ بعض لوگوں نے نافہمی و بے سبھی سے خدائی اور اُلوہیت کو ایک چھوٹی سی بات سمجھ لیا ہے کہ ذرا سے کمال سے ثابت ہو جاتی ہے، جیسے کہ ایک درخت کے پتے جان لینے سے، کہ اس کا اعتقاد دوسرے کے لئے شرک قرار دیا ہے، بعض درختوں کے پتے تو ہر شخص گن لیتا ہے، اور جو پاکثرت ہوتے ہیں ان کا بھی علم اجمالی بجز و نظر کے حاصل ہوتا ہے، باقی رہا علم تفصیلی، سو پتے کسی درخت کے غیر متناہی نہیں ہو سکتے، اور ہر متناہی فی العہد و مخلوق کے شمار میں آ سکتا ہے، بلکہ علم و استماع کہ مثال سابق میں مذکور ہر چند کسی فرد کے لئے افراد امت سے ثابت نہیں، مگر مجموع اہل زمین کو بالبداہت حاصل ہو سکتا ہے، کیا اس مجموع کے لئے شان اُلوہیت حاصل جانتے ہیں جو ایسے چھوٹے اور حقیر امور کو غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک مانتے ہیں؟!۔

لوگ ان صاحبوں کو حضراتِ اولیائے کرام اور انبیائے عظام کی جناب میں بھی اعتقاد سمجھتے ہیں، فقیر کے نزدیک حضرت اُحدیّت اور بارگاہِ صمدیّت ہی میں جیسا چاہیے اعتقاد نہیں رکھتے، اور خدا اور اس کی صفات کمال کو کما حقہ نہیں جانتے، چھٹا

قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ﴿١﴾ کا مضمون ان پر صادق ہے، اور ایسے خیالات عوام ہنود کے اُدھام سے مطابق؛ کہ جس شی میں کوئی امر عجیب مشاہدہ کرتے ہیں، یا کسی سے کوئی واقعہ غریب صادر ہوتا ہے، اسے مستحق عبادت سمجھ لیتے ہیں، اور رکیان کہتے ہیں، اور ان کے نزدیک خدا کے کام ایسے ہی ہوتے ہیں، اور خدائی انہیں افعال و صفات سے عبارت ہے۔

العزیز! اگر علم و قدرت تمام عالم کی ایک شخص میں جمع کریں جس کی وجہ سے زمین و آسمان میں تصرف کر سکے، اور تختِ اُخریٰ سے عرشِ معلیٰ تک تمام کائنات اور ان کے حالات پر اطلاع دیں، ہرگز علم و قدرتِ الہی کے برابر نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ نسبت بھی جو قطرہ کو دریا سے ہے نہیں رکھتا؛ کہ وہ قدیم اُزلی اُبدی مستقل ذاتی ہے، اور یہ حادث زمانی قانی غیر مستقل عطیہ الہی ہے۔ صفاتِ کمالِ الہیہ ایک جماعتِ عقلا کے نزدیک عینِ ذات ہیں، اور وہ ذات علم و قدرت و غیر ہما صفات کے آثار و ثمرات کے لئے بدون کسی امر زائد منضم خواہ منفصل کے کافی ہے، اور یہی مذہب صوفیہ کا ہے۔ جس طرح امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ غیبیت و جوہ کے کل موجودات کے ساتھ قائل ہیں (۲)، اور بحر العلوم مولانا عبدالحی رحمہ اللہ ”حاشیہ میرزا زہد امور عامہ“ میں مسلکِ امام اختیار کرتے اور اسے ((الحکمة ہمانیہ)) (۳) کا مصداق ٹھہراتے

(۱) اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی۔ (پ ۱۷، الحج: ۷۴)۔

(۲) ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۳) ”صحیح البخاری“، کتاب المغازی، باب قدوم الأشعریین وأهل اليمن، ر:

ہیں^(۱)، اس تقدیر پر علم و قدرت ممکنات کو علم و قدرت باری تعالیٰ سے کچھ مناسبت حاصل نہیں، مماثلت و مساوات کجا، اور متکلمین اگرچہ ”لا عین ولا غیر“ کہتے ہیں، مگر نہ اس طرح کہ غیر کو ان میں کچھ دخل ہو، تو علم ممکنات مثلاً کسی مرتبہ میں لیا جائے علم باری سے فروتر رہے گا۔

بہر حال مماثلت و مساوات صفات ممکنات اور صفات الہیہ سے صورت مفروضہ میں بھی غیر متصور ہے، ہاں جو آدمی مرتبہ علم و قدرت کا کسی کو خدا جان کر ثابت کرے، یا تھوڑی تعظیم بھی کسی کی عبادت سمجھ کر بجالائے، وہ اپنے اس اعتقاد و قصد و نیت کے سبب سے بلا ریب مشرک اور کافر ہو جائے، لیکن اس میں کلام نہیں اور احاطہ بحث سے باہر ہے۔

قاعدہ رابعہ: لفظ بدعت باصطلاح شریعت دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے:

اول: ”ما لم يفعل النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- ولا اذن فیہ“، اور بعض نے باعتبار اسی معنی کے ”ما لم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ اور امثال عبارت مذکورہ کے ساتھ تفسیر کیا ہے، اور جو کہ افعال صحابہ و اقوال مجتہدین اربعہ باتفاق اہل سنت داخل ضلالت و حرمت و کراہت نہیں، تقسیم اس کی حسنہ و سیئہ خواہ اقسام پنجگانہ، حرام، مکروہ، مباح، مندوب، واجب کی طرف ضرور ہے۔

ولہذا ائمہ دین، و علمائے محققین اس کے قائل ہوئے، اور کتب سابقین و لاحقین میں بلا ذکر خلاف مذکور ہے۔ ارشاد امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ در باب

(۱) ”حاشیہ میرزا ہد“۔

تراویح: ((نعمت البدعة هذه))^(۱) اور قول ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز چاشت کی نسبت: ((وإنها لبدعة ونعمت البدعة! وإنها لمن أحسن ما أحدثه الناس))^(۲)۔

اور حکم بادامت والتزام تراویح ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے: کما فی "کشف الغمۃ" للشعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ^(۳)، کان أبو امامة الباهلي -رضي الله تعالى عنه- يقول: أحدثتم قيامَ رمضان فدموا على ما فعلتم، ولا تتركوا! فإنَّ الله تعالى عاتب بني إسرائيل في قوله: ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا﴾^(۴)... الآية بعض بدعات کی کُسن و خوبی میں صریح ہے، اور یہاں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اطلاقی بدعت کسی چیز پر اس کے کُسن فی نفسہ کے متنافی نہیں، نہ بدعتِ سیئہ میں نص، بلکہ شے واحد کو ایک اعتبار سے بدعت اور دوسرے اعتبار سے سنت بھی کہہ سکتے ہیں، جس طرح محدثاتِ خلفائے راشدین باعتبار معنی اول بدعت،

(۱) "الموطأ" كتاب الصلاة في رمضان، باب ما جاء في قيام رمضان، ر: ۲۵۲، ص ۷۰۔

(۲) "فتح الباري شرح البخاري"، كتاب التهجيد، باب صلاة الضحى في السفر، تحت ر: ۱۱۷۵، ۶۲/۳، ملقطاً۔

(۳) "كشف الغمۃ عن جميع الأئمۃ"، باب صلاة التطوع، فصل في التراويح، الجزء الأول، ص ۱۴۶، ملقطاً بتصرف۔

(۴) اور راہب بننا، تو یہ بات انھوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی۔

(پ ۲۷، الحدید: ۲۷)۔

اور تکلم ((علیکم بسنتی و سنت الخلفاء الراشدین))^(۱) سنت ہیں۔

فی "المواهب" عن ابن عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہ- أنه قال: الأذان الأول يوم الجمعة: بدعة فيحتمل أن يكون قال على سبيل الإنكار، ويحتمل أن يكون أراد به أنه لم يكن في زمنه عليه السلام؛ لأن كل ما لم يكن في زمنه عليه السلام سمي بدعة، لكن منها ما يكون حسناً، ومنها ما يكون غير ذلك^(۲)۔

اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ احداث والتزام خیر شرع کو ناپسند نہیں بلکہ مقبول ہے، یہاں تک کہ کبھی ترک موجب عتاب ہوتا ہے، جیسا کہ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے اس مدعی پر آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

اسی طرح ارشاد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی بمقتدہ مجمع قرآن مجید علی ما أخرجه الإمام البخاري في "صحيحه": قلت لعمر: كيف تفعل شيئاً لم يفعله رسول الله عليه السلام؟ فقال عمر رضي الله تعالى عنه: هذا والله خير، فلم يزل عمر يراجعني حتى شرح الله صدرى لذلك، ورأيت في ذلك الذي رأى عمر^(۳)۔

(۱) "سنن أبي داود"، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ر: ۴۶۰۷، ص ۶۵۱۔

(۲) "المواهب اللدنية بالمنح المحمدية"، المقصد التاسع في لطيفة من لطائف عباداته عليه السلام، النوع الثاني في ذكر صلاته عليه السلام، القسم الأول في الفرائض وما يتعلق بها، الباب الثاني في ذكر صلاته عليه السلام الجمعة، ۴۹۶/۱۰ ملقطاً بتصرف۔

(۳) "صحيح البخاري"، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ر: ۴۹۸۶، ص ۸۹۴۔

اور قول حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بجواب جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بجواب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کما فی "البخاری" ایضاً^(۱) اس باب میں نص ہے کہ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بعض بدعات کو اچھا کہا، اور ان کے فعل پر اصرار کیا، یا التزام کا حکم دیا"، بلکہ جملہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جمع قرآن پر اتفاق و اجماع کیا، اور بعض بدعات کو بالیقین بُرا سمجھا ہے۔ آیا اس سے اتفاقی صحابہ تقسیم^(۲) پر ظاہر نہیں؟!

خود حضور والا نے صحت تقسیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ((مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سَنَةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا))^(۳)... الحديث، اور "مَنْ" کو بلا ضرورت مُلْجَمَہ بمعنی "أَحْيَى" ٹھہرانا قریب تحریف ہے؛ کہ "مَنْ" بمعنی "أَحْيَى" نہ لغت میں آتا ہے، نہ اس کا شرع میں کچھ پتا ہے، اور بمعنی "رَوْج" لینا مخالفین کو مفید نہیں؛ کہ وہ ایجاد و احداث کو شامل ہے، اور بقرینہ تفسیر بحسنہ حدیث میں لفظ سنت بمعنی طریقہ مستعمل، سوا ازیں "رَوْج" کی صحت لغۃً و شرعاً محل کلام ہے۔

اسی طرح "أَنَّى بِطَرِيقَةٍ" احداث و ابتداء کو عام ہے، اور اس تقدیر پر بھی سنت کو بمعنی مشہور لینا تفسیر کو بے کار و ضائع کرنا ہے، اور اس کے سوا جزا کا ترتیب بھی

(۱) "صحیح البخاری"، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ر: ۴۹۸۶، ص: ۸۹۴۔

(۲) یعنی بدعت کی دو قسم: حسنہ اور سیئہ۔

(۳) "صحیح مسلم"، کتاب الزکاة، باب الحث علی الصلۃ ولو بشق تمرۃ أو کلمۃ طیبۃ، وَأَنَّهَا حِجَابٌ مِنَ النَّارِ، ر: ۲۳۵۱، ص: ۴۱۰۔

صحیح نہیں رہتا، تو صحت اس عام کی بھی ایجاد و ابتداء کے اعتبار سے ہے۔

اور حدیث شخیین: ((لا تقتل نفس ظلماً إلا كان على ابن آدم الأول كفل من دمها؛ لأنه كان أول من سنّ القتل))^(۱) اس مدعا میں: ”کہ ”سنّ“ بمعنی اوجد، و احدث، و ابتدع ہے“ صریح ہے؛ کہ دوسرے معنی کا احتمال اس جگہ غیر صحیح ہے۔ ولہذا شیخ محقق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”اشعۃ اللمعات“ میں حدیث: ((من سنّ في الإسلام)) کا اس طرح ترجمہ کیا ہے: ”کے کہ جہاد و پیدا کر دین مسلمانے راہ روش نیک را“^(۲)۔

اور اکابر علماء نے اس حدیث میں بمعنی ”ابتدع“ سمجھا ہے، ملا علی قاری ”شفاء“^(۳) کی شرح میں لکھتے ہیں: ((کل بدعة ضلالة)) حصّ منها البدعة الحسنه لحدیث: ((من سنّ في الاسلام سنّة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها))، ومنه قول عمر رضى الله عنه: ”نعمت البدعة هذه“^(۴)۔

(۱) ”صحیح البخاری“، کتاب الحناظر، باب قول النبی ﷺ: ((لا يعذب الميت ببعض بكاء اهله عليه)) إذا كان النوح من سنته، ص ۲۰۵ بتصرف، و ”صحیح مسلم“، کتاب القسامۃ و المحاربین و القصاص و الذبایہ، باب بیان إثم من سنّ القتل، ر: ۴۳۷۹، ص ۷۴۲۔

(۲) ”اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ“، کتاب العلم، الفصل الاول، ۱/۱۶۹۔

(۳) ”الشفاء“، القسم الثاني فيما يجب على الأنام من حقوقه ﷺ، الباب الأول في فرض الإيمان به ووجوب طاعته واتباع سنته، فصل وأما وجوب اتباعه، الجزء الثاني، ص ۸۔

(۴) ”شرح الشفاء“، القسم الثاني فيما يجب على الأنام من حقوقه ﷺ، الباب =

اور امام نووی ”شرح صحیح مسلم“^(۱) میں بذیل حدیث: ((لا تقتل نفس ظلماً))^(۲)... إلخ فرماتے ہیں: ”هذا الحديث من قواعد الإسلام، وهو أن كل من ابتدع شيئاً من الشرکان علیہ مثل وزر كل من اقتدى به في ذلك، فعمل مثل عمله إلى يوم القيامة، ومثله من ابتدع شيئاً من الخير كان له مثل أجر كل من يعمل به إلى يوم القيامة، وهو موافق للحديث الصحيح: ((من سنّ سنة حسنة، ومن سنّ سنة سيئة))^(۳)... إلخ. اور نیز امام ممدوح حدیث: ((من سنّ)) کے تحت میں لکھتے ہیں: ”تخصیص قوله علیہ السلام: ((كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة))“^(۴).

”مجمع البحار“ میں ہے: ”البدعة نوعان: بدعة هدى، وبدعة ضلالة، فمن الأول ما كان تحت عموم ما ندب إليه الشارع وعصّ علیہ، فلا یذم = الأول في فرض الإيمان به ووجوب طاعته وأتباع سنته، فصل: وأما وجوب أتباعه وامتنال سنته والافتداء بهديه، ۱۹/۲، ۲۰ بتصرف.

(۱) ”شرح صحیح مسلم“، کتاب القسامۃ، باب بیان إثم من سنّ القتل، الجزء أحد عشر، ص ۱۶۶، بتصرف.

(۲) ”صحیح مسلم“، کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والديات، باب بیان إثم من سنّ القتل، ر: ۴۳۷۹، ص ۷۴۲.

(۳) ”صحیح مسلم“، کتاب الزکاة، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرۃ أو کلمة طيبة، وأنها حجاب من النار، ر: ۲۳۵۱، ص ۴۱۰، ۴۱۱ ملقطاً.

(۴) ”شرح صحیح مسلم“، کتاب الزکاة، باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرۃ أو کلمة طيبة، وأنها حجاب من النار، الجزء السابع، ص ۱۰۴.

لوعدا الآخر عليه بحديث: ((مَنْ مَنَّ سَنَةً حَسَنَةً))^(۱).

”ازہار“ میں ہے: ”((کَلَّ بِدْعَةٍ)) أي: سبقة؛ لقوله عليه السلام: ((مَنْ مَنَّ فِي الْإِسْلَامِ))“^(۲).

علامہ شامی ”رد المحتار“ میں کہتے ہیں: ”قال العلماء: هذه الأحاديث من قواعد الإسلام، وهو أن كلَّ مَنْ ابتدَعَ شيئاً من الشرکان عليه وزر مَنْ اقتدى به، وكلَّ مَنْ ابتدَعَ شيئاً من الخير كان له مثل أجر كلَّ مَنْ يعمل به إلى يوم القيامة، وتماهه في آخر ”عمدة المرید“^(۳).

حتی کہ مخالفین کے رئیس المحکمین بھی رسالہ ”قول الحق“^(۴) میں ”ایجاد“ کے ساتھ تفسیر کر بیٹھے، گو ”کلمۃ الحق“^(۵) میں اس معنی سے انکار کرتے ہیں، سو اس حدیث کے دیگر احادیث نبویہ کے ارشاد سے بھی علمائے دین نے تقسیم بدعت کو ثابت کیا ہے۔

”مرقات“ میں بذیل حدیث: ((مَنْ ابتدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً))^(۶)...

(۱) ”مجمع بحار الأنوار“، باب الباء مع الدال، بدع، ۱/۱۶۰.

(۲) ”ازہار“...

(۳) ”رد المحتار“، المقدمة، مطلب فيمن ألف في مدح أبي حنيفة وفيمن ألف في الطعن فيه، ۱/۹۰ ملقطاً.

(۴) ”قول الحق“...

(۵) ”کلمۃ الحق“...

(۶) ”جامع الترمذی“، أبواب العلم، باب [ما جاء] في الأخذ بالسنة واجتناب البدعة، ر: ۲۶۷۷، ص ۶۰۷.

إلخ لکھا ہے: ”وقيد البدعة بالضلالة لإخراج البدعة الحسنة كالمنارة، كذا ذكره ابن ملك“^(۱)۔

محدث دہلوی نے کہا: ”بخلاف بدعت حسنة؛ کہ دروے مصلحت دین وتقویت وترویج آں باشد“^(۲)۔

اور نیز لفظ: ((ما ليس منه)) کہ حدیث شیخین: ((مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ))^(۳) میں وارد، اس تقسیم کی طرف اشارہ کرتا ہے، کما اعترف به في ”مظاهر الحق“^(۴)۔

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: ”منه إشارة إلى أن إحداهما ما لم ينازع الكتاب والسنة كما سنقره بعد ليس بمذموم“^(۵)۔

اور نیز ملا علی قاری ”شرح عین العلم“ میں کہتے ہیں: ”وقد تكون البدعة

(۱) ”مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة المصابیح“، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، تحت ر: ۱۶۸، ۱/۴۱۴۔

(۲) ”فتح الممتع“، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ۱/۵۲۔

(۳) ”صحيح البخاري“، كتاب الصلح، باب إذا اصطالحوا على صلح جور فالصلح مردود، ر: ۲۶۹۷، ص: ۴۴۰، و”صحيح مسلم“، كتاب الأفضية، باب نقض الأحكام الباطلة، وردّ محدثات الأمور، ر: ۴۴۹۲، ص: ۷۶۲۔

(۴) ”مظاهر الحق“...

(۵) ”المرقاۃ“، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، تحت ر: ۱۴۰، ۱/۳۶۶ بتصرف۔

حسنة، وقد تكون واجبة، وقد تكون مباحة“^(۱)۔

اور کریمہ: ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا﴾^(۲)... الآية الشريفة سے ابو امامہ رضی اللہ عنہ صحابی نے اس بات پر استہلال کیا ہے کہ جو امر محدث کہ فی نفسہ خیر ہو (اگرچہ شرع نے مقرر نہ فرمایا) التزام اور اس کا اہتمام چاہئے، اور خیر فی نفسہ بعد احداث کے مقبول ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے ترک پر عتاب ہوا ہے، اور اقوال اکابر محققین تقسیم پر صریح دلالت کرتے ہیں۔

امام نووی ”شرح صحیح مسلم“ میں فرماتے ہیں: ”قال العلماء: البدعة خمسة اقسام: واجبة، ومندوبة، ومحرمة، ومكروهة، ومباحة“^(۳)۔

امام عینی ”شرح صحیح بخاری“ میں لکھتے ہیں: ”والبدعة في الأصل إحداث أمر لم يكن في زمن رسول الله ﷺ، ثم البدعة على نوعين: إن كانت يندرج تحت مستحسن فهي الشرع في بدعة حسنة“^(۴)۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں: ”وهي خمسة: واجبة، ومندوبة، ومحرمة، ومكروهة، ومباحة، وحديث: ((كُلُّ بدعة ضلالة))“

(۱) ”شرح عين العلم“...

(۲) اور راہب بننا، تو یہ بات انھوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی۔

(پ ۲۷، الحدید: ۲۷)۔

(۳) ”شرح صحیح مسلم“، کتاب الجمعة، عطیثہ ﷺ فی الجمعة، الجزء السادس، ص ۱۵۴۔

(۴) ”عمدة القاري شرح صحيح البخاري“، كتاب التراويح، باب فضل من قام رمضان، تحت ر: ۲۰۶۰، ۸/۲۴۵۔

من العام المخصوص، وقد رغب عمر -رضي الله عنه- بقوله: "نعمت البدعة"، وهي كلمة تجمع المحاسن كلها^(۱).

خود امام دوم بخاقین کے "مائے مسائل"^(۲) میں بحوالہ امام جزری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "البدعة بدعتان: بدعة هدى، وبدعة ضلالة، فما كان في خلاف ما أمر الله به ورسوله فهو في حيز اللّٰم والانتكار، وما كان تحت عموم ما ندب الله إليه وحض عليه رسوله فهو في حيز المدح"^(۳).

"رد المحتار" میں بذیل قول ابن حجر^(۴): "بدعة، أي: حسنة" لکھتے ہیں: "كذا في "النهر"، قلت: البدعة تعتریها الأحكام الخمسة كما أوضحناه في باب الإمامة"^(۵).

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ آداب سماع کے ادب خاص کتاب "إحياء العلوم" میں لکھتے ہیں: "وقول القائل: إنّ ذلك بدعة -إلى أن قال:- وإنما المحظور

(۱) "إرشاد الساري شرح صحيح البخاري"، كتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، تحت ر: ۲۰۱۰، ۴/۶۵۶.

(۲) "مائے مسائل"، سوال پنجاہ و سوم۔ ص ۱۵۲، بتصرف۔

(۳) "النهاية في غريب الحديث والأثر"، حرف الباء، باب الباء مع الدال، بدع، ۱۱۲/۱، بتصرف.

(۴) "نزہة النظر في توضیح نخبہ الفکر في مصطلح أهل الأثر"، أسباب الطعن في الراوي، ص ۸۸.

(۵) "رد المحتار"، كتاب الصلاة، باب الكسوف، ۵/۱۶۱.

بدعة تراحم سنة مأموراً بها... إلخ^(۱)۔

”غنیۃ الطالبین“ میں کہ مستندات مخالفین سے ہے، اور اُسے بالیقین کلمات طیبات حضرت محی الدین والملہ غوث اعظم قدس سرہ المکرم سے جانتے ہیں، در باب نیت نماز مرقوم: ”وإن تلفظ بذلك كان هو أحسن“^(۲)۔

”ہدایہ“ میں ہے: ”ولا بأس بتحلیۃ المصحف لما فیہ من تعظیۃ“^(۳)۔

اسی طرح ثبوت تعریف، و تعظیم میت، و رجعت قہقری بقصد تعظیم بیت اللہ، اور تقبیل خیمہ بکریم رزق وغیرہ باصداہ امور (کہ عہد نبوت بلکہ قرونِ ثلاثہ میں بھی نہ تھے) فقہائے کرام نے مستحسن خواہ مباح قرار دیے، اور ان مسائل میں کلام خارج از بحث و مقام ہے، کلام اس میں ہے کہ یہ علمائے دین اور ارکان شرع متین ہماری طرح تقسیم بدعت کے قائل تھے یا نہیں، اور نیز یہ عذر کہ ایسے مسائل صرف متاخرین سے ثابت ہیں، قطع نظر اس سے کہ وہ متاخرین کس مرتبہ کے ہیں، اور در باب عبادات و معاملات اُن کا فتویٰ جاری، اور بحالت عدم مخالفت قوی، مجزء دُن کا لکھ دینا فریقین کے نزدیک کافی ہے، انحصار ایسے اقوال کا متاخرین میں، ایک قول بے بنیاد ہے۔

(۱) ”إحياء العلوم“، کتاب آداب السماع والوجد، الباب الثانی فی آثار السماع و آدابہ و فیہ مقامات ثلاثہ، المقام الثالث، الآداب الخامس، ۳۳۱/۲، ۳۳۲ بتصرف۔

(۲) ”غنیۃ الطالبین“، القسم الرابع فی فضائل الأعمال و فضائلہا، باب فی الصلوات الخمس و بیان أوقاتها و أعدادها و سننها و فضائلہا، فصل ما ینبغي للإمام فی الصلوة، الجزء الثاني، ص ۱۹۹ بتصرف۔

(۳) ”الہدایہ“، کتاب الکراہیۃ، مسائل متفرقة، الجزء الرابع، ص ۳۷۹۔

”کافی“ میں امام الائمہ سراج الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:
 ”إنه ليس بسنة، وإنما هو حدث أحدثه الناس، فمن فعله حجاز“ (۱)۔

دیکھو امام اجل واعظم تعریف کو محدث وبدعت فرما کر جائز کہتے ہیں! اور
 دیگر ائمہ سے بھی ایسے امور کا استہباب واستحسان خواہ اباحت وجواز بتفریح وضمن
 احکام کلیہ میں منقول ہے، حتیٰ کہ مخالفین کے امام الطریقہ شیخ تقی الدین ابن تیمیہ نے
 بھی ”منہاج السنۃ“ میں تقسیم بدعت اور حسن ایسے امور کا (کہ اصول شرع سے موافق
 ہوں) تسلیم کر لیا: ”البدعة هي الحادث في الأمر، فان كان بغير دليل شرعي
 فبدعة قبيحة، وان وافق أصول الشرع فبدعة حسنة“ (۲)۔

بلکہ بتفریح ائمہ سابقین اور کبرائے محققین تقسیم بدعت اور قسم حسن کا
 استہباب، اور اُس پر امید ثواب متفق علیہ علما کا ہے۔ ”سیرت شامی“ میں ہے:
 ”والبدعة الحسنة متفق على جواز فعلها، والاستحباب لها، ورجاء الثواب
 لمن حسنت نيته، وهي كل مبتدع موافق لقواعد الشرعية غير مخالف
 لشيء منها، ولا يلزم منه محذور شرعي“ (۳)۔

”فتح المبین“ میں ہے: ”والحاصل: أن البدعة الحسنة متفق على

(۱) انظر: ”غنية ذوي الأحكام“، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ۱/ ۴۵، نقلًا
 عن ”الكافي“۔

(۲) ”منہاج السنۃ“...

(۳) ”سبل الہدیٰ والرشاد“، جماع أبواب مولد الشریف رحمہ اللہ، الباب الثالث عشر
 في أقوال العلماء في عمل المولد الشریف... إلخ، ۱/ ۳۶۵ بتصرف۔

ندبہا، وعمل المولد واجتماع الناس له كذلك“^(۱)۔

اور ”حبیبہ السفیہ“ میں (کہ مستندات مخالفین عصر سے ہے) مصرح کہ ”اہل اسلام کے فرقوں سے کوئی ایسی بدعت کو برا نہیں سمجھتا“^(۲)، حتیٰ کہ مخالفین کے رئیس المحکمین کو بھی رسالہ ”کلمۃ الحق“ میں اعتراف ہے کہ ”تقسیم بدعت پر ہزار برس تک علما کا اتفاق رہا، یہاں تک کہ ہزار دوم میں صرف حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ شاعتِ تقسیم پر متنبہ، اور فہم معنی بدعت کے ساتھ مخصوص ہوئے“^(۳)۔

قطع نظر اس سے کہ مراد مجدد صاحب کی کیا ہے، اور انہوں نے اعمال و اشغال طریقہ نقشبندیہ اور ان بیانات کذا یہ کی نسبت جو اعمال و اخلاق میں خود ایجاد کیں، اور دوسری بدعات حسنہ بالخصوص ذکر خلفائے راشدین کی نسبت خطبہ میں، اور اسی طرح تقلید شخصی کی بابت کیا فرمایا ہے، اور کس شد و مد سے ان امور کی تاکید فرمائی! اور انہیں ثابت کیا ہے!۔ ہمارے لئے ارشادِ پیغمبر علیہ السلام (کہ اس باب میں صراحت و اشارہ ہر طرح موجود، اور تصریحات صحابہ کرام اور اتفاق و اجماع علمائے اسلام، جس کی نسبت ہزار اوّل میں رئیس بہادر کو اقرار ہے) کفایت کرتا ہے، کیا رئیس صاحب اس قدر بھی نہیں جانتے کہ بعد اقرار اتفاق و اجماع علما انکار تقسیم کسی بزرگ کی طرف نسبت کرنا انہیں خارقِ اجماع ٹھہراتا ہے!

بدنام کنندہ کونامی چند

سوا اس کے پیشوایانِ طریقت حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے تقسیم بدعت کے

(۱) ”فتح المبین لشرح الأربعین“، تحت الحديث الخامس، ص ۱۰۷ بتصرف۔

(۲) ”حبیبہ السفیہ“ ...

(۳) ”کلمۃ الحق“ ...

قاتل، کہ اقوال اُن کے ایک دفتر ضخیم میں جمع ہونا مشکل، خواجہ محمد شریف حسینی نقشبندی ”حجۃ الذاکرین“ میں رسالہ حضرت قطب الوقت قیوم سبحانی خواجہ محمد پارسہ نقشبندی علیہ الرحمۃ سے نقل کرتے ہیں: ”قال رضي الله تعالى عنه: بذاں أبدك الله سبحانه بتوفيقه ويسير عليك بفضلہ سلوک طریقتہ کہ بدعت حسنہ کہ موافق اصول مطہرہ ہو، و متضمن مصلح دینیہ باشد، و منافی مزاحم سنتی نہ باشد، و از مستحسانات علمائے دین و کبراء اہل یقین روح اللہ ارواحہم ہو، در میان امت کہ خیر الام است زادہا اللہ شرفاً و سلفاً و خلفاً بسیار است، اکثر من أن يحصى من لدن الصحابة و التابعين رضي الله عنهم إلى يومنا هذا“ (۱)۔

مشکل قنوجی نے جو کسی طرف مفر نہ پائی، اور انکار تقسیم کے لئے کوئی راہ ہاتھ نہ آئی، اور اس دعویٰ بے بنیاد پر بھی کہ: ”مقسم صرف بدعت لغوی ہے“ (جیسا ”کلمۃ الحق“ (۲) میں بعض کی طرف منسوب ہے) نہ جم سکے، ناچار دوسری چال چلے کہ ”قائلین تقسیم بدعت سے معنی لغوی یا قریب بمعنی لغوی، یعنی محدث بعد رسول اللہ ﷺ مراد لیتے ہیں، نہ یہ معنی شرعی، بلکہ بدعت مذمومہ کو اس معنی سے تفسیر کرتے ہیں، تو قائلین تقسیم بدعت حسنہ اسی محدث کو کہتے ہیں کہ کسی دلیل شرعی سے ثابت ہو، اور منکرین تقسیم ایسے محدث کو سنت بمعنی طریقتہ مسلوکہ فی الدین میں داخل کرتے ہیں، پس نزاع تقسیم و عدم تقسیم میں لفظی، اور جس تفسیر سے انقسام لازم نہ آئے اُس کی خوبی غیر مخفی۔“

(۱) ”حجۃ الذاکرین“ ...

(۲) ”کلمۃ الحق“ ...

اقول **الحمد لله** استمعین: قنوجی صاحب جس معنی کو لغوی سے قریب ٹھہراتے ہیں وہ بعینہ ہمارے معنی اول کا مفاد ہے، ہم بھی اُسے مقسم کہتے ہیں، لیکن اُس کے ساتھ معنی لغوی کا تذکرہ نری عیاری اور مغالطہ ہے، جو شخص علم فقہ میں کچھ بھی مہارت رکھتا ہے بخوبی آگاہ ہے کہ علمائے شریعت تحقیق و تقسیم و احکام و احوال لغت سے کتب شریعت میں کچھ کام نہیں رکھتے، اگر معانی شرعیہ کے ساتھ معنی لغوی بھی کبھی ذکر کرتے ہیں، تقسیم و احوال و احکام معانی شرعیہ ہی کے بیان فرماتے ہیں، جیسا ابواب فقہ کے آغاز سے ظاہر ہوتا ہے، تو قائلین تقسیم بدعت کے کلام میں یہ احتمال کہ ”مورِ قسمت معنی لغوی ہے“، بدون دیگر تصریح خواہ قرینہ صارفہ کے قائم کرنا، محض ناواقفی یا ہٹ دھرمی ہے۔

چنانچہ: وہی قائلین تقسیم صداہ امور کو (جنہیں قنوجی صاحب اور اُن کے اصول و فروع حرام و مکروہ ٹھہراتے ہیں) بترجیح مستحسن و بدعت مستحبہ میں داخل فرماتے ہیں، تو گو تقسیم باعتبار معنی اول بدعت، اور انکار اُس کا، بنظر معنی دوم نزاع لفظی ہو، مگر مخالفین اور اُن حضرات محققین میں نزاع حقیقی ہے۔

چنانچہ عبارت ”مقاصد“ (۱) وغیرہ (۲) جن کا محصل یہ ہے کہ ”مدار کار اصل شرعی پر ہے، جس محدث کے لئے شرع میں اصلاً اصل نہیں وہ بدعت مذموم و باطل و

(۱) ”المقاصد“، المقصد السادس، الفصل الثالث في الأسماء والأحكام، المبحث

الثامن، حکم المؤمن والكافر والفاسق، الجزء الخامس، ص ۲۳۰۔

(۲) ”المواقف“ الموقف الأول في المقدمات، المرصد الخامس في النظر إذ يحصل

المطلوب، المقصد السادس، الجزء الأول، ص ۲۶۹، ۲۷۰۔

مطروود ہے، قنوجی صاحب کو مفید اور ہمارے معزز نہیں۔ کیا آپ روپ کو خبر نہیں کہ یہ علما بہت امور متنازع فیہا میں اُن کے مخالف اور ہمارے موافق ہیں، اور امام ابن حجر مکی (۱) اور شیخ علامہ ملا علی قاری (۲) جن سے آپ اس مقام پر سند لائے، خاص مجلس مولد کو (جس کے رد و ابطال میں ذات شریف نے یہ سب عرق ریزی و جانفشانی کی ہے) کس شہود کے ساتھ مستحسن اور بدعتِ مستحسنہ میں داخل کرتے ہیں! تو اصل سے ان حضرات کی عبارات میں بالیقین وہی معنی مراد ہیں جن کی رو سے مولد وغیرہ امور مستحسنہ بدعتِ سینہ سے خارج رہتے ہیں۔ پھر اُن کا دامن پکڑنا اپنے پاؤں میں تیشہ مارنا نہیں تو کیا ہے؟! اور وہ جو ”جامع الروایات“ (۳) سے بحوالہ ”نصاب الفقہ“ (۴) لکھا: ”ہر انچہ کہ بدعتِ حسنہ مجتہدان قرار دادہ اند همان صحیح است“ (۵) حال اس کا ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آتا ہے، فانتظر۔

رابعاً: اوّل معنی اصل کے (کہ بعض تفسیرات بدعت میں ماخوذ ہیں) سمجھ لیتے، یا کسی ماہر علم سے دریافت فرماتے، اُس کے بعد اُن تفسیرات کا ذکر کرتے الفظ ”اصل“ ان تفسیرات میں نکرہ تحت نفی واقع ہوا، خود ”فتح الباری“ سے نقل کیا: ”قوله عليه السلام: ((شرّ الأمور محدثاتها))“ (۶) بفتح ”الدال“، والمراد بها ما

(۱) ”فتح المبين“، تحت الحديث الخامس، ص ۱۰۷، ۱۰۸۔

(۲) ”المبين المعين لفهم الأربعين“، تحت الحديث الخامس، ص ۶۶۔

(۳) ”جامع الروایات“...

(۴) ”نصاب الفقہ“...

(۵) ”کلمۃ الحق“...

(۶) ”صحیح البخاری“، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن =

أحدث وليس له أصل في الشرع، يسمى في عُرف الشرع بدعة، وما كان له أصل يدلّ عليه الشرع، فليس بدعة، فالبدعة في عرف الشرع مذمومة بخلاف اللغة^(۱).

اسی طرح عبارت علماء معنی (۲)، امام بغوی (۳) وقرطبی (۴) واپس حجر مکی (۵) وغیرہم رحمہم اللہ مستندین متکلم قنوجی اس مذہب میں کہ ”بدعت وہ ہے جس کی شرع میں کچھ اصل نہ ہو، اور جس کے لئے کوئی اصل بھی پائی جائے، مفہوم بدعت سے خارج ہے“ صریح ہے، اور اکثر علماء کلام میں اُن امور کی جو اصل سے یہاں مراد ہیں تصریح ہے۔
”مجمع البحار“ (۶) وغیرہ (۷) بہت کتب معتبرہ میں اندراج تحت العموم، وحقق

= رسول اللہ ﷺ، ر: ۷۲۷۷، ص ۱۲۵۲۔

(۱) ”فتح الباری بشرح صحیح البخاری“، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، تحت ر: ۷۲۷۷، ۱۳/۲۸۸ بتصرف۔

(۲) أي: في ”عمدة القاري شرح صحيح البخاري“، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، تحت ر: ۷۲۷۷، ۱۶/۵۰۴۔

(۳) لم نعر عليه۔

(۴) أي: في ”تفسير القرطبي“ = الجامع لأحكام القرآن، پ ۱، البقرة، تحت الآية: ۱۱۷، ر: ۶۳۸، الجزء الثاني، ص ۸۵۔

(۵) ”فتح المبین“، تحت الحديث الخامس، ص ۱۰۷۔

(۶) ”مجمع بحار الأنوار“، حرف الباء، باب ”الباء“ مع ”الدال“، ۱/۱۶۰۔

(۷) ”النهاية في غريب الحديث والأثر“، حرف ”الباء“، باب ”الباء“ مع ”الدال“، ۱/۱۱۲۔

دہلوی نے مصلحت و ترویج و تقویت دین^(۱)، اور ”ہدایہ“ میں اصل مقصود شرع کا لحاظ اور اُس سے مطابقت کو دلیل مستقل ٹھہرایا۔ مسئلہ زیادتی تلبیہ میں لکھتے ہیں: ”ولای المقصود الثناء، وإظهار العبودیۃ، فلا یمنع من الزیادۃ علیہ“^(۲)۔

بعض عاون معمرات کو دلیل جواز ٹھہراتے ہیں، خود محکمین وہابیہ امام غزالی سے نقل کرتے ہیں: ”فالمنازلۃ عون لإعلام وقت الصلاۃ“^(۳)... الخ۔

اور امام عز الدین بن سلام نے قواعد و اصول سے مطابقت کو معتبر رکھا کہ ”بدعت قواعد شریعت پر پیش کی جائے، اگر قواعد ایجاب میں داخل ہو تو واجب، اور قواعد تحریم میں داخل ہو تو حرام، علیٰ ہذا القیاس سمجھی جائے“^(۴)۔

اور ”فتح الباری“ میں بھی ایسا ہی مذکور ہے: ”والبدعة إن كانت مما تدرج تحت مستحسن فی الشرع فهي حسنة، وإن كانت تدرج تحت مستقبح فی الشرع فهي مستقبحۃ، وإلا فمن قسم المباح“^(۵)۔

(۱) ”بعض المذہبات“ کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، الفصل الثانی، ۱/۱۵۲۔

(۲) ”الہدایہ“، کتاب الحج، باب الإحرام، الجزء الأول ص ۱۶۵۔

(۳) انظر: ”الطریقۃ المحمدیۃ“، الباب الأول، الفصل الثانی فی البدع، الأعبار، ۱/۱۴۵۔

(۴) انظر: ”سبل الہدی والرشد“، جماع أبواب مولدہ الشریف رحمہ اللہ، الباب الثالث عشر فی أقوال العلماء فی عمل المولد الشریف، ۱/۳۷۰ نقلًا عن الشیخ عز الدین بن عبد السلام۔

(۵) ”فتح الباری“، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، تحت ر: ۲۰۱۰، ۴/۹۴ بتصرف۔

اور ”ہدایۃ المرید“ میں تعمیم اصل کے حمل نظیر سے مصرح حیث قال: ”أما أحدث فما له أصل في الشرع، أما بحمل النظر أو غير ذلك، فإنه حسن“ (۱)۔

اور خاص اس بیان میں کہ ”امور مذکورہ بالا مجتہدین سے خاص نہیں، البتہ قیاسِ مصطلح خصوصاً بمقابلہ مجتہد متبوع مقلد تابع کو نہیں پہنچتا“ ان شاء اللہ تعالیٰ ایک قاعدہ جداگانہ لکھا جائے گا جس سے بطلان اس مغالطہ کا کہ ”معرفتِ اصل خاصہ مجتہدین ہے“ بخوبی ظاہر ہوگا، اور خود مخالفین اور اُن کے مقتدایان مذہب و مستندین اِن اُمور سے ہزار جگہ استدلال و استناد کرتے ہیں، اور اکثر علمائے دین بلکہ خود وہ حضرات جن سے مخالفین تعریف بدعت نقل کرتے ہیں، صدہا اُمور کو (کہ مجتہدین سے قولاً وفعلاً ثابت نہیں) مستحسن فرماتے ہیں، اور امام دوم ان بزرگواروں کے خاص اس مسئلہ میں بجواب سوال کہ ”بدعتِ حسنہ محدود ہے یا نہیں؟“ ”مائۃ مسائل“ میں لکھتے ہیں (۲): ”حاصل یہ کہ معرفتِ حُسن و قبح کے لئے اجتہادِ مطلق ضرور نہیں، اور مدارِ قبح سلب کئی اصل پر ہے، اور وجودِ حُسن کے لئے وجودِ ایک اصل کا اصول مذکورہ اور اُن کے امثال سے کافی، اور جس وجہ سے خیریت خواہِ اِباحات کسی امر کے ہو، وہی اُس کے لئے اصل شرعی، ولذا قال الإمام الشافعي رحمه الله: ”وما من خير يعملُه أحد من أمة محمد إلا وله أصل في الشرع“ (۳)۔

(۱) ”ہدایۃ المرید“...

(۲) ”مائۃ مسائل“، مسئلہ: ۵۹، بدعتِ حسنہ محدودست بوقتِ یاغیر محدودِ الی یومِ القیامۃ،

ص ۱۵۶۔

(۳) لم نعر علیہ۔

تو استیلا و تکلم توحی ”جامع الروایات“ خواہ ”نصاب الفقہ“ سے محض بے جا، اور حوالہ تفتازانی و ابن حجر کی و ملا علی قاری رحمہم اللہ کا محض مغالطہ دہی۔ محصل کلام ان حضرات کا صرف اسی قدر ہے کہ جس کے لئے شرع سے کوئی اصل متحقق وہ بدعت سے خارج، اور جس کے لئے اصلاً اصل نہ ہو وہ بدعت ضلالت ہے، اور اس میں شک نہیں کہ بدعاتِ حسنہ و واجبہ کے لئے اصل بالمعنی الاعم موجود، البتہ انہیں امور سے کلیۃً مسلوب ہے جو مخالف شرع ہیں، ولہذا اکثر قائلین تقسیم انعدام اصل کو مخالف شرع سے تعبیر کرتے ہیں، کما قال القاضي المالکی رحمہ اللہ: ”کل ما أحدث بعد النبی -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- فهو بدعة، والبدعة فعل ما لا سبق إليه، فما وافق أصلاً من السنة یقاس علیہا فهو محمود، وما خالف أصول السنن فهو ضلالة، ومنه قوله علیہ السلام: ((کل بدعة)) (۱)۔ الخ۔

اور شیخ محقق دہلوی کہتے ہیں: ”بدانکہ ہرچہ پیدا کردہ شدہ بعد از تغیر صلی اللہ علیہ وسلم بدعت است، وازاں انچہ موافق اصول و قواعد سنت است، و قیاس کردہ شدہ بر آں آنرا بدعت حسنہ گویند، و آنچہ مخالف آن باشد بدعت ضلالت خوانند“ (۲)۔
تو حاصل اس معنی کا معنی دوم کی طرف راجع ہوتا ہے، ایسے امور کے مکروہ و ضلالت ہونے میں کسے کلام ہے!، لیکن عدم انقسام بدعت باعتبار اس اصطلاح کے مستلزم بطلان تقسیم باعتبار اصطلاح آخر نہیں، کما لا یخفی۔

(۱) لم نعر علیہ۔

(۲) ”ایضاح المذہبات“، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنن، الفصل الاول، ۱/۱۳۵ بحرف۔

تحقیق مرام و تفصیل مقام یہ ہے کہ: لفظ ”اصل“ باصطلاح علما معانی متعددہ میں مستعمل ہے، کبھی قیاسِ مصطلح، اور کبھی کتاب و سنت و اجماع و قیاس میں، اور کبھی بمعنی عام کہ عموماً و قواعد شرعیہ و مصالح تقویت و ترویج دین و غیر ہا کوشاں، اطلاق کیا جاتا ہے۔ جس نے بمعنی مقیس علیہ خواہ تصریح قرآن و حدیث مراد لیا، وجود اصل جواز و اباحت امر محدث کے لیے ضروری نہ جانا، اور بعد تسلیم فقدان اصل بدعت کو مکروہ و ممنوع نہ سمجھا، کما فی ”رد المحتار“^(۱): ”وینبغي حمل نفي الأصلية على الرفع، کما حمل بعضهم قول النووي“^(۲)... إلخ.

اور ملا علی قاری قول سخاوی: ”قرء ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ﴾“^(۳) عقیب الوضوء، لا أصل له“^(۴) کے بعد فرماتے ہیں: ”أراد أنه لا أصل له في المرفوع، وإلا فقد ذكره أبو الليث السمرقندي“^(۵)، وهو إمام جلیل“^(۶).

”مجمع البحار“ میں بعض اکابر سے منقول: ”أما الصلاة على النبي ﷺ عند ذلك، -أي: الطيب- ونحوه، فلا أصل له، ومع ذلك لا كراهة

(۱) ”رد المحتار“، کتاب الصوم، ۶/۲۲۱.

(۲) أي: في ”المجموع“، ۳/۳۴۴.

(۳) أي: سورة القدر، پ ۳۰، ع ۲۲.

(۴) ”المقاصد الحسنة“، حرف الميم، تحت ر: ۱۱۶۲، ص ۴۳۱ بتصرف.

(۵) لم نعر عليه.

(۶) ”الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة“، حرف الميم، تحت ر: ۹۴۹،

عندنا“ (۱)۔

قال النووي رحمه الله: ”أَنَّ المصافحة مستحبة عند كلِّ لقاء، وأما ما اعتاده النَّاسُ من المصافحة بعد الصبح والعصر، فلا أصلَ له في الشرع على هذا الوجه، ولكن لا بأسَ به“ (۲)، وهكذا في ”فتاوى إبراهيم شاهی“ (۳) ناقلًا عن ”الكاشف“ (۴)۔

اور بعض نے بنظر معنی اعم حادث بمعنی ”ما لم یکن فی عہد رسول اللہ ﷺ“ کو حادث سے (جس کے لئے اصل شرعی نہیں) عام پا کر اُسے مقسم قرار دیا، اور اس قسم کو ضلالت و بدعتِ سیئہ، اور اُس کے مقابل کو جس کے لئے کوئی اصل شرعی ہے بدعتِ حسنہ کہا، اور چونکہ اِنعدامِ اصل بالمعنی الاعم مادۃ مخالفتِ شرع میں منحصر کسی نے اُسے اِنعدامِ اصل، اور کسی نے مخالفتِ شرع سے تفسیر کیا۔ یہ سب طرق صحیح، اور باہم متوافق، اور مخالفین کے مخالف، اور ہمارے موافق ہیں۔ جس طرح کبھی معنی اول بدعت کو ”ما لم یکن فی عہد رسول اللہ ﷺ“، کما فی ”شرح

(۱) ”مجمع البحار“، فصل فی تعیین بعض الأحادیث المشتهرة علی الألسن والصواب خلافها علی نمط ذکرته فی التذکرۃ، الصلۃ علیہ ﷺ، ۲۳۶/۵ بتصرف۔

(۲) ”الأذکار من کلام سیّد الأبرار“، کتاب السّلام والاستئذان وتشمیت العاطس وما یتعلّق بہا، باب فی مسائل تنفرع علی السّلام، فصل فی المصافحة، ص ۴۳۵۔
(۳) ”فتاویٰ ابراہیم شاهی“....

(۴) ”الكاشف عن حقائق السنن“، کتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، ۳۴/۹۔

المسلم“^(۱) للنووي.

اور گاہے: ”ما لم يأمر به الشارع عليه الصلاة والسلام، ولم يفعله، كما في كثير من الكتب“^(۲).

اور کبھی حادث فی الامر کے ساتھ: ”كما قال إمام أئمة المخالفين ابن تيمية في ”المنهاج“: ”البدعة هي الحادث في الأمر، فإن كان بغير دليل شرعي فبدعة قبيحة، وإن وافق أصول الشرع فبدعة حسنة“^(۳)، اور امثال عبارت مذکورہ کے ساتھ تفسیر کرتے ہیں۔

گاہے مقسم کو امر و نہی کے ساتھ مقتید کر دیتے ہیں، كما في ”علاصة الحقائق“: ”البدعة ما يفعل من الذنبيات ما لم يفعل النبي ﷺ، ولا أذن فيه“^(۴).

اور دوسروں نے بایں وجہ کہ امر دنیوی بھی اقسام خمسہ سے کسی قسم میں لامحالہ داخل ہے، تو تخصیص مور و قسمت بلا ضرورت نہ چاہیے عام رکھا، کسی نے بایں وجہ کہ احوال و افعال صحابہ معتبر اور وہ سب عادل و معتمد ہیں، اور استعمال اس لفظ کا مخالف سنت میں بھی آتا ہے، اطلاق اُس کا گوارا نہ کر کے تعبیر لفظ کی ایسے مفہوم سے مناسب سمجھی کہ وہ رأساً خارج رہیں۔

(۱) ”شرح صحيح مسلم“، كتاب الجمعة، خطبته ﷺ في الجمعة، الجزء السادس،

(۲) لم نعثر عليه.

(۳) ”المنهاج“...

(۴) ”علاصة الحقائق“...

بعض نے بدیں جہت کہ اطلاق اُن کا بمعنی اول ہے، اور خود یہ لفظ محدثات صحابہ میں بصر صحابہ مستعمل ہو لیا، تفسیر میں عموم و اطلاق مناسب سمجھا۔
بعض بدیں خیال کہ احادیث ذم بدعت میں وارد، معنی دوم یعنی مخالف سنت کے ساتھ تفسیر مناسب سمجھی۔

بعض نے باعتبار دوسری اصطلاح کے معنی اول کے ساتھ تفسیر کی۔
بعض نے بایں وجہ کہ خیریت فی نفسہ حسن امر خیر کے لئے کافی ہے، جیسا مفاد جواب ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا ہے کہ سابق ”بخاری شریف“ (۱) سے منقول ہوا، بعد تسلیم خیریت اصل آخر کی حاجت نہ سمجھی، بناء علیہ وجدان اصل کے ساتھ جواز کا حکم دیا، بایں معنی کہ آخر یہ خیریت کسی دلیل سے ثابت ہوگی، وہی اصل شرعی کفایت کرے گی۔ اور یہ دوسری توجیہ قول شافعی رحمۃ اللہ علیہ: ”وما من غیر بعملہ أحد من ائمة محمد -صلی اللہ علیہ وسلم- إلا وله اصل فی الشرع“ کے ہے، نہ یہ کہ اصل کی اصلاً حاجت نہیں۔

دوسروں نے وجود اصل پر مدار خیریت رکھا، لیکن ان سب اختلافات سے کہ اختلاف عنوانات و اعتبارات کی طرف راجع ہیں، اصل مقصود میں کچھ فرق نہیں آتا، نہ عدم انقسام ایک اعتبار سے دوسرے اعتبار سے بھی عدم انقسام کو مستلزم۔
اس تحقیق سے ظاہر کہ یہ سب تعریفات و اقوال علما (کہ بظاہر مختلف بالمال) متحد اور ہمارے مفید و مؤید ہیں، اور جس قدر ضبط و خلط کہ مخالفین اس مقام میں کرتے ہیں، اُن کی نا فہمی یا دانستہ مغالطہ دہی ہے، البتہ اخراج محدثات تابعین مفہوم بدعت مطلقہ سے

بلا ضرورت داعیہ محل نظر ہے، اور پھر اُس امر دینی کو جو قرآنِ شلاشہ کے بعد حادث ہوا بدعتِ ضلالت ٹھہرانا صحیح نہیں، یہی ما بہ النزاع ہے، و مسیحیۃ بطلانہ فانتظر۔

معنی دوم کہ ضد اور مزام مخالف سنت سے عبارت ہے، اور شرع میں کثیر الاستعمال، عند التعمق اکثر احادیث میں یہی معنی مراد؛ کہ ایسی سخت وعید اور ذمِ شدید: ((مَنْ وَفَّرَ صَاحِبَ بَدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ))^(۱)، اور: ((لَعَنَ اللَّهُ مَنْ آوَى مُحَدَّثًا))^(۲)، اور: ((فَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلَى غُلُوٍّ وَبَدْعَةٍ فَأُولَئِكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ))^(۳)، اور: ((أَهْلُ الْبَدْعَةِ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ))^(۴)، اور: ((أَصْحَابُ الْبِدْعِ كَلَابِ النَّارِ))^(۵)، اور: ((وَكُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ))^(۶)، و أمثال

(۱) "المعجم الأوسط"، من اسمه أحمد، ر: ۶۷۷۲، ۱۱۸/۵۔

(۲) "الأدب المفرد"، باب لعن الله من لعن والديه، ر: ۱۷، ص ۹، و "السنن الكبرى"، كتاب الغصب، باب التشديد في غصب الأراضی وتضمينها بالغصب، ۹۹/۶۔

(۳) أي: في "المعجم الكبير"، باب أحاديث عبد الله بن عباس، وما أسند عبد الله بن عباس، محمد بن كعب القرطبي عن ابن عباس، ر: ۱۰۷۷۶، ۱۰/۳۱۹۔

(۴) أي: في "حلية الأولياء وطبقات الأصفياء"، ر: ۴۱۵، أبو مسعود الموصلي، ر: ۱۰۱۲۳۵، ۸/۳۲۳ بتصرف۔

(۵) انظر: "كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال"، حرف الهمزة، الكتاب الأول في الإيمان والإسلام من قسم الأقوال، الباب الثاني في الاعتصام بالكتاب والسنة، فصل في البدع، ر: ۱۰۹۰، ۱/۱۲۱ نقلاً عن أبي حاتم الحزاعي في "جزءه" عن أبي أمامة۔

(۶) "صحيح مسلم"، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ر: ۲۰۰۵=

ذلك معنی دوم پر مرتب ہیں، نہ معنی اول پر؛ کہ اگرچہ مخالفین افراد اقسامِ معنی اول کو مباح و مستحسن نہ کہیں، لیکن اُن کے طور پر حدِ کراہت سے تجاوز نہیں کرتے، اور نیز احادیث و کلماتِ علما میں لفظِ بدعت بمقابلہ سنت واقع ہوتا ہے، اور تجاوزِ مقابلہ سے ضدیتِ تامہ ہے، ولہذا اکثر علماء مخالفِ شرع کے ساتھ اُسے تفسیر کرتے ہیں۔

ابن حجر مکی فرماتے ہیں: ”ما أحدث على خلاف أمر الشارع ودليله الخاص والعام“^(۱)۔

”شفا“ میں ہے: ”مخالفة أمره - صلى الله عليه وسلم - وتبدیل سنته ضلالة وبدعة للوعد من الله تعالى بالحدلان“^(۲)۔

اور غالب استعمال اُس کا عقائد میں آیا ہے، ولہذا فرقہِ ناجیہ کو اہل سنت اور آربابِ اہوا کو اہل بدعت کہا جاتا ہے۔

”شرح سفر السعادة“ میں ہے: ”غالب در استعمال در عقائد اقد، چنانکہ مذہبِ باطلہ اہل زلیغ از فرقِ اسلامیہ“^(۳)۔

”بحر المذاهب“ میں ہے: ”البدعة مخالفة أهل الحق في العقيدة“^(۴)۔

== ص ۳۴۷۔

(۱) لم نعر عليه.

(۲) ”الشفا“، القسم الثاني، الباب الأول في فرض الإيمان له ووجوب طاعته واتباع سنته، فصل: ومخالفة أمره... إلخ، الجزء الثاني ص ۱۱ بتصرف.

(۳) ”شرح سفر السعادة“، باب اذکار النبی ﷺ، فصل در سلام و آداب، ص ۴۱۲ بتصرف۔

(۴) ”بحر المذاهب“...

امام قزوینی لکھتے ہیں: ”المبتدع کلّ من يعتقد شيئاً يخالف الكتاب والسنة، ولا يتبع الرسول في الأقوال والأفعال“^(۱)۔

”در مختار“ میں ہے: ”البدعة هي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول صلى الله عليه وسلم“^(۲)۔

”بحر الرائق“ میں ہے: ”البدعة ما أحدث خلاف الحق الملتقى عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم- من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة أو استحسان وجعل ديناً قوياً وصراطاً مستقيماً“^(۳)۔

بلکہ علماء بعض اوقات بہ نظر کثرت استعمال خواہ دوسری وجہ سے مفہوم بدعت کو انہیں معنی یعنی مخالف شرع خواہ جو اُن سے تحقیق میں مساوی اور مال میں متحد ہیں منحصر، اور مقابل کو بدعت ضلالت بلکہ باعتبار اس معنی کے مفہوم بدعت سے خارج کرتے ہیں۔

علامہ عینی ”شرح بخاری“ میں ((شرّ الأمور محدثاتها))^(۴) کے تحت میں لکھتے ہیں: ”والمراد به ما أحدث وليس له أصل في الشرع وسمي في عرف الشرع بدعة، وما كان له أصل يدلّ عليه الشرع فليس بدعة“^(۵)۔

(۱) لم نعر عليه۔

(۲) ”الدر المختار“، کتاب الصّلاة، باب الإمامة، ۵۳۱/۳ بتصرّف۔

(۳) ”البحر الرائق“، کتاب الصّلاة، باب الإمامة، ۶۱۱/۱ بتصرّف۔

(۴) ”صحيح البخاري“، کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ۷۲۷۷، ص ۱۲۵۲۔

(۵) ”عمدة القاري“، کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول ﷺ

اور دوسرے حضرات سید و مذموم و ضلالت ہونا اس معنی خواہ ایسے معنی کے ساتھ جو اُس کی طرف راجع، مخصوص کرتے ہیں، کما فی ”إحياء العلوم“: ”ولا يمنع ذلك من كونه محدثاً، فكم من محدث حسن، إنما البدعة المذمومة ما تصادم السنة القويمة أو تكاد تقضي إلى تغييرها“^(۱)... إلخ ملخصاً۔

”شرح سفر السعادة“ میں ہے: ”ہر امر محدث کہ مخالف سنت و غیر آں باشد گمراہی است“^(۲)۔

امام جلال الدین سیوطی مولد کی نسبت فرماتے ہیں: ”هذا القسم مما أحدث وليس فيه مخالفة لكتاب ولا سنة ولا أثر ولا إجماع“^(۳)۔

امام غزالی کتاب ”إحياء“ کے ادب خاص سماع میں لکھتے ہیں: ”وقول القائل: ”إن ذلك بدعة لم يكن في عهد الصحابة“ فليس كل ما يحكم بإباحة منقولاً عن الصحابة رضي الله تعالى عنهم، وإنما المحذور بدعة تراغم سنة مأموراً بها“^(۴)۔

= اللہ ﷻ، تحت ر: ۷۲۷۷، ۱۶/۵۰۴۔

(۱) ”إحياء علوم الدين“، كتاب آداب تلاوة القرآن، الباب الثاني في ظواهر آداب التلاوة، الرابع، ۱/۳۲۶۔

(۲) ”شرح سفر السعادة“، باب در بیان نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، فصل در خطبہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، در روز جمعہ، ص ۳۰۲ ملقطاً: تعرف۔

(۳) ”الحاوي للفتاوى“، كتاب الصداق، باب الوليمة، ضمن رسالة ”حسن المقصد في عمل المولد“، ۱/۲۲۵۔

(۴) ”الإحياء“، كتاب آداب السماع والوجد، الباب الثاني في آثار السماع =

”کیمائے سعادت“ میں فرماتے ہیں: ”وایں ہمہ اگرچہ بدعت است، واز صحابہ و تابعین نقل نکرده اند، لیکن نہ ہرچہ بدعت بود نہ شاید کہ بسیاری بدعت نیکو باشد، پس بدعتی کہ مذموم است آنکہ مخالف سنت باشد“ (۱)۔۔۔ الخ۔

ملا علی قاری ”شرح عین العلم“ میں کہتے ہیں: ”ولیس کلما ابداع منهياً عنه، بل المنهى عنه ابداع بدعة سیئة متضادة سنة ثابتة“ (۲)۔۔۔ إلخ۔

وفي ”المرقاة شرح المشكاة“ تحت قوله عليه السلام: ((من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد)) (۳)، فيه إشارة إلى أن إحداث ما لا ينافي الكتاب والسنة، كما نقرّره بعد ليس بمذموم“ (۴)۔

امام صدر الدین بن عمر کہتے ہیں: ”لا تکره البدع إلا إذا راغمت السنة، أما إذا لم تراغمها فلا تکره“ (۵)۔

== وآدابه، المقام الثالث من السماع، الأدب الخامس، ۳۳۱/۲، ۳۳۲ بتصرف۔
(۱) ”کیمائے سعادت“، رکن دوم در معاملات، اصل ہشتم در آداب سماع و وجد، باب دوم در آثار سماع و آداب آن، آداب سماع، ص ۲۰۶ ملقطاً۔

(۲) ”شرح عین العلم“۔۔۔

(۳) ”صحیح البخاری“، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ر: ۲۶۹۷، ص ۴۴۰ بتصرف، و ”صحیح مسلم“، کتاب الأقضية، باب كراهة قضاء القاضي وهو غضبان، ر: ۴۴۹۲، ص ۷۶۲۔

(۴) ”المرقاة شرح المشكاة“، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول، تحت ر: ۱۴۰، ۳۶۶/۱۔

(۵) لم نعر عليه۔

امام نووی^(۱) اور حافظ تہمتی^(۲) اور امام ابن حجر حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں: "المحدثات من الأمور ضربان: أحدهما ما أحدث بخالف كتاباً أو سنة أو أثراً أو إجماعاً، فهذه البدعة الضالة، والثاني ما أحدث من الخير ولا خلاف لواحد من هذه، وهي غير مذمومة"^(۳)، سوا اس کے اکثر اقوال علمائے دین و مستندین مخالفین کے کتب معتبرہ میں مذکور، اور بعض اس قاعدہ میں بھی مسطور ہیں۔

بالجملہ خواہ بدعت کو مخالفت کے ہی ساتھ تفسیر کیا جائے، یا باعتبار عموم معنی اول اُسے قسم مطلق بدعت کی ٹھہرا کر بدعت ضلالت و مذمومہ و سیدہ کو اُس میں منحصر کر دیا جائے، ہر طرح مدعا ہمارا حاصل، اور تصرف بعض متکلمین مخالفین کا معنی مخالفت میں قطع نظر اُس سے کہ تاویل بلا ضرورت ہے، خصوصاً تعریفات میں کہ محض ناجائز تصریح اکثر اکابر لفظ مصداق مت و مضلّات و مرائع و منازعت کے ساتھ اس تاویل کے رد میں کافی۔

اور نیز "شرح مقاصد" میں ہے: "لا نسلم أن محرّد فعل ما لم يفعلہ النبیّ -صلی اللہ علیہ وسلم- مخالفة له وترك لا تباعه، وإنما یکون ذلك إذا فعل ما نہی عنه أو ترک ما أمر به"^(۴)۔

(۱) لم نعر علیہ۔

(۲) أي: في "المدخل إلى السنن الكبرى"، باب ما يذكر من ذم الرأي وتكلف القياس في موضع النص، ر: ۲۵۳، ص: ۲۰۶، ملقطاً۔

(۳) أي: في "فتح المبين"، تحت الحديث الخامس، ص: ۱۰۷، بتصرف۔

(۴) "شرح المقاصد" المقصد السادس في السمعیات، الفصل الرابع في الإمامة،

”تحفہ شاعشریہ“ میں ہے: ”سوم آنکہ نگردن استخفاف چیزے دیگر است، منع فرمودن ازاں چیزے دیگر، مخالفت وقتی شد، کہ منع از استخفاف می فرمود، و ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استخفاف می کرد، نہ آنکہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استخفاف نکرد و ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرد“ (۱)۔

باقی رہی اصطلاح مخالفین کہ ”جو امر دینی زمانہ رسول اللہ ﷺ میں، صحابہ و تابعین میں نہ پایا جائے بدعت ہے“، سواگر کسی کتاب میں اُس کا پتا بھی ہو (قطع نظر اس سے کہ بمقابل تفسیر استیجاب قائل انتہات نہیں) اصطلاح اُس قائل کی ہے، نہ معنی شرعی بدعت؛ کہ نصوص شرعیہ میں اُس کا ارادہ صحیح ہو، اور نہ ممانعت بعض متاخرین کے بعض افعال کی نسبت اس وجہ سے کہ ”قرون ثلاثہ میں نہ تھی“ اُس کی تفسیر شرعی ہونے کی دلیل ہو سکے، خصوصاً جس حالت میں وہی علما یا اُن سے اُمتل خواہ اُمتال بعض افعال کو اس نظر سے کہ ”قرن حضرت و صحابہ“، اور بعض اوقات صرف اس بنا پر کہ ”عہد نبوت میں نہ تھی“، یا ان الفاظ سے کہ ”نہ حضور نے حکم دیا، نہ آپ کیا“ منع کرتے ہیں، اور یہ تفسیر و تصریحات مخالفین کے بھی صریح مخالف و منافی۔

مع ہذا یہ شبہ کہ ”یہ فعل عہد سابق میں نہ ہوا اور حضرت رسالت نے نہ کیا، ہم کس طرح کریں؟“ عہد صحابہ میں پیش ہو کر رد ہو گیا، بالآخر فعل کی خیریت فی نفسہ پر مدار ٹھہرا، اور صحابہ کرام نے جمع قرآن مجید پر اتفاق کر لیا، اور یہ جواب کہ ”صرف

== المبحث الخامس: الإمام بعد رسول اللہ ﷺ، الجزء الخامس، ص ۲۸۰۔

(۱) ”تحفہ شاعشریہ“، باب دہم در مطاعن عن خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم، مطاعن ابو بکر رضی اللہ عنہ، طبع ہفتم، ص ۲۶۹۔

باعتبار عہد نبوت یہ شبہ صحیح نہ تھا، لہذا رد کیا گیا، ٹھیک نہیں؛ کہ اس تقدیر پر جواب اس مضمون کے ساتھ حتمین تھا، نہ ان الفاظ سے کہ ”وہ فی نفسہ خیر ہے“ ((واللہ اِنَّہ لخبیر))^(۱)، علاوہ ازیں حضرات وہابیہ کے سوا کس مسلمان کی عقل تجویز کرے گی کہ صرف جناب رسالت کا ترک کسی فعل کو حرام خواہ مکروہ نہ کرے، اور ترک صحابہ و تابعین، یا عدم استنباط مجتہدین بھی اس کے ساتھ ہو تو فعل مکروہ و حرام ہو جائے۔۔۔؟! گویا ترک حضور جہت شرعی ہونے میں ان امور کا محتاج ہے!۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ صرف ترک حضور کا باوجود دواعی و انعدام موانع کراہت متروک پر دلالت کرتا ہے، اور ذکر صحابہ و تابعین اس مقام پر اسطر ادبی ہے، بلکہ ذکر تابعین فعل میں بھی سبھا ہے، نہ اس طرح کہ قول و فعل اُن کا جہت شرعی ہے، رائے تابعین باتفاق مجتہدین جہت نہیں، مگر جس طرح تعامل قرون مابعد، و قول و فعل علمائے ہر عصر، اور قید دواعی و موانع کی وجوداً و عدماً اس لئے ملحوظ ہے کہ ترک کراہت کے سوا اور جہت سے بھی ہوتا ہے، ولہذا وہی فقہا کہ ترک جناب سے استناد کرتے ہیں، باوجود نہ کرنے حضور کے بیسیوں افعال کی نسبت جواز و استحسان کا حکم دیتے ہیں، بلکہ کراہت کے لئے بھی کبھی دوسری علت ہوتی ہے، جس طرح آپ قیام اور اطلاق ”سید“ کا نفس نفیس کے واسطے تواضعاً مکروہ سمجھتے، یا رباب توکل و تھوی کو بعض امور سے نہی فرماتے، ایسی کراہت احکام شرع کا مبنی نہیں ہوتی۔

بالجملہ مجز عدم فعل خواہ عدم نقل حضور سے نہ مثبت کراہت و حرمت، اور نہ

(۱) ”صحیح البخاری“، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضائل اصحاب

النبی ﷺ ومن صحب النبی ﷺ أو رآہ من المسلمین فهو اصحابہ، ر: ۳۶۵۰،

تحدید زمانی اس میں معتبر، اور نہ فقدان کسی فعل کا ازمہٴ خلاشہ میں اُس کے ضلالت و بدعت سیدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے، اور اسجد لال اکابر فرقہ و ہابیہ اس بات پر کہ ”جو امر قرآنِ خلاشہ یعنی عہد سید المرسلین و زمانہ صحابہ و تابعین میں نہ پایا جائے بدعت و ضلالت ہے“ حدیث: ((عبیر امتی قرنی))^(۱) سے محض بے جا۔

اولاً: حدیث اس مدعا میں کہ ”خیریت قرن تابعین باعتبار سیرتِ اہل قرن کے ہے“ نص نہیں، بلکہ الفاظ سے خیریت باعتبار قرب عہد نبوت اظہر؛ کہ لفظ: ((الذین یلونہم))^(۲) سے تعبیر، اور لفظ: ((نم))^(۳) کے ساتھ تعقیب اس مراد پر قرینہٴ واضحہ؛ کہ صلہٴ موصول تعلیل پر دلالت کرتا ہے، گویا ارشاد ہوتا ہے کہ: ”قرن تابعین اس وجہ سے کہ قرن صحابہ سے متصل و مقارن، اور وہ عہد رسالت سے متصل ہے، پچھلے زمانوں سے بہتر اور اچھا ہے۔“

ثانیاً: مسلّمنا کہ خیریت باعتبار سیرت کے ہے، لیکن قائلانِ امیر المؤمنین عثمان، و مولیٰ علی، و حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اُسی قرن میں تھے، اور قتل و نہبِ اہلِ حرمین شریفین، و حکمِ حرمِ کعبہ معظمہ و مدینہ منورہ، و رفس، و خروج، و قتل و غیرہ افعالِ شنیعہ و عقائدِ باطلہ بھی اُسی عصر میں ظاہر ہوئے۔ ہاں خیریت اکثر

(۱) ”صحیح البخاری“، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب فضائل أصحاب النبی ﷺ و من صحب النبی ﷺ أو رآہ من المسلمین فهو أصحابہ، ز: ۳۶۵۰، ص ۶۱۲۔

(۲) ”صحیح البخاری“، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب فضائل أصحاب النبی ﷺ و من صحب النبی ﷺ أو رآہ من المسلمین فهو أصحابہ، ز: ۳۶۵۰، ص ۶۱۲۔

(۳) ”صحیح البخاری“، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، باب فضائل أصحاب النبی ﷺ و من صحب النبی ﷺ أو رآہ من المسلمین فهو أصحابہ، ز: ۳۶۵۰، ص ۶۱۲۔

افعال واحوال اکثر اہل قرن مسلم، مگر خیریت کل افعال خواہ کل اشخاص عصر مذکور کو غیر مستلزم، اور خیریت قرن باعتبار خیریت سیرت اہل قرن ہے، تو مدار خیریت کا افعال پر ہے، اور یہ ہمیں مفید، اور مخالفین کو مضر ہے، نہ یہ کہ افعال تابعین بعلت خیریت قرن خیر و داخل سنت، اور امور کہ بعد اس زمانہ کے واقع ہوئے سب حرام خواہ مکروہ اور بدعت۔ اصل یہ ہے کہ وقوع فعل کا کسی زمانہ میں مدار خیریت و شریت نہیں ہو سکتا، بلکہ فعل خیر جس وقت واقع ہو خیر، اور شر ہر حال میں شر رہے گا، یہ وہی امر ہے کہ عصر صحابہ میں در باب جمع قرآن منسوخ ہو کر اس پر اتفاق و اجماع منعقد ہو گیا۔

”ہدایۃ المرید شرح جوہر التوحید“ میں ہے: ”ومن الجهلة من يجعل كل أمر لم يكن في زمن الصحابة بدعة مذمومة وإن لم يقم دليل على قبحه تمسكاً بقوله صلى الله عليه وسلم: ((إنماكم ومحدثات الأمور))^(۱) ولا يعلمون أن المراد بذلك أن يجعل في الدين ما ليس فيه“^(۲) انتہی۔

علاء: بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حدیث میں قرون ثلاثہ سے عہد رسالت ﷺ و عصر جناب شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، و عہد امیر المؤمنین عثمان ذو النورین مراد^(۳)، اور ارشاد حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ^(۴) اسی معنی کو

(۱) ”جامع الترمذی“ أبواب العلم، باب [ما جاء في] الأخذ بالسنة واحتساب البدعة،

ر: ۲۶۷۶، ص: ۶۰۷۔

(۲) ”ہدایۃ المرید شرح جوہر التوحید“...

(۳) ”ازالۃ الخفاء“، فصل چہارم، ۱/۱۲۱۔

(۴) لم نعر علیہ۔

کہ یہ مدح خاص زمانہ حضور و عہد خلافت خلفائے ثلاثہ کے ہو، اور نیز بہت حالات و وقائع ان تینوں ازمہ اور ان کے مابعد کے مؤید، لا اقل اُس کے محتمل ہونے میں شک نہیں، تو بدونِ رفعِ اس احتمال کے ثبوتِ مدعائے مخالفین اس حدیث سے غیر متصور، ”إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال“ (۱)۔

رابعاً: یہ دعویٰ کہ ”خیریت ازمہ ثلاثہ میں مخصوص اور قرون مابعد محض شر“ مردود ہے۔ حدیث: ((مثل أمتي مثل المطر لا يدري أوله خیر أم آخره)) سے جسے ترمذی نے بسند حسن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲)، اور امام احمد نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۳)، اور ابنِ جبان نے اپنی ”صحیح“ میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا (۴)، اور محقق و ہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”اشعۃ الممعات“ میں باعتبار کثرت طرق صحیح قرار دیا (۵)، اور حدیث رزین میں بجائے مطر کے لفظ: ((غیث)) (۶) وارد

(۱) لم نعر علیہ.

(۲) ”جامع الترمذی“، أبواب الأدب، باب ((مثل أمتي مثل المطر))، ...، ر: ۲۸۶۹، ص ۶۴۵.

(۳) ”المسند“، مسند الکوفیین، حدیث عمار بن یاسر، ر: ۱۸۹۰۳، ۶/۴۸۰.

(۴) ”صحیح ابنِ جبان“، کتاب التاریخ، باب فضل الأئمة، ذکر خبر أوهم من لم يحکم صناعة الحديث... إلخ، ر: ۷۱۸۳، ص ۱۲۶۰ (لکن وجدت فیہ عن عمار بن یاسر).

(۵) ”اشعۃ الممعات“، کتاب المناقب والفضائل، باب ثواب هذه الأمة، الفصل الثاني، ۳/۶۰۔

(۶) انظر: ”مشكاة المصابيح“، کتاب المناقب والفضائل، باب ثواب هذه الأمة، الفصل الثالث، ر: ۶۲۸۷، ۳/۴۰۳ نقلًا عن رزین.

ہوا۔ اور نیز حدیث ”صحیح مسلم“: ((من أشدَّ أمتي لي حبًّا ناس يَكُونون بعدی یوَدُّ أحدهم لو یرانی بأهله وماله))^(۱)، اور حدیث بخاری: ((سیکون فی آخر هذه الأمة قوم لهم مثل أولهم یأمرون بالمعروف وینہون عن المنکر، ویقاتلون أهل الفتن))^(۲)۔ اور نیز آیہ کریمہ: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾^(۳)۔ اور کریمہ: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾^(۴)۔ ودیگر آیات واحادیث کہ فضل امت مرحومہ اور اُس کی خیریت میں بدون تخصیص کسی قرن و عصر کے وارد، اس دعویٰ کے رد میں کافی، بلکہ طریق جمع و تطبیق آیات واحادیث اسی میں منحصر کہ یہ امت تمام ماخیر الامم اور ہر قرن اُس کا خیر، اور قرن صحابہ کرام افضل القرون، اور بہت قرب عہد نبوت اشرف و اکمل، اور بعض قرون مابعد بعض سے بظہر بعض وجوہ خیریت میں اتم۔

شیخ عبدالحق دہلوی حدیثِ اوّل^(۵) کی شرح میں لکھتے ہیں: ”مدلول ظاہر

(۱) ”صحیح مسلم“، کتاب الحنّة و صفة نعيمها وأهلها، باب من یوَدُّ رؤیة النبی ﷺ بأهله وماله، ر: ۷۱۴۵، ص: ۱۲۳۰۔

(۲) ”دلائل النبوة“، جماع أبواب إخبار النبی ﷺ بالکوائن بعده، وتصديق الله -جل ثناؤه- رسولہ ﷺ فی جمیع ما وعده، باب ما جاء فی الإخبار عن ملک بنی العباس بن عبد المطلب رضي الله عنه، ۵۱۳/۶ بتصرف۔

(۳) تم بہتر ہوان امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں۔ (پ ۴، آل عمران: ۱۱۰)

(۴) اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تمہیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں گواہ ہو۔

(پ ۲، البقرة: ۱۴۳)۔

(۵) أي: ((مثل أمتي مثل المطر لا یدری أوله خیر أم آخره))۔

حدیث شک و تردد و عدم جزم و قطع است بآنکہ اول امت بہتر و فاضل تر است یا آخر
 آں، و ایں جائیں معنی مقصود نیست، بلکہ کنایہ است از بودن ہمہ امت خیر، چنانکہ مطر
 ہمہ نافع است“ (۱)، نہ یہ کہ خیریت کو صرف قرون ثلاثہ میں منحصر، اور آزمائے مابعد کو شر
 سمجھیں، اور جو افعال اس میں رائج ہوئے خواہ مخواہ بدعت و ضلالت قرار پائیں، بلکہ
 جس حالت میں آیات و احادیث امت مرحومہ کی خیریت پر علی الاطلاق ناطق ہیں،
 اور خیریت امت بدون خیریت سیرت امت غیر متصور، تو خیریت سیرت و عادت
 و معمولات و مروجات جملہ قرون امت باقتضائے نصوص کتاب و سنت ثابت، ایک
 بات پر بدون فہم مطلب و تنقیح مراد اقتصار، پھر اس پر اصرار، اور دیگر آیات و احادیث
 سے کہ خاص اس مادہ میں وارد ہوں، اعراض، اور بالکلیہ اغماض، شیوہ اہل بدعت
 و اہوا کا ہے۔

خامساً: لفظ: ”خیر“ اسم تفضیل ہے، تو ظاہر لفظ مفضل کی فی الجملہ خیریت
 پر دلالت کرتا ہے، نہ شریت پر، بلکہ اس کے مقابلہ میں کبھی تصریح شریت مفضل بھی
 اُس کی خیریت کو باطل نہیں کرتی، صرف اس قدر سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس سے افضل اور
 یہ اُس سے کمتر ہے۔ حدیث میں آیا ہے: ((خیر الصفوف أولها وشرها
 آخرها)) (۲)۔ حالانکہ پچھلی صف بھی فی نفسہ خیر ہے۔ بس معمولات آزمائے لاحقہ کی
 شریت حدیث سے اصلاً ثابت نہیں۔

(۱) ”امعة المذہبات“ کتاب المناقب والفہائل، باب ثواب ہذہ الامۃ، الفصل الثانی،
 ۶۰/۴۔

(۲) ”صحیح مسلم“، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف وإقامتها وفضل الأول
 فالأول منها... إلخ، ز: ۹۸۵، ص: ۱۸۶، بتصرف۔

سادساً: تتمہ حدیث ((عیر القرون قرنی)) یہ ہے: ((ثُمَّ إِنَّ بَعْدَهُمْ قَوْمًا يَشْهَدُونَ وَلَا يَسْتَشْهَدُونَ وَيُخَوِّنُونَ وَلَا يُؤْتَمِنُونَ وَيَنْزِرُونَ وَلَا يُؤْفُونَ وَيُظْهَرُ فِيهِمُ الشُّمَاتَةُ))^(۱)، اور حدیث نسائی میں بعد ذکر خیریت قرون ثلاثہ کے وارد: ((ثُمَّ يَظْهَرُ الْكُذْبُ حَتَّىٰ أَنْ الرَّجُلَ لِيَحْلِفَ وَلَا يَسْتَحْلِفُ وَيَشْهَدُ وَلَا يَسْتَشْهَدُ))^(۲)۔

جس حالت میں خود تتمہ حدیث وجوہ خیریت قرون ثلاثہ و مفضولیت آزمائہ مابعد کی تصریح کرتا ہے، تو اس حدیث سے شریعت جمیع قرون لاحقین پر استدلال کرنا دانستہ تحریف کلام نبوی، اور تغیر و تبدیلی مراد حضرت رسالت پناہی ہے۔

سابعاً: بعد فرض و تسلیم اس کے کہ خیریت کسی قرن کی دوسرے قرون کے شر ہونے کو مستلزم، شریعت قرون مابعد باعتبار شیوع و ظہور عقائد فاسدہ و مذہب باطلہ کے ہے کہ قرون ثلاثہ کے بعد شائع ہوئے، نہ اعمال متنازع فیہا، جس کا وجود قرن رابع و خامس میں نہ تھا۔ تو حدیث کو ان کے شر ٹھہرانے میں اصلاً مداخلت نہیں۔

حاشیاً: مخالفین اقوال مجتہدین اور علوم فقہ و تفسیر و اصول و اخلاق و تصوف کی تدوین اور صرف و نحو کے تعلیم و تعلیم کی نسبت کیا کہیں گے؟ اور یہ عذر کہ ”اصل ان کی شرع میں موجود“ مشترک ہے؛ کہ امور متنازع فیہا جن کو حضرات وہابیہ ضلالت

(۱) ”صحیح مسلم“، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم، ر: ۶۴۷۵، ص ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ملقطاً بتصرف.

(۲) ”السنن الکبریٰ“، کتاب عشرة النساء، ذکر اختلاف ألفاظ الناقليين لعبر عمر فيه، ر: ۹۲۲۴، ۳۸۸/۵، بتصرف.

و بدعتِ سیدہ کہتے ہیں، عموماً شرعیہ کے تحت میں مندرج، یا دلائل شرع سے مستفاد، اور مقصود شرع سے موافق، اور مصالحِ دینیہ پر مشتمل الی غیر ذلك من الأصول الصحیحة۔

بائیں ہمہ انہیں حکم سنت میں جاننا، اور انہیں بدعت و ضلالت کہنا سراسر نا انصافی، اگر تقسیم مقبول کافہ علما سے خواہ مخواہ انکار، اور جملہ: ((کُلُّ بدعة ضلالة))^(۱) کی کلیت پر باعتبار معنی اوّل بدعت ہے، اصرار منظور ہے، اور بظہر دفع تعارض و جمع و تطبیق اولہ شرعیہ اقوال و افعال صحابہ کرام کو بدیں وجہ کہ ”اُن کی فضیلت اور مقتدا ہونے میں احادیث وارد“، اور رسم و رواج عصر تابعین کو صرف اس وجہ سے کہ ”اُن کی خیریت حدیث سے ثابت“، اور مسائل قیاسیہ مجتہدین کو باعتبار اُن کی اصل سند کے کتاب اللہ و ہدی رسول اللہ ﷺ سے ملحق کرنا ضرور، جیسا ”غایۃ الکلام“^(۲) و غیر ہا^(۳) رسائل مخالفین میں مذکور، اور تدوین علوم دینیہ اور اُن کی تعلیم و تعلم کو بھی بلحاظ ”اصل شرعی و مصلحت دینی“ واجب، خواہ مستحب ٹھہرانا لایہدی، جس کا عمائد فرقہ سو گدا قرار کرتے ہیں۔

تو بموجب حدیث: ((اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ))^(۴) اور اثر ابن مسعود

(۱) ”صحیح مسلم“، کتاب الجمعة، باب التغلیظ فی ترک الجمعة، ر: ۲۰۰۵،

ص ۳۴۷۔

(۲) ”غایۃ الکلام“...

(۳) لم نعر علیہ۔

(۴) ”المستدرک علی الصحیحین“، کتاب العلم، ر: ۳۹۵، ۱/۱۶۹۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ((ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن))^(۱)۔ اور کریمہ: ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾^(۲)... الآیہ، قول وفعل جمہور ہر قرن امت، اور نیز باعتبار آیات واحادیث کے کہ آخر امت خواہ جملہ قرون کی خیریت میں وارد، سیرت وروایح تمام اہل اسلام ہر قرن کو جس کے لئے برائی شرع سے ثابت نہ ہو مستحسن خواہ مندوب سمجھنا لازم، مقام تطبیق میں بعض دلائل شرعیہ کا لحاظ، اور جو مخالف ہوئے نفس ہوں اُن سے اس درجہ اغماض نری ہٹ دھرمی، ﴿أَكْفُرُوا مِنْ بَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوا بِبَعْضٍ﴾^(۳)۔

الحاصل: دعویٰ ضنادیہ وہابیہ (کہ قول وفعل تابعین حکم سنت میں ہے، اور جو امر کہ قرونِ ثلاثہ میں بہیبت کذا کی صورت مخصوصہ نہ پایا گیا، بدعت و ضلالت) حدیث مذکور سے ثابت نہیں، نہ یہ معنی شرعی بدعت، تو احادیث کو (کہ ذم بدعت میں ہیں) اس معنی پر وارد کرنا ایسا ہے جس طرح حضرات وہابیہ ریا، یا سرقہ، و زنا کی مباح خواہ مستحب فعل کا نام رکھیں، اور آیات واحادیث (کہ اُن کے باب میں وارد) نقل کر کے اس فعل کے لئے احکام شرعیہ اُن کے ثابت کر دیں۔ ثبوت اصطلاح اہل اصطلاح سے چاہیے۔

قرآن میں جس جگہ یہ لفظ وارد ہوا ﴿يَتَّبِعِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾^(۴)،

(۱) "المعجم الأوسط"، باب الزاي، من اسمه ذكره، ر: ۳۶۰۲، ۳۸۴/۲۔

(۲) اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے۔ (پ ۵، النساء: ۱۱۵)۔

(۳) اور کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔

(پ ۱، البقرة: ۸۵)۔

(۴) نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا۔ (پ ۱، البقرة: ۱۱۷)۔

اور ﴿ابْتَدِعُوَهَا﴾^(۱) ﴿فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾^(۲)، وہاں یہ معنی بالقطع مراد نہیں، نہ کسی حدیث میں یہ معنی متعین، اگر ہوں تو مخالفین بتادیں! و دونه حصرط الفتاد۔

اور جو بالفرض اُن کا معنی شرعی ہونا تسلیم کر لیں، تو جب تک انحصار استعمال اس میں ثابت یا قریبہ قاطعہ متحقق نہ ہو، مراد احادیث کس طرح متعین ہوگی؟ مگر عادتِ مستمرہ اہل اہوا و بدعت ہے کہ ایک لفظ قرآن و حدیث کا لے کر اپنے معنی اختراعی یا لفظِ غیر مشترک سے معنی غیر مراد لیتے ہیں، اور یہ طریقہ فرقہ وہابیہ میں بنسبت دوسرے مبتدعین کے زیادہ شائع ہے؛ کہ اس تدبیر سے عوام بے چاروں کو ہل طور سے مغالطہ دیتے ہیں۔

حقیقۃ الامر یہ ہے کہ بدعت بمعنی دوم یعنی مخالف مزاحم و مضاد سنت مطلقاً گمراہی و ضلالت، اور یہی معنی اکثر احادیث میں مراد، اور وعید (کہ احادیث میں وارد) اسی معنی کے مناسب، اور باعتبار اس معنی کے حدیث: ((كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))^(۳) معنی حقیقی پر ہے، اور یہ کلیہ بلا تاویل و تصرف صحیح ہے، اور بدعت بمعنی اوّل اور نیز بمعنی مصطلح مخالفین حسنہ و سیئہ و اقسام پنجگانہ کی طرف منقسم، اور ((كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ)) بمعنی ”کُلُّ بَدْعَةٍ سَيِّئَةٌ ضَلَالَةٌ“ یا ”کُلُّ“ بمعنی اکثر ہے؛ کہ ہزار جگہ شرع میں مستعمل، تو لفظِ بدعت کو اپنی اصطلاح پر حمل کرنا اور اس کے ساتھ جملہ:

(۱) تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی۔ (پ ۲۷، الحدید: ۲۷)۔

(۲) پھر اسے نہ پایا جیسا اس کے بنائے کا حق تھا۔ (پ ۲۷، الحدید: ۲۷)۔

(۳) ”صحیح مسلم“، کتاب الجمعة، باب التغلیظ فی ترک الجمعة، ر: ۲۰۰۵،

((کَلِّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٍ)) کو باتباع ابن الصبی وغیرہا اصل پر کھنا زرا خلط و خط ہے۔
 اور یہاں سے تقریر مولائے قوم اسماعیل صاحب دہلوی (کہ ”ایضاح الحق
 الصریح“ (۱) میں بڑے طعناً سے لکھی، اور اتباع کو اس پر بڑا ناز ہے، اور نصف
 وہابیت اس پر مبنی) بخوبی رد ہوتی ہے، اور یہ تاویل مشکلم فتویٰ کی کہ ”لفظ ”مخالفت“
 تفسیر بدعت میں (کہ امام شافعی وغیرہ اکابر ائمہ کے کلام میں واقع ہوا) بمعنی عدم
 موافقت ہے، قطع نظر اس سے کہ تاویل رکیک بلا ضرورت، خصوصاً الفاظ تعریف
 و تفسیر میں نری سفاہت ہے، اس تقدیر پر جس امر کے لئے مثلاً کتاب سے موافقت
 ثابت نہیں، گو حدیث میں مصرح ہو مخالف کتاب، و علیٰ ہذا القیاس عدم موافق بالسنۃ
 موافق بالکتاب، مخالف سنت قرار پائے گا۔ و ہل هذا إلا جنون!۔

اور اسی طرح یہ مغالطہ بھی کہ اکثر اوقات عوام سے کہتے ہیں اور کبھی تنزلاً
 مباحث علما میں بھی پیش کرتے ہیں کہ: ”جس جگہ کتب دینیہ میں لفظ ”بدعت“ وارد،
 وہاں خواہ مخواہ سینہ ہی مراد لینا چاہیے؛ کہ مطلق فرو کمال کی طرف راجع ہوتا ہے“ دفع
 ہو گیا؛ کہ بدعت حسنہ و سیئہ مفہوم ”ما لم یکن فی عہد رسول اللہ“ کے افراد
 ہیں، اس میں کمال و نقصان کو دخل نہیں، اور لفظ بدعت اس مفہوم اور معنی دوم
 میں مشترک لفظی، اس صورت میں کمال و نقصان افراد سے کیا علاقہ ہے؟!، اور نیز فقہا
 سو جگہ اطلاق بدعت کرتے ہیں، اور لاحقین شارحین تصریح کر دیتے ہیں کہ مراد
 بدعت حسنہ ہے، کما لا یخفی علی من طالع کتب الفن۔

باقی رہا یہ مغالطہ کہ ”ہم صحابہ و تابعین کے پیرو ہیں، جو انہوں نے کیا کریں

گے، اور جو ان سے ثابت نہ ہوا نہ مانیں گے“ بوجہ مدفوع: اولاً: حسب تصریح فقہا مسائل جزئیہ میں عامی کو تقلید صحابہ و تابعین نہیں پہنچتی، بلکہ علمائے محققین کا اس کی ممانعت پر اجماع، ”تحریر الأصول“ وغیرہ میں لکھا ہے۔ ”نقل الإمام إجماع المحققین علی منع العوام من تقلید أعیان الصحابة، بل من بعدهم الذین سیروا ووضعا دوتوا علی هذا ما ذکر بعض المتأخرین منع تقلید غیر الأربعة؛ لانضباط مذاهبهم، وتقیید مسائلهم، وتخصیص عمومها، ولم یدر مثلهم فی غیرهم، الآن لانقراض اتباعهم وهو صحیح“^(۱)۔

”فیض القدر شرح جامع صغیر“ میں ہے: ”یحب علینا اعتقاد الأئمة الأربعة، ولا یحوز تقلید الصحابة، وكذا التابعین، كما قاله إمام الحرمین“^(۲)، وقد نقل الإمام الرازی^(۳) إجماع المحققین علی منع العوام من تقلید أعیان الصحابة وغیرهم، وهكذا قال الإمام المحقق النووي فی ”شرح الأربعین“^(۴)، وهكذا قال ابن حجر فی ”رسالته“^(۵)۔ اور اسی طرح علامہ عارف باللہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الحدیقة

(۱) ”تحریر الأصول“، الإجماع، ۴/۴۷۲، ۴۷۳۔

(۲) ”فیض القدر شرح الجامع الصغیر“، حرف الهمزة، تحت ر: ۲۸۸، ۲۰۹/۱ ملتقطاً بتصرف۔

(۳) لم نعر علیہ۔

(۴) ”شرح الأربعین“...

(۵) لم نعر علیہ۔

النديۃ فی شرح الطریقۃ المحمّدیۃ“ میں اُس کے منع کی تصریح فرمائی (۱)۔

ثانیاً: اتباع اسے کہتے ہیں کہ جو انہوں نے کیا خواہ حکم دیا، کریں، اور جس سے منع کیا، باز رہیں، نہ یہ کہ جو اُن سے کسی طرح اور کبھی ترک ہوا اُسے مکروہ و مضلات سمجھیں!۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں: ”جو امور مجتہدین سے بھی ثابت نہیں انہیں کس طرح جائز جانیں؟“ لیکن قواعد آتیہ اس شبہ کے انحلال میں کفایت کرتے ہیں، اور اسی مغالطہ کے قریب ہے وہ جو کہتے ہیں: ”اگر یہ امور کہ بعد قرون ثلاثہ حادث ہوئے، اچھے ہوتے تو جناب رسالت و صحابہ و تابعین ہرگز ترک نہ فرماتے“ بجواب اُس کے اس قدر کافی کہ ”اگر افعال مرؤجہ عصر تابعین اچھے ہوتے، تو قرن صحابہ میں، اور افعال اُس قرن کے عہد نبوت میں ضرور رواج پاتے“، صد ہا امور خیر جن کی خوبی اور بھلائی اور اُن پر ثواب و اجر اخروی احادیث صحیحہ میں مصرّح، باوجود اس کے اکثر صحابہ کرام کا عمل کسی وجہ سے ثابت نہ ہوا، اسی طرح اگر صحابہ کرام و تابعین عظام نے اس وجہ سے کہ دوسرے عمدہ کاموں میں مصروف تھے فرصت نہ پائی، یا دوسرے اسباب سے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی، تو ایسا ترک ان کا مبطل خیریت امور مذکورہ نہیں ہو سکتا۔

اور حقیقۃ الامر بھی یہی ہے کہ صحابہ و تابعین کو اعلائے کلمۃ اللہ، و اشاعتِ فرائض، و حدودِ الہیہ، و حفظِ روایتِ حدیث، و اصلاحِ امورِ کلیہ سے فرصت نہ تھی، لہذا اکثر ارج جزئیات و تصنیف و تدوینِ علوم کی طرف چنداں متوجہ نہ ہوئے، اور جہاد

(۱) ”الحدیقة الندیۃ فی شرح الطریقۃ المحمّدیۃ، النوع الرابع تمام الأنواع الأربعة فی بیان اختلاف الفقہاء فی أمر الطہارۃ والنحاسة و بیان القول الصحیح، ۶۹۷/۲۔

سیفی و سنائی نے مناظرۃ لسانی کی فرصت نہ دی، اور بوجہ عدم شیوع عقائد باطلہ و مذہب سائفہ کے اُس زمانہ میں نظم و دلائل و ردِ شبہات اہل بدعت و اہوا کی اس قدر حاجت بھی نہ تھی۔ جب حضرات صحابہ و تابعین نے امورِ کلّیہ کی تکمیل کر دی، اور بفضلِ الہی دینِ کمال کو پہنچا، اور ملتِ حنفیہ اسلامِ مشارق و مغارب میں اچھی طرح جم گئی، مجتہدین امت نے استنباطِ جزئیات اور علماء و ائمہ ملت نے تصنیفِ کتب کی طرف توجہ فرمائی۔ اُن کی کوشش سے دین کو اور بھی رونق حاصل ہوئی۔ مابعد کے علما نے جو ان کاموں سے بھی فرصت پائی، رد و ابطالِ اہل بدعت و اہوا میں سعی نمایاں، اور دقائق و اشارات و لطائف و نکاتِ شرع میں فکر بے پایان کی، اور حوادث و وقائع میں کہ اُزمنہٗ ثلاثہ و ائمہ اربعہ کے بعد واقع ہوئے رائے دی، جس بات کو اصولِ دین و قواعدِ شرع متین سے موافق اور مُصالحِ دینیہ پر مشتمل پایا، مستحسن اور مندوب یا واجب و لازم جیسا مناسب سمجھا ٹھہرایا، اور اُن کی ترویج میں سعی کی۔

آیا یہ سب احکام و افعال متاخرین و متقدمین اور اقوال ائمہ دین صرف اس وجہ سے کہ قرونِ ثلاثہ میں نہ تھے، گو دین کو مفید اور اصولِ شرع سے ثابت ہوں، بدعتِ سیئہ اور ضلالت ہو سکتے ہیں؟! ہر ذی عقل پر ظاہر کہ عتال و تھانیدارانِ پدگنات کو معاملاتِ روزمرہ میں ہزاروں وقائع اس قسم کے پیش آتے ہیں جس کی تصریح دستور العمل و قانونِ سلطنت میں نہیں پاتے، اور ان کے کام پر اس وجہ سے کہ بادشاہ نے صاف صریح حکم نہ دیا، نہ اَرکانِ ریاست و حاضرانِ دربار سے کسی نے بیعہ یہ کام کیا، کوئی اعتراض نہیں کرتا، بلکہ اگر عتال ان کے قواعدِ سیاست و ملک داری کے مناسب اور مقصودِ سلطانی کے مطابق ہوتے ہیں، تو موردِ آفریں ہو کر انعام کے مستحق ہوتے ہیں۔

جس نے مجز و انعدام فعل کو قرونِ خلافت میں خواہ عدم تصریح کو شارع سے دلیل قبح افعال ٹھہرایا، اس بھید کو نہ پہنچا، اور یہ کیا ضرور ہے جو اچھے کام سلف سے رہ گئے ہمیں اُن کی توفیق نہ دی جائے!، جس طرح ہزاروں مسائل جزئیہ ائمہ اربعہ نے استخراج کئے اور اگلے قرون موفق نہ ہوئے، خود محکم قنوجی لکھتے ہیں: ”وجہ ضرورت است کہ بیان صحابہ کبار و آلِ اطہار مستقصی جمیع جزئیات مستفادہ از کتاب و سنت باشد، بلکہ ممکن است کہ خدائے تعالیٰ جماعتی را در علم مماثل ایشان پیدا کند کہ استخراج بعض مسائل جزئیہ از کتاب و سنت نماید، و ایں قصور در استخراج چوں ناشی است از قلتِ دواعی، و عدم وقوع و قائلِ باعث آن موجب نقص علم امثال ایں بزرگاں نیست“ (۱)۔

اسی طرح بھجتِ عدم وقوع و قائلِ اور قلتِ دواعی وغیرہ اسباب کے بعض امور کی نسبت مجتہدین امت نے بھی تصریح نہ فرمائی، اور ائمہ و علمائے لاحقین استخراج کے ساتھ موفق، اور بعض حسنت و مندوبات کی ترویج اور اس طریقہ سے دین کی تائید سے مخصوص ہوئے، اور شاید احادیث میں کہ در باب فہلِ آخر امت وارد، انہیں امور کے ایجاد و ترویج کی طرف اشارہ ہو، والفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم۔

تذہیل: واضح ہو کہ تقریر فرقہ و ہابیہ بیانِ معنی بدعت میں نہایت مضطرب، اور احادیث و آثار کے مخالف، اور بطلانِ تقسیم کو جس پر حسب تصریح ائمہ علما کا اتفاق ہے اور صاحب ”کلمۃ الحق“ کو بھی ہزار اول کی نسبت اس امر کا اعتراف ہے، اور عدم مطابقتِ آیات و احادیث و اقوالِ علما کو مستلزم، لہذا مجز و اصطلاح اختراعی ہے، نہ شرعی

جس کا ثبوت شرع سے غیر ممکن، بخلاف ہماری تقریر کے کہ بفصل الہی اس تقدیر پر جملہ نصوص میں توفیق، اور تفسیراتِ علماء میں (کہ بظاہر مختلف) تطبیق حاصل، اور اس کے ساتھ واسطے دفعِ خلط و حیطِ مخالفین کے بھی کافی، اور سب مغالطات و تشکیکات کے رد میں (کہ اُس طرف سے پیش ہوتی ہیں) دانی۔

بایں ہمہ اگر تھلید اسماعیل صاحب دہلوی کی (جن کو اس فرقہ نے خواہ مخواہ آسمان پر اڑایا اور امامِ مذہب بنایا ہے) ہماری تحقیق و تدقیقِ انیق کے قبول سے مانع ہوگی؛ کہ ان حضرات کے نزدیک قول کسی کا (گو کیسا ہی مدلل ہو) بمقابلہ اُن کے وقعت نہیں رکھتا، تو کیا اتفاقِ کافہِ علمائے ملت و فضلاءِ اہل سنت کا بھی (کہ باقرارِ صاحب ”کلمۃ الحق“ ہزار برس تک تقسیم پر رہا ہے) اُن کے مقابلہ میں قوت اور اُس کے رد کی صلاحیت نہیں رکھتا؟! اور جو اجماعِ علماء اور اُن کی تحقیق اور دلائلِ شرع کی تطبیق و توفیق سے بھی کچھ کام نہیں (قول مولوی مذکور کا گو کیسا ہی واجب القول ہے، اور امامِ اعظم و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ سے تو کبھی اجتہاد میں خطا ہوگئی؛ کہ خود انہوں نے اپنے قول سے رجوع فرمایا، لیکن کلامِ اس نے مجتہد کا وحیِ آسمانی کی طرح خطا سے پاک ہے) تو صاف اقرار کر دیں! پھر کوئی تعرض نہ کرے گا، یہ سب جھگڑا اس دعویٰ کے ساتھ ہے کہ ”ہم قرآن و حدیث کو حق جانتے ہیں، سنیِ المذہب ہیں، علمائے اہل سنت اور اُن کے اقوال کو بھی مانتے ہیں“، اس تقدیر پر جو امر برعایتِ تطبیقِ دلائلِ شرعیہ و توفیقِ اقوالِ علماء ظاہر ہوگا، تسلیم اُس کی لازم ہوگی۔ اور ہماری یہ تقریر اگرچہ مولوی اسماعیل اُس کے خلاف پر ہوں واجبِ التسلیم ٹھہرے گی، اور آدھی وہابیت سے (کہ تفسیر بدعت پر مبنی ہے) انکار، اور اپنے مجتہد و امام کی غلطی کا اقرار ضرور ہوگا۔

ہذا، واللہ یہدی من یشاء إلى سبیل الرشاد، ومن یضلل اللہ فما له من ہاد۔

مرکباتِ خارجیہ میں (کہ خلط یا اتصالِ اجزاء خارج میں ہوتا ہے) صفاتِ متخالفہ اجزاء باقی نہیں رہتیں، مثلاً ایک جز درجہ ثالث میں حار اور دوسرا اسی درجہ میں بارد ہوگا، تو بعد از حلول و اختلاط و کسر و انکسار مرکب حرارت و برودت میں معتدل ہو جائے گا، نہ کیفیاتِ مشترکہ؛ کہ مرکبِ اسود و اسود سے اسود، اور حسن و حسن سے حسن رہے گا، و علیٰ ہذا القیاس۔ ہاں ایسے مرکب کو اکثر احوال میں نسبتِ شدت خواہ زیادت کہ کل واحد من الأجزاء سے حاصل ہوتی ہے؛ کہ بالوں کی رسی ہر بال سے زیادہ قوت رکھتی ہے، اور غیر متواتر (ہاں کہ احادِ جن سے تجاوز نہیں کرتے) مفید یقین ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ہر فرد انسان بیت میں داخل ہو سکتا ہے بخلاف مجموع کے؛ کہ حجمِ مجموع صلاحیتِ دخولِ بیت کی نہیں رکھتا، نہ یہ کہ مجموع صفاتِ حقیقیہ اجزاء کے تضاد سے منصف ہو جاتا ہے کما زعموا، اور یہ اختلاف حکم ہمیں مفید، اور مخالفین کو مضر ہے، جس کی رو سے کہہ سکتے ہیں کہ ”ثوابِ مجموع امور خیر ہر واحد کے ثواب سے کہیں زیادہ ہے۔“

اور مرکبِ اعتباری کے لئے (کہ عقل اُحاداً متبائنہ الوجود غیر محتلطة فی الواقع سے بہت اجتماعی انتزاع کرتی ہے) بدیں جہت (کہ موجود فی الخارج نہیں) خارج میں کوئی صفت ثابت ہی نہیں ہوتی، اور یہ قول کہ ”مرکبِ حسن و قبح سے قبیح ہے“ ایسے مرکب کی نسبت ایک کلامِ ظاہری ہے کہ بعد تعمق و تدقیق قبح جز و خواہ جزئین کی طرف راجع، نہ یہ کہ مجموع باوجود حسن اجزاء قبیح ہو گیا۔ مثلاً ایک شخص قرآن پڑھتا ہے، کسی کو ناحق مارے تو اسے تلاوت کا ثواب اور دوسرے فعل کا گناہ ہوگا۔

اور جو حسن ایک جزو کا شرعاً خواہ عقلاً عدمِ مقارنتِ جزو ثانی سے مشروط ہے، تو جزو اول بھی حسن نہ رہے گا۔ دو امر حسن کا مجموعہ اگر قبیح ہو تو حکم قبیح باعتبار ایک جزو کے ہوگا یا باعتبار کُل واحد من الجزئین کے یا بنظر ہیئت اجتماعی، شقینِ اولین مستلزمِ خلف؛ کہ حسن جزئین مفروض ہے، اور شقِ ثالث بھی صحیح نہیں؛ کہ مجموعہ امرین بعینہ امرین اور ہیئت امر اعتباری؛ کہ مدارِ احکام خارجیہ کے نہیں ہو سکتے۔ اور نیز حکم بحسن و قبیح اگر بشرط الانفراد ہے تو مرتبہ ”بشرطیۃ“ کی طرف منتقل نہ ہوگا، اور جو ”بشرطیۃ“ کے مرتبہ میں ہے تو اسی مرتبہ کے لئے مخصوص ہوگا، اور جو ”لابشرطیۃ“ کے مرتبہ میں ہوگا، تو حالتِ انفراد و اجتماع میں ثابت رہے گا، اور بدون مانع و منافی کے مرتفع نہ ہوگا۔

مولانا نظام الدین رحمہ اللہ ”شرح مبارزیہ“ میں فرماتے ہیں: ”إن کُلَّ حکم علی الأفراد إن کان صحیحاً علی تقدیر الاجتماع والانفراد، فالحکمان متلازمان“^(۱)۔ ولہذا کیفیات اجزاء سے کیفیتِ مجموعہ پر استدلال علمائے کلام و فقہائے کرام میں بلا تکثیر متکرر جاری رہا۔

قال فی ”المواقف“ فی بحث الکلام: ”فإن حصول کُلِّ حرف مشروط بانقضاء الآخر، فیکون له أوّل فلا یکون قدیماً، فکذا المجموع المركّب منها“^(۲)۔

اور ”شرح عقائد نسفی“ میں حدوثِ جواہر و أعراض سے حدوثِ عالم پر

(۱) ”شرح المبارزیہ“...

(۲) ”المواقف“، الموقف الخامس فی الإلهیات، المرصد الرابع فی الصفات

استدلال کیا ہے کہ ”جب اجزاء حادث ہیں، مجموع بالضرور حادث ہوگا“^(۱)۔
امام ابن امیر الحاج ”شرح منیۃ المصلیٰ“ میں در باب تسبیح تصریح کرتے
ہیں: ”جب دانہائے خرما پر شمار ثابت، پھر ان میں ڈورا ڈال لینے سے کیا حرج لازم
آیا“^(۲)۔

”شرح سفر السعاده“ میں کثیر ابن شہاب^(۳) سے نقل کیا: ”میں نے امیر
المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سے بنیر کا حکم پوچھا، فرمایا: بنیر دودھ اور پانی اور لباء سے بنایا
جاتا ہے، تو اسے کھاؤ“^(۴)، یعنی جس حالت میں اجزاء اُس کے حلال ہیں تو اُس کے
نہ کھانے کی وجہ کیا ہے؟!۔

امام غزالی در باب سماع ”احیاء العلوم“ میں لکھتے ہیں: ”فلذا لم يحرم
الاحاد فمن أين يحرم المجموع“^(۵)۔

اور نیز فرماتے ہیں: ”فإن أفراد المباحات إذا اجتمعت كان ذلك
المجموع مباحاً“^(۶)۔

(۱) ”شرح العقائد النسفية“، العالم بجمع أجزائه محدث، ص ۸۰، ۸۴ ملخصاً۔

(۲) ”الحلیۃ“، فصل فیما یکرہ فعله فی الصلاۃ وما لا یکرہ، ۱۶۴/۲۔

(۳) لم نعر علیہ۔

(۴) ”شرح سفر السعاده“، خاتمۃ الکتاب در اشارات بابوالی کہ در آہنا احادیث مرویہ صحیحہ نہ شدہ،
ص ۵۳۸۔

(۵) ”احیاء العلوم“، کتاب آداب السماع والوجد، الباب الأول فی ذکر اختلاف

العلماء فی إباحة وكشف الحق فیہ، بیان الدلیل علی إباحة السماع، ۲۹۷/۲۔

(۶) ”احیاء العلوم“، کتاب آداب السماع والوجد، الباب الأول فی ذکر اختلاف =

مرزا جان جانا مظہر (کہ مستندین مخالفین اور امام الطائفہ کے مرہدین سے ہیں) اسی مسئلہ میں کہتے ہیں: ”واہر مباح کہ کلام موزوں وصوت موزوں باشد چرا غیر مباح گردد؟“ (۱)۔

ان کے دوسرے امام ”اربعین“ میں بوقتِ رخصتِ برات فقرا کو کچھ دینے کے باب میں لکھتے ہیں: ”اگر آں وقت بطریق شکر یا تصدق بفقراء و مساکین ہر دو گروہ چیزے بد ہد جائز بلکہ مستحب است زیرا کہ در حدیث شریف آمدہ: ((من سأل بالله فاعطوه)) (۲) ... إلی قوله: و تصدق کردن پیچ گاہ ممنوع نیست“ (۳)۔

اور اصل اس قاعدہ کی حدیث شریف سے بھی ثابت کہ ابو داؤد کی حدیث میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وارد: ((وقد سمعتک یا بلال! وأنت تقرأ من هذه السورة ومن هذه السورة)) قال: کلام طیب یجمعه اللہ بعضہ إلی بعض، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ((کلکم قد أصاب)) (۴)۔

دیکھو حضرت بلال نے مختلف سورتوں سے آیتیں جمع کر کے پڑھیں، اور کہا

= العلماء فی إباحة و كشف الحق فیہ، بیان الدلیل علی إباحة السماع، ۲/۲۹۷۔

(۱) ”کلمات طیبات“، باب اول، فصل دوم در مکاتیب حضرت مرزا صاحب شہید، مکتوب دوازدهم در بیان مسئلہ سماع، ص ۲۳، بحرف۔

(۲) ”صحیح ابن جبران“، کتاب الزکاة، باب صدقة التطوع، ذکر الأمر للمرأة، بأن لا یرد المسائل إذا سألہ بأي شیء حضرہ، ر: ۳۳۶۴، ص ۵۹۸۔

(۳) ”اربعین“...

(۴) ”سنن أبی داود“، کتاب التطوع، باب رفع الصوت بالقرأة فی صلاة اللیل، ر:

۱۳۳۰، ص ۱۹۸۔

کہ یہ سب کلام پاکیزہ ہے کہ پروردگار بعض کو بعض سے جمع کرتا ہے، اور حضور والا نے باوجودیکہ ترتیب بھی ملحوظ نہ رکھی، جواب ان کا پسند فرمایا اور اس فعل کی تصویب کی!۔ اس حدیث سے پنج آیت کی جس طرح مراد ہے ایک کھلی اصل ظاہر ہوئی، اور بہت مسائل متنازع اس قاعدہ سے طے ہو گئے، اور قاتحہ، وصوم، ومولد وغیرہ امور متنازع فیہا (کہ منکرات شرعیہ سے خالی ہوں) ایسے طریقہ سے ثابت ہوئے کہ مخالفین کو ان میں کلام کی اصلاً گنجائش نہ رہی، والحمد للہ علی ذلک۔

قاعدہ ۳

اصل اشیاء میں اباحت ہے، یعنی جس عمل کے فعل و ترک میں شرعاً کچھ حرج نہ پایا جائے، اور دلیل حسن و قبح مفقود ہو، شرعاً مباح و جائز ہے، اسے اباحت اصلیہ شرعیہ کہتے ہیں کہ جس مادہ میں فعل و ترک کی نسبت شرع سے حرج مدرک نہ ہو، وہاں حکم بالتحییر مانتے ہیں۔

فاضل مرزا جان رحمۃ اللہ علیہ ”حاشیہ عضدی“ میں لکھتے ہیں: ”وعند المحهور أن كلما عدم المدرك الشرعي للخرج في فعله وتركه، فذلك مدرك شرعي لحكم الشارع بالتحییر بینہما“^(۱)۔

”مسلم الثبوت“ میں ہے: ”الإباحة حکم شرعی؛ لأن عطف الشرع تحییراً والإباحة الأصلية نوع منه؛ لأن کل ما عدم فيه المدرك الشرعي للخرج في فعله وتركه، فذلك مدرك شرعی لحكم الشارع بالتحییر فهي لا يكون إلا بعد الشرع خلافاً لبعض المعتزلة“^(۲)۔

(۱) ”حاشیہ عضدی“...

(۲) ”مسلم الثبوت“، الباب الثاني في الحكم، مسألة: الإباحة حکم شرعی،

مولانا بحر العلوم شرح میں فرماتے ہیں: ”آی: عدم المدرك الشرعي لهما مدرك شرعي لحكم الشرعي بالتخيير والإباحة الأصلية لا يكون إلا في موضع عدم المدرك الشرعي للخرج في الفعل والترك“^(۱)... إلخ۔ اور إباحة أصلية کہ زمان ثمرت کی نسبت مقدار اکثر خفیہ و شافیہ ہے، اور اسی طرح إباحة أصلية (جس کے معتزلہ قائل) اس کے مغاڑ ہیں، اختلاف (کہ کتب اصول میں منقول) کہ ”اصل اشیاء میں إباحة یا حرمت یا توقف ہے“ زمانہ ثمرت اور انکار اشعریہ ماتریدیہ إباحة أصلية معتزلہ کی نسبت ہے۔ کما یظهر بالمراجعة إلى کتب الأصول والتعمق في البحث۔

منہیہ ”مسلم الثبوت“ میں مذکور: ”ویظهر من يتتبع كلامهم أن الخلاف قبل ورود الشرع، ومن ثم لم يجعلوا رفع الإباحة الأصلية نسخاً لعدم عطفاب الشارع“^(۲)۔

مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں: ”فإذن ليس الخلاف إلا في زمن الفترة الذي اندرست الشريعة بتقصير من قبلهم، وحاصله: أن الذين جاءوا بعد اندراس الشريعة وجعل الأحكام فأما جهلهم هذا يكون عذراً فيتعامل مع الأفعال كلها معاملة المباح، أعني لا يؤاخذ بالفعل ولا بالترك، كما في

== ص ۱۳۲، ۱۲۴۔

(۱) ”فوائد الرحموت“، المقالة الثانية في الأحكام، مسألة: الإباحة حكم شرعي، ص ۵۶۔

(۲) انظر: ”فوائد الرحموت“، المقالة الثانية في الأحكام، مسألة: لا خلاف في أن الحكم... إلخ، ص ۲۶۔

المباح، وإليه ذهب أكثر الحنفية والشافعية وسمّوه إباحة أصلية^(۱)... إلخ.

علامہ شامی کہتے ہیں: "الْأَوَّلُ أَنَّ مَا مَرَّ^(۲) عَنْ "الْهِدَايَةِ"^(۳) لَيْسَ مَبْنِيًّا عَلَى أَنَّ الْأَصْلَ الْإِبَاحَةُ؛ لِأَنَّ الْخِلَافَ الْمَذْكُورَ فِيهِ أَمَّا هُوَ قَبْلَ وَرُودِ الشَّرْعِ. وَصَاحِبُ "الْهِدَايَةِ": "أَثْبَتَ الْإِبَاحَةَ بَعْدَ وَرُودِ الشَّرْعِ بِمَقْتَضَى الدَّلِيلِ، يَعْنِي أَنَّ مَقْتَضَى الدَّلِيلِ إِبَاحَتَهَا، لَكِنْ ثَبَتَ الْعَصَمَةُ بِعَارِضٍ.

وَقَدْ صَرَّحَ بِذَلِكَ فِي الْأَصُولِ؛ لِأَنَّ التَّكْلِيفَ عِنْدَ الْحَقِّ لَا يَثْبِتُ إِلَّا بِالشَّرْعِ حَيْثُ"۔ قَالَ الْبَزْدَوِيُّ^(۴): "بَعْدَ وَرُودِ الشَّرْعِ فَالْأَمْوَالُ عَلَى الْإِبَاحَةِ بِالْإِجْمَاعِ مَا لَمْ يَظْهَرَ دَلِيلُ الْحَرَمَةِ؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَبَاحَهَا بِقَوْلِهِ: ﴿خَلَقَ لَكُمْ مِمَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾^(۵)،^(۶).

(۱) "فَوَاتِحُ الرَّحْمُوتِ"، الْمَقَالَةُ الثَّانِيَّةُ فِي الْأَحْكَامِ، مَسْأَلَةٌ: لَا خِلَافَ فِي أَنَّ الْحُكْمَ... إلخ، ص ۲۶.

(۲) "رَدُّ الْمُحْتَارِ"، كِتَابُ الْجِهَادِ، بَابُ اسْتِيلَاءِ الْكُفَّارِ، مَطْلَبُ يُلْحَقُ بِدَارِ الْحَرْبِ الْمَفَازَةِ وَالْبَحْرِ الْمَلْحِ، ۱۲/۶۱۵.

(۳) "الْهِدَايَةُ"، كِتَابُ السِّيَرِ، بَابُ اسْتِيلَاءِ الْكُفَّارِ، الْحِزْبُ الثَّانِي، ص ۴۴۲ بتصرف.

(۴) انظر: "كَشَفُ الْأَسْرَارِ شَرْحُ أَصُولِ الْبَزْدَوِيِّ"، بَابُ الْمَعَارِضَةِ، تَعَارُضُ الْحِفْظِ وَالْإِبَاحَةِ، ۳/۱۹۵.

(۵) جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ (پ ۱، البقرة: ۲۹).

(۶) "رَدُّ الْمُحْتَارِ"، كِتَابُ الْجِهَادِ، بَابُ اسْتِيلَاءِ الْكُفَّارِ، مَطْلَبُ يُلْحَقُ بِدَارِ الْحَرْبِ الْمَفَازَةِ وَالْبَحْرِ الْمَلْحِ، ۱۲/۶۱۵، ۲۱۶ ملقطاً بتصرف.

اور دوسرے امر کی بھی تصریح ہے، قاضی عضد "شرح مختصر الاصول" میں کہتے ہیں: "الإباحة حكم شرعي خلافاً لبعض المعتزلة فإنهم يقولون: المباح ما انتضى الحرج في فعله وتركها، وذلك ثابت قبل الشرع وبعده، ونحن ننكر أن ذلك إباحة شرعية، بل الإباحة خطاب الشارع بذلك فافترقا"^(۱).

حاصل اس اختلاف کا یہ ہے کہ معتزلہ اس معنی کو إباحۃ حقیقیہ و حکم کہتے ہیں، اور قبل شرع و بعد اُس کے ثابت مانتے ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک حکم خطاب شارع سے عبارت، اور وہ قبل از شرع غیر ثابت، ولہذا إباحۃ فُتْرَت کو إباحۃ حقیقیہ و شرعیہ و حکم نہیں کہتے، اور باعتبار اس معنی کے زمانِ فُتْرَت کی نسبت اختلاف رکھتے ہیں۔ اکثر حنفیہ و شافعیہ اُس زمانہ کی نسبت قائل اس کے ہیں، اور بعض توقف اور بعض حرمت مانتے ہیں، بخلاف إباحۃ اصلیہ کے؛ کہ بعد ورود شرع ثابت اور حکم شرعی ہے، اور بدیں جہت کہ انعدام دلیل حسن و قبح اور عدم مدرک حرج فعل و ترک شرع سے مدرک شرعی حکم تنجیر کے لئے ہے۔

اُسے إباحۃ شرعیہ یعنی خطاب شارع کی ایک قسم کہتے ہیں کما مرّ من "المسلم"^(۲)، اور اس کے اصل ہونے میں اصولیین آشاعرہ و ماترید یہ سے کسی معتبر نے کلام نہ کیا، نہ کوئی قائل توقف خواہ حرمت کا ہوا، بعض حضرات نے مذاہب اور مصطلحات اہل مذاہب میں خلط کر کے اختلاف (کہ زمانِ فُتْرَت کی نسبت تھا) بعد ورود شرع حجت حقہ کے قرار دیا، اس قدر بھی خیال نہ کیا، کہ یہ مسئلہ اصول کا ہے، اور

(۱) "شرح مختصر الاصول" لقاضی عضد....

(۲) "اصول الزشاد" ص ۹۹.

اربابِ اصول سے کسی معتد معتبر نے عہدِ شریعت کی نسبت توقف نہ کیا، نہ کوئی اصالتِ حرمت کا قائل ہوا، اور دلائلِ اختلاف بھی زمانِ فترت پر منطبق ہیں، بلکہ نصوص بلا معارضِ اباحت میں صریح ہیں، اور علمائے دین نے اُسے آیات و حدیث سے ثابت کر دیا ہے، ایسے مادہ میں اختلافِ محققین کا متصور نہیں ہو سکتا۔

قال الله عز وجل: ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾^(۱)۔

ملا علی قاری ”مرقات شرح مشکاة“ میں فرماتے ہیں: ”((الحلال بین))^(۲)، أي: واضح لا يخفى حله بأن ورد نص على حله أو مهد أصل يمكن استخراج الجزئيات منه، كقوله تعالى: ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾^(۳)؛ فإن ”اللام“ للنفع، فعلم أن الأصل في الأشياء الحل، إلا أن يكون فيه مضرة“^(۴)۔

”حموی شرح أشباه“ میں مذکور: ”ودلیل هذا القول قوله تعالى: ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾^(۵)، أخبر بأنه خلقه لنا على وجه العنة وأبلغ (۱) جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ (پ ۱، البقرة: ۲۹)۔

(۲) ”صحیح البیہاری“، کتاب الإیمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ر: ۵۲، ص: ۱۲، و”صحیح مسلم“، کتاب المساقاة والمزارعة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ر: ۴۰۹۴، ص: ۶۹۸۔

(۳) جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ (پ ۱، البقرة: ۲۹)۔
(۴) ”المرقاۃ“، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، تحت ر: ۶۰۲۷۶۲، ۱۱/۶، ملقطاً۔

(۵) جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ (پ ۱، البقرة: ۲۹)۔

وجوه المنّة علينا إطلاق الانتفاع فثبت الإباحة^(۱)، وقال جلّ مجده:
﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا﴾^(۲)۔

”مدارک التنزیل“ میں ہے: ”وفیه تنبیہ علی أنّ التحریم أنما یثبت
بوحی اللہ وشرعہ لا بهوی الأنفس“^(۳)۔

”مشکاۃ“ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ((کان أهل
الجاهلیة يأکلون أشياء ویترکون أشياء تقدراً فبعث اللہ نبیّه، وأنزل کتابه،
وأحلّ حلاله، وحرم حرامه، فما أحلّ فهو حلال، وما حرم فهو حرام، وما
سکت عنه فهو عفو))^(۴)۔

فی ”أشعة للمعات“: ”ازیں جا معلوم می شود کہ اصل در اشیاء لیاحت
است“^(۵)۔

(۱) ”غمر عیون البصائر شرح الأشیاء والنظائر“، الفن الأول، القاعدة الثالثة: قاعدة
هل الأصل في الأشياء الإباحة... إلخ، ۲۲۴/۱۔

(۲) تم فرماد: میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کوئی حرام۔ (پ ۸، الأنعام: ۱۴۵)۔

(۳) ”مدارک التنزیل“، الأنعام، تحت الآية: ۱۴۵، ۳۹۵/۱۔

(۴) ”المشکاۃ“، کتاب الصيد والذباح، باب ما یحلّ أکله وما یحرم، الفصل
الثالث، ر: ۴۱۴۶، ۴۳۹/۲۔

(۵) ”مجموعہ للمعات“، کتاب الصيد والذبايح، باب ما یحلّ أکله وما یحرم، الفصل الثالث،
۵۰۹/۳۔

ترمذی^(۱) وابن ماجہ رحمہما اللہ سلمان فارسی سے روایت کرتے ہیں:
 ((الحلال ما أحلَّ الله والحرام ما حرَّم الله في كتابه، وما سكت عنه فهو
 ممّا عفا عنه))^(۲).

”مرقات“ میں ہے: ”فيه أن الأصل في الأشياء الإباحة“^(۳).
 شیخ ”ترجمہ مشکاة“ میں فرماتے ہیں: ”وایں دلیل ست برآں کہ اصل در
 اشیاءِ اباحت است“^(۴).

اور ”مشکاۃ“ میں ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً وارد: ((أن الله فرض
 فرائض فلا تضيّعوها، وحرّم حرّمات فلا تنتهكوها، وحدّد حدوداً فلا
 تعتدوها، وسكت عن أشياء من غير نسيان فلا تبحثوا عنها))^(۵).

في ”المرقات“: دلّ على أن الأصل في الأشياء الإباحة“^(۶).

(۱) ”جامع الترمذی“، أبواب اللباس، باب ما جاء في لبس القراء، ر: ۱۷۲۶،
 ص ۴۱۲.

(۲) ”سنن ابن ماجہ“، کتاب الأطعمة، باب أكل الحبن والسمن، ر: ۳۳۶۷،
 ص ۵۷۴.

(۳) ”المرقاۃ“، کتاب الأطعمة، الفصل الثانی، تحت ر: ۴۲۲۸، ۵۷/۸.

(۴) ”اوضح المعانی“، کتاب الأطعمة، الفصل الثانی، ۵۴۰/۳.

(۵) ”المشکاۃ“، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثالث، ر:
 ۱۰۲/۱، ۱۹۷.

(۶) ”المرقاۃ“، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثالث،
 تحت ر: ۱۹۷، ۴۴۴/۱.

کقولہ تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾^(۱)... الآية۔
 ”صحیح مسلم شریف“ میں ہے: ”قال رسول اللہ ﷺ: ((إِنَّ أَعْظَمَ
 الْمُسْلِمِينَ فِي الْمُسْلِمِينَ جَرَمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يَحْرَمْ عَلَى الْمُسْلِمِينَ
 فَحَرَّمَ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ))“^(۲)۔

اور اسی میں مرفوعاً مروی ہے: ((ما نهيتكم عنه فاجتنبوه، وما أمرتكم
 به فافعلوا منه ما استطعتم؛ فإنما أهلك الذين من قبلكم كثرة مسائلهم
 واختلافهم على أنبيائهم))“^(۳)۔

اور کریمہ: ﴿أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَى مِنْ قَبْلُ﴾^(۴)
 کو اس بحث و تفتیش کے ساتھ بھی تفسیر کر سکتے ہیں ”کہ کثرتِ سوال بنی اسرائیل کے
 حق میں شدت و وبالِ عظیم کا باعث ہوا، اگر ایسا نہ کرتے تو جیسی گائے ذبح کر دیتے
 کفایت کرتا“۔

اور آیت سراسر بشارت: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾^(۵) سے بھی
 اس قاعدہ کی تائید ممکن؛ کہ اکمالِ شریعت بوقتِ نزولِ آیت اس طریق سے متصور کہ

(۱) وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے۔ (پ ۱، البقرة: ۲۹)۔

(۲) ”صحیح مسلم“، کتاب الفضائل، باب توفیرہ ﷺ، وترك إكثار سؤاله عما لا
 ضرورة إليه... إلخ، ر: ۶۱۱۶، ص ۱۰۳۶۔

(۳) ”صحیح مسلم“، کتاب الفضائل، باب توفیرہ ﷺ، وترك إكثار سؤاله عما لا
 ضرورة إليه... إلخ، ر: ۶۱۱۳، ص ۱۰۳۶۔

(۴) کہ اپنے رسول سے ویسا سوال کرو جو موسیٰ سے پہلے ہوا تھا۔ (پ ۱، البقرة: ۱۰۸)۔

(۵) آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔ (پ ۶، المائدة: ۳)۔

بعض احکام وحی میں مصرّح اور بعض کے مآخذ موجود، جن سے مجتہدین بطریق قیاس شرعی استخراج و استنباط جزئیات کر سکیں، اور بعض بطور عموم و کلیت، اور بعض قواعد و اصول اس سے ثابت، جن سے افراد و جزئیات کے احکام بلا وقت معلوم ہو جائیں، ورنہ کل احکام شرعیہ وحی منزل میں قطعاً مصرّح نہیں، اور جس حالت میں اصل ہونا اباحت کا صراحتہ و اشارۃ قرآنی مجید سے ہر طرح ثابت ہوا، تو حرمت و کراہت اشیاء پر بدون دلیل مستقل شرعی حکم کرنا، یا اسی مادہ میں توقف و حرمت کو اصل شرعی کہنا (جس طرح وہابیہ کی عادت ہے) شارع تھدّس و تعالیٰ پر انجرا ہے، کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكُذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ﴾^(۱)۔

علامہ شامی ”رد المحتار“ میں علامہ نابلسی^(۲) سے نقل کرتے ہیں: ”ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ بإثبات الحرمة أو الکراهة الذین لا بدّ لهما من دلیل، بل فی الإباحة التي هي الأصل“^(۳)۔

اور نیز اسی میں لکھتے ہیں: ”به يظهر أنّ كون ترك المستحبّ خلاف الأولى لا يلزم منه أن يكون مكروهاً، إلّا بنهي خاص؛ لأنّ الکراهة حکم شرعی، فلا بدّ له من دلیل“^(۴)... إلخ۔

(۱) اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں، یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ پانے دو۔ (پ ۱۴، النحل: ۱۱۶)۔

(۲) ”الصلح بین الأخوان فی إباحة شرب الدخان“....

(۳) ”رد المحتار“، کتاب الأشربة، ۲۹۶/۵ ملتقطاً۔

(۴) ”رد المحتار“، کتاب الصلّاة، باب ما یفسد الصلّاة وما یکره فیها، مطلب =

اور نیز قول صاحب ”در مختار“: ”وكره (الترتيع) تنزيهاً؛ لترك الجلسة المستنونة“^(۱) کی بحث میں کہتے ہیں: ”علة لكونها مكروهاً تنزيهاً؛ إذ ليس فيه نهى ليكون مكروهاً تحريماً“^(۲)، ”بحر“^(۳)... إلخ.

ملا علی قاری رسالہ ”اقتداء بالمخالف“ میں فرماتے ہیں: ”ومن المعلوم أن الأصل في كل مسألة هو الصحة، وأما القول بالفساد والكراهة فيحتاج إلى حجة من الكتاب أو السنة أو إجماع الأمة“^(۴)... إلخ.

”فتح القدير“ میں محفل قبل از مغرب کو غیر مستنون فرما کر لکھتے ہیں: ”تم الثابت بعد هذا نفى المندوبية، أما ثبوت الكراهة فلا، إلا أن يدل دليل آخر“^(۵)... إلخ.

”مواهب لدنيہ“ میں ہے: ”فإن المكروه ما ثبت فيه نهى، وهذا لم يثبت فيه، ولعلمهم أرادوا بالكراهة خلاف الأولى“^(۶).

== في بيان السنة والمستحب والمندوب... إلخ، ۱۸۶/۴، ۱۸۷ ملتقطاً.

(۱) ”الدر“، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ۱۵۶/۴.

(۲) ”رد المحتار“، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة أولى، ۱۵۶/۴ ملتقطاً بتصرف.

(۳) ”البحر الرائق“، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ۴۱/۲ بتصرف.

(۴) ”الاقتداء بالمخالف“....

(۵) ”فتح القدير“، كتاب الصلاة، باب التوافل، ۳۸۹/۱ ملتقطاً.

(۶) ”المواهب اللدنية“....

امام نووی ”شرح مسلم“ میں متفق قبل از عید کے باب میں لکھتے ہیں: ”لا حجة في الحديث لمن كرهها؛ لأنه لا يلزم من ترك الصلاة كراهتها، والأصل أن لا منع حتى يثبت“ (۱)۔

أقول: والحنفية أيضاً صرحوا بذلك الأصل، وفرعوا عليه كما مرّ نبذ من المسائل، وقد صرح في ”منح الغفار“ أيضاً: ”أنه بمثل هذا لا يثبت الكراهة؛ إذ لا بدّ لها من الدليل الخاص“ (۲)۔

علامہ سید شریف قدس سرہ فرماتے ہیں: ”الحلال بالنص، والحرام بالنص، والمسكوت عنه باق على أصل الإباحة“ (۳)۔

”ہدایہ“ کی فصل حداد میں ہے: ”أن الإباحة أصل“ (۴)۔

وفي ”شرح الوقاية“: ”لما حكموا بحرمة المسفوح بقى غير المسفوح على أصله، وهي الحل، ويلزم منه الطهارة“ (۵)، وقال المحب الطبري في مسألة جواز تقبيل ما فيه تعظيم الله تعالى؛ فإنه إن لم يرد فيه

(۱) ”شرح صحيح مسلم“، كتاب صلاة العيدين، ترك الصلاة قبل العيد وبعدها في المصنّى، الجزء السادس، ص ۱۸۱۔

(۲) ”منح الغفار“....

(۳) لم نعر عليه۔

(۴) ”الهداية“ كتاب الطلاق، باب العدة، فصل، الجزء الثاني، ص ۳۲۰ بتصرف۔

(۵) ”شرح الوقاية“، كتاب الطهارة، بيان نحاسة الدم المفسوح بخلاف غير المسفوح، ۷۵/۱ بتصرف۔

عبر بالندب لم يرد بالكرهه أيضاً^(۱)۔

اور پُر ظاہر کہ حرمت و کراہت احکام شرعیہ سے ہیں، اور حکم شرعی کے لئے دلیل شرع سے چاہئے، اور اباحت بھی اگرچہ حکم شرعی ہے، مگر اس کی اصالت منصوص اور محقق علیہ ہے، اور تصریح علمائے اصول عدم حکم شرعی حکم شرعی واسطے تخریر و اباحت کے کافی ہے کما مرّ، تو قائلین جواز سے خواہ مخواہ دلیل مستقل جداگانہ کا مطالبہ کرنا، اور خود ہزاروں جزئیات کی نسبت بلا دلیل مستقل حکم کراہت و حرمت کا دینا نری سینہ زوری ہے۔

وفي "الحموي" تحت قوله: "والنبات المجهول"^(۲)... إلخ: "يعلم منه حلّ شرب الدخان"^(۳)۔

اسی طرح فقہائے کرام صد ہا جگہ اس اصل کی تصریح اور اس پر مسائل کی تفریع کرتے ہیں، باوجود اس کے اگر کسی نے مذاہب اور ان کی مصطلحات میں تفرقہ نہ کر کے دھوکا کھایا تو آیات صریحہ و احادیث صحیحہ اور اقوال علمائے اصول سے (جن کی تحقیق اس مسئلہ میں معتبر و مقبول ہے) یک قلم آنکھ بند کرنا، اور جو قول مرجوح کتاب و سنت اور تحقیق علمائے ملت سے مدفوع ہے سند میں لانا، اور اسے معنی اور ماخذ اپنے خیالات فاسدہ کا ٹھہرانا کس درجہ حیا و دیانت کے خلاف ہے! اور فقہائے کرام صد ہا

(۱) لم نعثر عليه۔

(۲) "الأشياء"، الفن الأول، القاعدة الثالثة: قاعدة هل الأصل في الأشياء الإباحة... إلخ، ص ۷۴۔

(۳) "الغمز"، الفن الأول، القاعدة الثالثة: قاعدة: هل الأصل في الأشياء الإباحة... إلخ، ۱/۲۲۵۔

مسائل میں (باوجود اس کے کہ قرونِ ثلاثہ میں نہ پائے گئے نہ شرع میں ان کا ذکر آیا) جواز و استحسان کا حکم دیتے ہیں۔

بمقابلہ اُن کے ایک رولہٴ ”عالمگیری“^(۱) و ”نصاب الاقتساب“ سے:
 ”قراءة الکافرون“ مع الجمع مکروہ؛ لأنها بدعة لم تنقل من الصحابة والتابعين“^(۲)، ذکر کرنا اور یہ بھی نہ دیکھنا کہ ”عالمگیری“ میں بیسیوں امور کو جو قرنِ صحابہ و تابعین میں نہ تھے جائز و مستحسن فرمایا ہے، اور صاحب ”نصاب الاقتساب“ کا ایک مسئلے میں ایسا کہہ دینا باوجود مخالفتِ متون و شروح تفریعِ جزئیات کے لئے اصل نہیں ہو سکتا، جیسا بعض اکابرِ مخالفین سے واقع ہوا، سراسر خلافِ انصاف ہے، اور اس روایت کے رد بلکہ اَصَالَتِ حرمت و کراہت کے استیصال میں تحقیقِ بدعت کہ ہم نے قاعدہ اولیٰ میں لکھی کفایت کرتی ہے۔

خاص قرأت ”سورۃ کافرون“ کی نسبت امام ابنِ امیر الحاج نے ”تیممہ شرح منیۃ المصلیٰ“ میں لا باس بہ^(۳) ہونے کی تصریح کی ہے، اسی طرح حوالہ ”در مختار“^(۴) و ”آشباہ“^(۵) وغیرہ کی نسبت اختلاف کہ اصلِ اِباحۃ ہے یا حرمت

(۱) ”الہندیۃ“، کتاب الکراہیۃ، الباب الرابع فی الصَّلَاةِ وَالتَّسْبِيحِ، وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ... إلخ، ۳۱۷/۵ ملقطاً بتصرف۔

(۲) ”نصاب الاحتساب“ الباب السادس والأربعون فی الاحتساب فی فعل البدع من الطاعات وترك السنن، ص ۳۰۵ بتصرف۔

(۳) ”الحلبۃ“....

(۴) انظر: ص ۱۰۸۔

(۵) انظر: ص ۱۰۴۔

یا توقف، حقیقت مسئلہ سے ناواقف، یا عوام کو دانستہ مغالطہ دہی ہے۔

باقی رہی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ: ((الأمر ثلاثة أمر بين رشده فاتبعه، وأمر بين غيّه فاجتنبه، وأمر اختلف فيه فكله إلى الله عزّ وجلّ))^(۱)، سو ”مرقات“ میں لکھا ہے: ”والأولى أن يفسر هذا الحديث بما ورد في آخر الفصل الثالث من حديث أبي ثعلبة رضي الله عنه“^(۲)۔

یعنی جس امر کا رشد و غی ہو نا معلوم نہ ہو اُسے خدا کی مرضی پر چھوڑو، اور اس میں بحث نہ کرو؛ کہ اس نے بظہرِ رحمت و آسانی اُس کے حال سے تعرض نہ فرمایا، اور اِباحِثِ اصلیہ پر چھوڑ دیا۔

اور نیز ((أمر اختلف فيه)) حدیث میں بمعنی اشتبہ فیہ ہے؛ کہ اختلافِ برہان کی جہت سے حقیقتِ حکم مشتبہ ہو جائے، اور بوجہ تعارض اور اِنعدام وجہ تطبیق و ترجیح کے توقف لازم آئے، سو یہ صورت ما نحن فیہ سے علاقہ نہیں رکھتی، کلام اس صورت میں ہے کہ کوئی دلیل شرع حرمت خواہ کراہت پر نہ پائی گئی۔

اور حدیث ”مسلم“ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے: ((أَنَّ الْحَلَالَ بَيْنَ، وَأَنَّ الْحَرَامَ بَيْنَ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ))^(۳)...

(۱) ”المشكاة“، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، ر: ۹۹/۱، ۱۸۳۔

(۲) ”المعرفة“، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، تحت ر: ۴۲۹/۱، ۱۸۳۔

(۳) ”صحيح مسلم“ کتاب المساقاة والمزارعة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ر: ۴۰۹۴، ص ۶۹۸۔

الخ، کی بحث میں امام نووی فرماتے ہیں: ”أما المشتبهات فمعناها: إنها ليست بواضحة الحلّ ولا الحرمة، فلهذا لا يعرفها كثير من الناس، ولا يعلمون حكمها، وأما العلماء فيعرفون حكمها بنصّ أو قياس أو استصحاب وغير ذلك، فإذا تردّد الشيء بين الحلّ والحرمة ولم يكن فيه نصّ ولا إجماع اجتهد المجتهد، فألحقه بأحدهما بالدليل الشرعي، فإذا ألحقه به صار حلالاً، وقد يكون دليله غير محال عن الاحتمال اليقيني، فيكون الورع تركه، ويكون داخلاً تحت قوله ﷺ: ((فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه))^(۱) وما لم يظهر للمجتهد فيه شيء فهو مشتبه“^(۲)... الخ.

حاصل یہ کہ جو امور اکثر خلق کے نزدیک مشتبہ ہوتے ہیں، مجتہد حکم اُن کا دلیلی شرع سے ظاہر کر دیتا ہے، ھقیقۃً مشتبہ وہ ہے جس کا حکم اجتہاد سے بھی مدّ رک نہ ہو، اور قاعدہ دہم میں ان شاء اللہ تعالیٰ باحسن طریق ثابت ہوگا کہ استنباط عموم نصوص دین و قواعد شرعیہ و اصول مجتہد و مطابقت مقاصد شرع و غیر ہا امور سے مخصوص یہ مجتہدین نہیں، حکم علمائے دین کا بھی (خصوصاً اُن وقائع و حوادث میں کہ ائمہ اربعہ کے زمانہ میں ظاہر نہ ہوئے) معتبر اور مقبول اور حکم اجتہاد مجتہدین میں ہے، سو ایسا امر کہ ان میں سے کسی طریق سے ثابت نہیں (گو حرام و مکروہ نہ ہو) اُس کا ترک ہی اولیٰ ہے۔ اِس قدر سے اَصَالَتِ اِبَاحَت میں کچھ حرج نہیں ہوتا، نہ توقف اَصَالَت کا

(۱) ”صحیح مسلم“ کتاب المساقاة والمزارعة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ر: ۴۰۹۴، ص ۶۹۸، بتصرف.

(۲) ”شرح صحیح مسلم“، کتاب المساقاة والمزارعة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، الجزء الحادي عشر، ص ۲۷، ۲۸، ملقطاً بتصرف.

اثبات، بلکہ یہ ترکِ ہیئتہ از قبیل ورع و احتیاط ہے۔

یہاں تک کہ ”اشباہ“ میں لکھ دیا: ”لیس زماننا هذا زمان احتتاب الشبهات“^(۱)۔ اور جملہ: ”ما لم یظهر للمحتشد فیہ شیء فهو مشتبہ“^(۲) کا ظاہر امر یہ مفاد ہے کہ ”مجتہد اُس میں تاثر کرے اور حکم سے واقف نہ ہو سکے، اور یہ سب تعارضِ اولہ اور انعدامِ تطبیق و ترجیح کے، یا اس وجہ سے کہ حلال و حرام دونوں کی طرف جہت برابر رکھتا ہو توقف لازم آئے، جس طرح امام اعظم اور دیگر مجتہدین سے ثابت ہوا۔

اور ملا علی قاری نے ”شرح مشکاۃ“ میں فرمایا: ”((وینہما مشتبہات))“، اُی: أمور ملتبسة لكونها ذات جهة إلى كل من الحلال والحرام“^(۳)۔ اور ایسے امور ہماری بحث سے خارج ہیں۔

علاوہ ازیں علما نے وقتِ تعارضِ اولہ اور امر و نہی میں نظرِ با صالتِ اباحتِ حکم جو اذیا ہے، مع ہذا و رودانِ احادیث کا اُس وقت ہوا کہ بعض احکامِ الہیہ نازل ہونے کو باقی تھے، اور حسن و قبحِ ان امور کا جن کی نسبت حکم نہیں آیا، ہنوز ظاہر نہیں ہوا تھا، تو مقتضائے احتیاط ایسے مواد میں ترک تھا، گو انعدامِ نہی کی وجہ سے فاعل مواخذہ و ملامت کا مستحق نہ ہوتا، جیسا کہ صحابہ کرام نے اُن بکریوں کے کھانے سے

(۱) ”الاشباہ“ الفن الثانی، کتاب الحظر والإباحة، ص ۳۴۴ بتصرف۔

(۲) ”شرح صحیح مسلم“، کتاب المساقاة والمزارعة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، الجزء الحادی عشر، ص ۲۸۔

(۳) ”المرقاة“، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الأول، تحت ر: ۱۲/۶، ۲۷۶۲، ملتقطاً۔

جو ایک رئیسِ ملدوغ پر رقیہ کے عوض میں حاصل کی تھیں، اور بعض صحابہ نے احرام میں اُس شکار کا گوشت کھانے سے جسے حلال نے بے ان کے اشارہ و دلالت کے صید کیا تھا بغیر حضور سے استفسار کئے اجتراز کیا، بعد تکمیلِ دین ہر حکم شرعی کا حال ظاہر ہوا، اور جس امر سے شرع ساکت رہی شارع نے بوجہ کمالِ رحمت و عنایت اُنہیں اباحتِ اصلیہ پر چھوڑ دیا، اور اُس کی اصالت بیان فرمائی کہ جو احکام اُس سے مستنطق ہوں وحی کی طرف منسوب ہو جائیں، اور اس طریقہ سے دین تمام اور کامل ہو جائے۔

بالجملہ احادیث مذکورہ وقف کے اصل ہونے پر اصلاً دلالت نہیں کرتیں، نہ کوئی دلیل قرآن و حدیث سے اصالتِ اباحت کے منافی پائی جاتی ہے، نہ کسی دلیل شرع اور اقوالِ ائمہؒ سے اصالتِ حرمت کا کچھ پتہ چلتا ہے، سب مخالفین کی زبان درازی ہے، اور ایک اور لطیفہ قابلِ بیان ہے کہ مخالفین تعریضِ بدعت میں امرِ دین کی قید اپنی طرف سے پلاؤ زردہ کھانے اور طرح طرح کے لباس پر تکلف پہننے کے واسطے زیادہ کرتے ہیں، در صورتِ اصالتِ حرمت بلکہ وقفِ عیش اُن کا تنگ ہو جائے گا؛ کہ بہت امور دنیوی اگر مفہومِ بدعت سے بوجہ اس قید کے خارج بھی ہو جائیں گے، بوجہ اصالتِ حرمت خواہ بجہتِ اصالتِ وقف اُن کے طور پر قابلِ اجتراز قرار پائیں گے، اور جو امور دنیا میں عدمِ مخالفتِ شرع جواز کے لئے کافی ہوں گے، تو امورِ دین میں بھی کفایت کریں گے، اس صورت میں اباحتِ اصلیہ ثابت ہو جائے گی، اور یہی معنی بدعت کے قرار پائیں گے۔ تو اصل ہونا اباحت کا اُن کے طور پر بھی لازم، اور یہ ایک اصلِ عظیم ہے جس سے تمام امور متنازع فیہا کا جواز بلا دقت ثابت، اور یہ مغالطہ اس فرقہ کا کہ ”یہ فعل کہاں سے ثابت ہوا؟ قرآن و حدیث میں دکھا دو!“ بخوبی دفع ہوتا ہے، اگر عوام صرف اس قاعدہ کو اچھی طرح سمجھ لیں تو اُن کے دامِ فریب میں

نہ پھنسیں، اور کہیں: ”حرمت و کراہت ثابت کرنا تمہارے ذمہ ہے، جب تک تم دلائل شرعیہ سے ثابت نہ کر دو، بقاعدہ مناظرہ ہمارے لئے اباحت اصلیہ کفایت کرتی ہے۔“

اسی طرح یہ حیط بے ربط بعض عوام و جہال و ہابیہ کا کہ ”قاعدہ اباحت اُس جگہ جاری ہوتا ہے جہاں شرع ساکت ہے، اور بدعت کی مذمت تو احادیث میں وارد“، بعد ملاحظہ تحقیق بدعت کے (کہ اس مختصر کے قاعدہ اوٹی میں مذکور) بخوبی مدفوع۔ اُس سے ظاہر کہ مجز و اطلاق بدعت شریعت امر کو مستلزم نہیں، اور جس بدعت و امر محدث کی برائی شرع سے ثابت، اسے کوئی جائز و مستحسن نہیں کہتا۔ ہاں جس کی خیریت و شریعت شرع سے اصلاً ثابت نہیں وہ مباح ہے، اُسے مکروہ و ضلالت سمجھنا بے جا ہے۔

”فتح الباری“ میں تصریح ہے: ”البدعة إن كانت مما يندرج تحت مستحسن في الشرع فهي حسنة، وإن كانت تندرج تحت مستقبح في الشرع فهي مستقبحة، وإلا فمن قسم المباح“ (۱)۔

قاعدہ ۴

استدلال عموم و اطلاق سے اہل اسلام میں از عہد صحابہ کرام بلا تکبر جاری ہے، اور عقل سلیم (کہ شوائب اوہام باطلہ سے پاک ہے) اُس کی صحت پر حکم کرتی ہے۔

(۱) ”فتح الباری“، کتاب صلاة التراويح، باب فضل من قام رمضان، تحت ر:

”مسلم الثبوت“ میں ہے: ”وأيضاً شاع وذاع احتجاجهم سلفاً وخلفاً بالعمومات من غير نكير“^(۱).

پھر لکھتے ہیں: ”وذلك كاحتجاج“^(۲) عمر -رضي الله عنه- على أبي بكر في قتال مانعي الزكاة بقوله: ((أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله))^(۳)، فقرره واحتج بقوله عليه السلام: ((لَا بِحَقِّهَا))^(۴)، وأبي بكر -رضي الله عنه- بقوله عليه السلام: ((الأئمة من قريش))^(۵)، ويقول عليه السلام: ((أنا معشر الأنبياء لا نورث وما تركناه صدقة))^(۶). بحر العلوم فرماتے ہیں: ”يعني أنَّ القدماء الصحابة ومتابعيهم والمتأخرين ومن بعدهم يحتجّون في الأحكام الشرعية بالعمومات، أي: بالألفاظ الدالة عليها“^(۷)... إلخ.

(۱) ”مسلم الثبوت“، المقالة الثالثة في المبادئ اللغوية، الفصل الخامس، مسألة: للعموم صيغ الدالة، ص ۱۵۴ ملقطاً بتصرف.

(۲) ”مسلم الثبوت“، المقالة الثالثة في المبادئ اللغوية، الفصل الخامس، مسألة: للعموم صيغ الدالة، ص ۱۵۴، ۱۵۵ ملقطاً بتصرف.

(۳) ”المستدرک“، کتاب التفسیر، تفسیر سورة الفاشية، ر: ۳۹۲۶، ۴/۱۴۶۹.

(۴) ”المستدرک“، کتاب التفسیر، تفسیر سورة الفاشية، ر: ۳۹۲۶، ۴/۱۴۶۹.

(۵) ”المسند“، مسند أنس بن مالك بن النضر، ر: ۱۲۳۰۹، ۴/۲۵۹.

(۶) ”المعجم الأوسط“، باب العين، من اسمه عبدان، ر: ۴۵۷۸، ۳/۲۷۶ بتصرف.

(۷) ”قواتح الرحموت“...

حُجّی کہ حنفیہ حمل مطلق کو مقید پر اتحاد حکم و حادثہ کے سوا کسی جگہ جائز نہیں سمجھتے؛ کہ عمل بالمقید سے مطلق پر عمل حاصل نہیں ہوتا، تو بلا وجہ ایک دلیل شرعی کا اہمال لازم آتا ہے۔ اور شافعیہ (کہ مطلقاً محمول مانتے ہیں) عمل بالمقید کو مستلزم عمل بالمطلق جانتے ہیں۔

خلاصہ مرام یہ کہ عموم و اطلاق کے دلیل شرع ہونے پر سلف و خلف متفق رہے ہیں، اور ائمہ مجتہدین اور علمائے راہبین نے صد ہا مسائل جزئیہ اور مطالب علیہ اُسی سے استخراج کئے ہیں، اور بائیانِ ملت نجد یہ نے تو اس درجہ افراط کی کہ بمقابلہ اُس کے احکام خاصہ مصرّ حدی فی الشرع ”کمان لم یکن“ سمجھ لئے، اور جن امور کو بزمِ فساد اپنے کسی آیت وحدیث کے عموم و اطلاق میں داخل سمجھا، باوجود معارضہ مساوی بلکہ رائج، احکام عام و مطلق اُن پر جاری کئے۔ مدارِ تقریر ”کتاب التوحید“ و ”تقویۃ الایمان“ اسی افراط پر ہے، اُن کے اتباع و معتقدین پر دوسری بلا نازل ہوئی، کہ اکثر عموماً و اطلاقات احادیث و آیات اپنے خیالاتِ فاسدہ اور اوہامِ باطلہ کے مخالف پا کر کبھی عموم و اطلاق کے معنی اور مراد میں تصرّف، اور کبھی اپنے ساختہ اصول اور مخترعات سے مرجوح، اور بمقابلہ اُن کے بے کار و مضحک قرار دیے۔ آج کل اس تفریط کا زور شور ہے، ولہذا ہمیں بھی چند مباحث میں اُسی سے تعرض منظور ہے۔

مبحثِ اوّل: مطلق باصطلاحِ اصول برخلاف اصطلاحِ منطق ماہیت ممکنہ ”فی ائی فرد من الافراد“، یا ”فرد شائع علی الإطلاق“ کو کہتے ہیں۔ ولہذا حنفیہ مطلق کو مقید پر حمل نہیں کرتے، اور جس جگہ مطلق و مقید دونوں ایک امر میں وارد ہوتے ہیں، جس طرح در باب کفارۃ یحییٰ قرأت عامہ: ﴿صِبَاۡمٌ فَلَاۡئِیۡۃٌ اَیَّامٌ﴾ (۱) مطلق، اور قرأت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مقید بہ تابع، یا اُس حکم کی خصوصیت

ایک فرد کے ساتھ دوسری دلیل سے ثابت ہو جاتی ہے۔

جیسے حدیث: ((فِي كُلِّ حِمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ شَاةٌ))^(۱) کے اطلاق کو احادیث (کہ غیر سائہ سے نفی زکاۃ کرتے ہیں) مانع و مزاحم ہیں، ایسے مواقع پر عموم و اطلاق کا حکم تخصیص خواہ نسخ کے ساتھ زائل مانتے ہیں، اور بجواب استدلال شافعیہ (کہ حمل مطلق علی المقید سے جمع و تطبیق بین الادلہ حاصل ہوتی ہے، بخلاف تمہاری قرارداد کے؛ کہ بلاوجہ حکم مقید سے مخالفت لازم آتی ہے) تصریح کرتے ہیں کہ یہ محض مغالطہ ہے، صرف ایک فرد میں تحقق حکم کا حکم مطلق کے تحقق میں کفایت نہیں کرتا، بلکہ عمل مطلق پر جب حاصل ہو کہ حکم اس کا جمیع مصادیق و مقیدات میں جاری رہے۔

”مسلم الثبوت“ میں ہے: ”قَالُوا أَوَّلًا فِي الْمَنْهَاجِ فِي الْحَمْلِ عَمَلٌ

بِالدَّلِيلَيْنِ۔

جواب دیا: ”قلنا: ممنوع؛ فَإِنَّ الْعَمَلَ بِالْمَطْلُوقِ يَقْتَضِي الْإِطْلَاقَ“^(۲)...

إِلَخ.

منہیہ میں لکھا: ”آی: يَقْتَضِي الْأَحْزَاءُ بِأَيِّ فَرْدٍ كَانَ، بِخِلَافِ الْمُقَيَّدِ، وَتَحَقُّقُ الْمَطْلُوقِ فِيهِ لَيْسَ مُقْتَضِيًّا لِلْإِنْحِصَارِ فِيهِ، أَلَا تَرَى فِي النِّسْخِ أَيْضًا تَحَقُّقَ الْمَطْلُوقِ فِي الْمُقَيَّدِ مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ بِعَمَلٍ بِالْمَطْلُوقِ اتِّفَاقًا“^(۳)۔

(۱) ”کنز العمال“، کتاب الزکاۃ، الباب الأوّل، الفصل الثالث فی الأحکام، ر:

۱۳۵/۶، ۱۵۸۲۶۔

(۲) ”مسلم الثبوت“، المقالة الثالثة فی المبادی، اللغویة، مسألة: إذا ورد المطلق والمقید... إلخ، ص ۲۴۴ ملقطاً بتصرف۔

(۳) منہیہ ”مسلم الثبوت“.....

”تحریر“ اور اُس کی شرح میں ہے: ”وقولهم: إنه جمع بين الدليلين؛ لأن العمل بالمقيّد عمل به، قلنا: بالمطلق الكائن في ضمن المقيّد من حيث هو كذلك، أي: في ضمن المقيّد وهو المقيّد فقط، وليس العمل بالمطلق ذلك، أي: العمل به في ضمن المقيّد فقط، بل العمل به أن يحري في كلّ ما صدق عليه المطلق من المقيّدات، ومنشاء المغلطة أن المطلق باصطلاح، وهو اصطلاح المنطقيين الماهية لا بشرط شيء، فظنّ أن المراد به هذا هاهنا لكن هاهنا ليس كذلك، بل المراد به الفرد الشائع على الإطلاق أو الماهية حتّى كان متمكناً من أيّ فرد شاء^(۱)... إلخ.

یہاں سے ظاہر ہوا کہ مطلق اصطلاح ارباب اصول میں بمعنی فرد شائع علی الاطلاق، یا ماہیت مقررہ فی ضمن اُئی فرد ہے، اور حکم اُس کا جمیع افراد ماتحت پر جاری، اور ایک فرد خاص میں تحقق غیر کافی، اور اصطلاح اصول اصطلاح منطلق سے مغائر ہے، تو اُسے موضوع قضیہ مہملہ قدمائیہ قرار دے کر ایک فرد میں تحقق حکم کو کافی کہنا (جیسا بعض وہابیہ سے واقع ہوا) محض مغالطہ؛ کہ خلف اصطلاحین سے ناشی ہوا ہے، لیکن جس حالت میں علمائے اصول نے اُس پر تنبیہ کر دی تو اُسے مباحثہ اہل علم میں پیش کرنا، اور مرغ کی ایک ٹانگ کہے جانا سراسرہٹ دھری نہیں تو کیا ہے؟ سچ ہے: ”خن پروری اور نفسانیت بصیرت کو اندھا کر دیتی ہے۔“ یہ مدعیان عقل و دانش اس قدر بھی نہ سمجھے کہ اس تقدیر پر وہ گھر جسے عبدالوہاب نجدی اور اُس کے فرزند

(۱) ”التقریر والتجہیر“، التقسیم الثانی، البحث الخامس، یرد علی العام التحصیص،

مسألة: إذا اختلف حکم مطلق ومقيّد، ۳۶۴/۱، ۳۶۵، ملقطاً بتصرف.

رشید نے اسی بنا پر قائم کیا، اور اسماعیل صاحب دہلوی نے اُس پر اُسٹرکاری اور رنگ آمیزی کی، بیخ و بنیاد سے منہدم ہوا جاتا ہے!، چند جزئیات کے واسطے اصول مذہب کو کالعدم کر دینا کام انہیں حضرات کا ہے۔ اسی طرح یہ حضرات معنی عموم میں تصرّف بے جا کرتے، اور احکام اُس کے مجموع افراد کے لئے ثابت ٹھہراتے ہیں، حالانکہ شرع میں عموم واستعراق سے تعلق حکم کا ”کُلّ واحد من الأفراد“ کے ساتھ متبادر ہوتا ہے۔

علامہ سعد الملتی والدین تفتازانی نے ”مطوّل“ میں لکھا ہے: ”الجمع المحلّی بہ“ لام الاستغراق يشمل الأفراد کلّھا مثل المفرد كما ذكره أئمة الأصول والنحو، ودلّ علیہ الاستغراق، وصرّح به أئمة التفاسیر^(۱) فی کُلّ ما وقع فی التنزیل من هذا القبیل نحو ﴿أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ﴾^(۲)، ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾^(۳)، ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾^(۴)، ﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ﴾^(۵) إلى غیر ذلك، ولذلك صحّ بلا خلاف: ”جاءني العلماء إلّا زیداً“ مع امتناع قولك: ”جاءني کُلّ جماعة

(۱) ”روح البیان“، البقرة، تحت الآية: ۳۱، ۱۱۷/۱، و”إرشاد العقل السليم“، الفاتحة، تحت الآية: ۱، ۳۷/۱.

(۲) جانتا ہوں آسمانوں کی پوشیدہ چیزیں۔ (پ ۱، البقرة: ۳۳).
 (۳) اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام (اشیاء کے) نام سکھائے۔ (پ ۱، البقرة: ۳۱).
 (۴) اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ (پ ۴، آل عمران: ۱۳۴).
 (۵) اور پتھر کچھ ظالموں سے دور نہیں۔ (پ ۱۲، ہود: ۸۳).

من العلماء إلّا زیداً“ على الاستثناء المتصل^(۱)... إلخ.

اور اسم جنس معرّف باللام کی نسبت لکھتے ہیں: ”وإمّا على كلّ الأفراد، وهو الاستغراق، ومثاله كلّ مضافاً إلى النكرة“^(۲)... إلخ. وفي ”المسلم“: ”وعموم الرجال باعتبار أنّ ”اللام“ تبطل معنى الجمعية كما هو الحق“^(۳).

مولانا نظام الدین شرح میں فرماتے ہیں: ”أنه يختلف في أنّ الجمع المعرّف بـ”لام“ الاستغراق هل هو باق على جمعيته، أو لا فكثيرون من أرباب العربية إلى الثاني، وهو الحق، فقوله: ”لا أتزوج النساء، ولا أتزوج امرأة“ بمعنى فحيث شموله شمول الكلّي للحزبيّات^(۴)... إلخ. وفي ”مسلم الثبوت“ أيضاً: ”قال: المحلّی منهما (من جمعی القلّة والكثرة) للعموم مطلقاً“^(۵).

قال مولانا -قدّس سرّه- في ”الشرح“: ”أي: يبطل عنهما الجمعية ويصير كالمفرد العام المحلّی بـ”اللام“ و”كلّ“^(۶)... إلخ.

(۱) ”المطول“، الباب الثاني، أحوال المسند إليه، ص ۱۸۰، ۱۸۱، ملقطاً بتصرّف.

(۲) ”المطول“، الباب الثاني، أحوال المسند إليه، ص ۱۷۷ بتصرّف.

(۳) ”مسلم الثبوت“، المقالة الثالثة في المبادي اللغوية، الفصل الخامس،

ص ۱۴۸.

(۴) ”فوائح الرحموت“....

(۵) ”مسلم الثبوت“، المقالة الثالثة في المبادي اللغوية، فائدة، ص ۱۶۲ ملقطاً.

(۶) ”فوائح الرحموت“....

ثم قال في "المسلم": "استفراق الجمع لكل كالمفرد وعند السكاكي ومن تبعه استفراق المفرد أشمل لنا ما تقدّم من الاستثناء والإجماع"^(١)... إلخ.

في "الشرح": "ولنا على المختار الإجماع من الأئمة الأدبية المنعقد منهم على أن المفرد والجمع في حالة الاستفراق سيان"^(٢)... إلخ.

وهكذا صرح مولانا عصام في "الأطول": "وقال: صرح بذلك أئمة الأصول، وصرح بتفسير كل جمع معرّف بـ"اللام" بكل فرد دون كل جماعة أئمة التفسير كلهم"^(٣)... إلخ.

وأهل المنطق أيضاً عدوا "لام" الاستفراق من أسوار "الكلمية المحصورة"، وهذا لا يستقيم إلا إذا كان بمعنى كل فرد فرد، وأيضاً لو كان بمعنى مجموع الأفراد لم يلزم الإنتاج من "الشكل الأول" كما لا يخفى.

توعموم واستفراق كونه معني مجموع أفراد قراردينا، اوراس بنا پر ((ما راہ المسلمون حسناً))^(٤) كونه معني ما راہ جميعهم، اور نجات و خيريت كو جميع اصحاب

(١) "مسلم الثبوت"، المقالة الثالثة، في المبادي اللغوية، فائدة، ص: ١٦٢، ١٦٣ بتصرف.

(٢) "فوائد الرحموت"....

(٣) "الأطول".....

(٤) "المعجم الأوسط"، باب الزاء من اسمه ذكرها، ر: ٣٦٠٢، ٣٨٤/٢.

کرام یا اکثر سے بر تقدیر عدمِ تکبر آخرین، اور قابلیتِ اقتدا و اتباع کو اسی میں منحصر ٹھہرانا (جیسا متکلم تنوچی سے ”غایۃ الکلام“^(۱) میں واقع ہوا)، اور افرادِ صحابہ کے بعض افعال و اعمال کو بدعت و ضلالت کہنا (جس طرح اُن کے ائمہ مذہب نے کیا) ایک شعبہٴ رفض و خروج کا ہے۔

بحث دوم: جب یہ امر ثابت ہو لیا کہ عمل بالمطلق شیوع و اطلاق کو بایں معنی مقتضی ہے کہ اُس کے جملہ مقتیدات معمول بہا ہونے کے صالح ہوتے ہیں، اور وہ بالنظر الی ذاتہ جملہ خصوصیات میں گو بعض میں عوارضِ خارجیہ کی وجہ سے جاری نہ کر سکیں اپنے حکم کا اقتضا کرتا ہے۔ تو خصوصیات مطلق میں اصل یہ ہے کہ احکام مطلق اُس میں جاری ہوں، اور اُس کا قائل متمسک باصل ہے؛ کہ اپنے دعویٰ کے اثبات میں محتاج دلیل نہیں، بلکہ مخالف اثباتِ تخلف میں محتاج دلیل ہے، اور ہر چند یہ حکم نہایت ظاہر، مگر تسکینِ خاطر مخالفین کے لئے کہا جاتا ہے کہ ”اُن کے ائمہ مذہب نے یہی تصریح کی ہے، اور صرف دلیلِ اطلاق کو کافی سمجھا ہے“۔

امام الطائفہ اسماعیل دہلوی نے ”رسالہ بدعت“ میں لکھا ہے ”و طریق ثانی اُس کہ بمطلق بالنظر الی ذاتہ حکمی از احکام شرعیہ متعلق گردد، پس مطلق بظہر ذات خود در جمیع خصوصیات ہماں حکم اقتضائی نماید، گو در بعض افراد بحسب عوارضِ خارجیہ حکم مطلق مختلف گردد، مثلاً گوشتِ خنزیر حرام است، اگرچہ در وقتِ محضہ مباح گردد، و مطلق تلاوتِ قرآن عبادت است، اگرچہ در صورتِ جنابت محرم میگردد (۲)۔“

(۱) ”غایۃ الکلام“ للتنوچی،

(۲) ”ایضاح الحق الصریح“، فصل ثانی: بدعت کا حکم، تیسرا مقدمہ، ص ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵

و در باب مناظرہ در تحقیق حکم صورت خاصہ کسے کہ دعویٰ جریان حکم مطلق در صورت خاصہ مکتوت عنہا می نماید ہاں است متمسک باصل کہ در اثبات دعویٰ خود حاجت بدلیلی ندارد و دلیل او ہاں حکم مطلق است و بس (۱)۔۔۔ الخ۔

اور یہی حال عام کا ہے کہ عصر صحابہ سے الٰہی یومنا هذا قرنًا فقرنا اُس سے استدلال جاری رہا ہے، اور جس نے حکم عام اُس کے کسی فرد کے لئے ثابت کیا کوئی اُس سے مطالبہ دلیل کا نہیں کرتا، بلکہ طریقہ بحث اثبات تخلف یا استدلال بالراجح میں منحصر ہے۔ تو جس صورت میں مطلق ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی اہل اسلام کے نزدیک بدیہی ہے، مانعین مولد کے رئیس المتکلمین کو بھی رسالہ ”کلمۃ الحق“ میں اس کا اقرار ہے۔ اور مطلق تعظیم رسول اللہ ﷺ کتاب وسنت و اجماع امت سے ثابت، تو ذکر مولد بہیت مخصوصہ یا قیام محفل میلاد کے لئے، مطالبہ دلیل ہم سے خلاف داب مناظرہ ہے۔ اسی طرح مطلق تلاوت قرآن و ذکر خدا، و درود، و تصدق، و کلمہ طیبہ وغیرہ اعمال خیر جن کا حسن شرع سے ثابت، اور ہر امر خیر فی نفسہ کسی عام خواہ مطلق کے تحت میں مندرج، تو فاتحہ مرّوجہ و سوم وغیرہا کا اثبات ہمارے ذمہ نہیں، بلکہ قرآن و حدیث وغیرہما اولہ شرعیہ سے ممانعت ثابت کرنا ذمہ مانعین کا ہے۔ اور ایسے مسائل میں یہ کہنا کہ ”ان امور کا ثبوت کہاں ہے؟ قرآن و حدیث میں دکھا دو! صحابہ تابعین نے کب کیا ہے؟، کس مجتہد نے حکم دیا ہے؟، اس کا پتا دو!“ محض بے جا اور عوام بے چاروں کو دھوکے میں لینا ہے۔ بجواب اُن کے اس قدر کافی کہ یہ امور خیر ہیں جن کے عام یا مطلق کی خوبی قرآن و حدیث میں مصرّح، تم بھی اسی

(۱) ”ایضاح الحق الصریح“، فصل ثانی، بدعت کا حکم، تیسرا مقدمہ، ص ۱۷۸، ۱۷۹۔

طرح تصریح ممانعت کی ان خاص امور کی نسبت اَدلہ شرع سے ثابت کر دو، ورنہ بمقابلہ قرآن و حدیث صرف تمہارے زبانی ڈھکوسلے کون مانتا ہے، اور ہم متمسک باصل و ظاہر ہیں، اور تم مخالف اصل و ظاہر، تو بقاعدہ مناظرہ اثبات اپنے مدعی کا تم پر واجب، ہمارے لئے منع مجزء کفایت کرتا ہے۔

بحث سوم: تحقق خارجی فرد فعل مطلق کا بالضرور اجزائے زمانہ سے کسی خاص فرد میں ہوگا، اور تعین ایک جزو کی عزم مقتضی الی الفعل کے وقت خواہ اُس سے پہلے لوازم و امارات فردیت سے ہے نہ اُس کے منافی، تو تعین کسی وقت کے ساتھ فردیت سے خارج نہیں کرتی، اُس وقت بھی مطلق کا فرد ہی متحقق ہوگا، نہ دوسری شے، کما لا یخفی۔

اور یہی حال جنس و قسم طعام کا بہ نسبت مطلق طعام کے، اور خصوصیات افراد عام کا بہ نسبت کلی کے ہے، البتہ وہ وقت خواہ خصوصیات کسی محذور شرعی کی طرف مقتضی ہوئے، تو تعین و تکرار فعل مطلق او رعام کے اُس وقت معین خواہ اُن خصوصیات و قیودات کے ضمن میں اسے مانع خارجی کی وجہ سے ناجائز، اور جو کسی مصلحت دینی یا مصلحت عامہ دنیوی پر مشتمل قرار پائیں گے، تو تعین و تکرار بہتر، البتہ فعل کو اُس وقت بلا ایجاب شرعی واجب اور اُس کے ساتھ مخصوص سمجھ لینا بایں طور کہ دوسرے وقت صحیح نہ سمجھا جائے محض بے جا ہے۔

اور جو تعین و تکرار کسی وجہ خیریت اور کسی محذور شرعی کی طرف مقتضی نہیں تو جائز و مباح ٹھہرے گی، بایں معنی کہ فعل و ترک اس کا اُس تعین کے اعتبار سے مساوی ہوں گے، اور اُسے تحریم مطلق میں اصلاً دخل نہ ہوگا، اور فرد من حیث اَنہ فرد حکم مطلق میں مسنون خواہ مستحب جیسا کہ اصل میں ہے رہے گا، اور تعین

دکرا اسی حکم پر رہے گی۔ ولہذا ایسے افعال عبارات مختلفہ سے تعبیر کیے جاتے ہیں، مثلاً: مصافحہ بعد الفجر والعصر کو امام نووی و خفاجی (۱) نظر بکرار و تعینین وقت بدعتِ مباحہ، اور شیخ ابوالسعود (۲) بنظر فردیت سنت، اور بعض باعتبار مجموع جہتین بدعتِ حسنہ، یا سن وجہ سنت و سن وجہ بدعت فرماتے ہیں۔

امام نووی اسباب میں کہتے ہیں: ”اعلم أن المصافحة سنة مستحبة عند كل لقاء وما اعتاده الناس بعد صلاة الصبح والعصر لا أصل له في الشرع على هذا الوجه، ولكن لا بأس، فإن أصل المصافحة سنة، وكونهم محافظين عليها في بعض ومفرطين فيها في كثير من الأحوال لا يخرج ذلك البعض عن كونه من المصافحة التي ورد الشرع بأصلها وهي البدعة المباحة (۳)۔“

شیخ محقق دہلوی فرماتے ہیں: ”سنتِ مصافحہ کہ علی الاطلاق است باقی است، پس بوجہی سنت است، و بوجہی بدعت“ (۴)۔

ملا علی قاری ”رسالہ فضائل نصف شعبان“ میں فرماتے ہیں: ”قلت: ويجوز العمل بالحديث الضعيف لا سيما، وقد ثبت روايته عن أكابر

(۱) ”نسیم الرياض“....

(۲) ”فتح اللہ المعین“....

(۳) ”الأذکار“، کتاب السلام والامتیثان... إلخ، باب في مسائل تنفرع على السلام، فصل في المصافحة، تحت ر: ۷۴۵، ص ۴۳۵ ملقطاً بتسرف۔

(۴) ”اشعۃ المنعات“، کتاب الآداب، باب المصافحۃ والمعانقۃ، ۲۲/۴۔

الصَّحَابَةُ مَظْلُوقًا، فَلَا وَجْهَ لِمَنْعِ الْمُقَيَّدِ أَهْدَاءَهُ^(۱)... إلخ۔

صاحب ”مصابح الفضلی“ (۲) رسالہ ملا علی قاری سے نقل کرتے ہیں:
”حادث کر لینا سنت کا بعض اوقات میں نام رکھا جاتا ہے بدعت (۳)۔“

اور عبارت ”مسائل اربعین“ و ”رسالہ دعائیہ“ مولوی محمد علی مذکور ہوگی۔
اور شاہ ولی اللہ محدث نے قول امام نووی ”مسوئی شرح موطا“ میں نقل کیا ”حکم مصافحہ فجر وعصر پر حکم مصافحہ عید کو متفرع کیا، اور اس بات کو کہ ”اہر مشروع بعد تعیین و تخصیص کے بھی مشروع ہی رہتا ہے“ مسلم و برقرار رکھا (۴)۔

تو برخلاف تصریح اپنے اکابر کے صرف بعلت تعیین و تخصیص امور مستحسنہ کو (کہ عموماً شرع میں مندرج) مکروہ و معصیت و بدعت و ضلالت ظہرانا کمال ہٹ دھرمی ہے۔ ہاں تعیین و تخصیص کو واجب اور ضروری سمجھ لینا بے جا ہے، اور علماء نے اسی تعیین و تخصیص کو ناجائز فرمایا ہے، اور ”مائے مسائل“ وغیرہ کتب اکابر فرقہ سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

سواہر میں سوال کے جواب میں لکھا ہے: ”تعیین کردن روزی برای ایصال

(۱) أي: ”فتح الرحمن في فضائل نصف شعبان“، ص ۷۱۲، ۷۱۳ (من المخطوط).

(۲) ”مصابح الفضلی“.....

(۳) لم نعر عليه.

(۴) ”مسوئی شرح الموطا“، باب يستحب المصافحة والهدية، الجزء الثاني،

ثواب بمرده کہ بالتتحیق ہمو روز خواہد رسید، و دیگر روز خواہد رسید خطا است (۱)۔۔۔ الخ۔

اور یہ ایک عمدہ بات ہے جس کی رو سے ہیبت کذا کی تمام امور متنازعہ کے باقرا کا بر حکم مطلق سے ثابت ہوگی، اور کسی خاص ہیبت کے ثابت کرنے کی ہمیں حاجت نہ رہی۔ اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ بعض سورہ خواہ دُرود کو بعض نمازوں کے ساتھ خاص کرنا، اور اُردو وظائف کے لئے ایک وقت خواہ دن اور تاریخ و عدد، اور منگل جمعہ کو وعظ و نصیحت کے لئے معین کرنا، اور فاتحہ اموات کے لئے سوم خواہ چہلم، یا روز پنج شنبہ، اور نیاز حضرت قطب الاقطاب غوث عالم قدس اللہ سرہ الاکرم کے لئے گیارہویں، یا سترہویں کو مقرر کرنا، اور اسی طرح تخصیص ایک کھانے کی کسی بزرگ کی نیاز و فاتحہ کے واسطے بلا اعتقاد و وجوب و لزوم سب جائز و روا ہے۔ اور تلاوت قرآن و دُرود و تصدق کی خوبی فی نفسہ میں اصلاً حرج نہیں کرتا۔ اور بعض امور ان میں سے جیسے جمعہ وعظ و تذکیر کے لئے اور تعین بعض سورہ قرآنیہ کی بعض نمازوں سے، اور بعض اُردو و اذکار و اشغال کے بعض اوقات سے مخالفین میں بھی بلا تکیر مروّج، اور ان کے متقدّمین اور اکابر مستندین سے قولاً و فعلاً بکثرت ثابت، باوجود اس کے جو اُمور اُن کے مخالف طبع، اور جن میں انبیائے عظام اور اولیائے کرام سے ایک طرح کی نیاز مندی ظاہر ہو، انہیں بوجہ تخصیصات و تعینات کے حرام و مکروہ و بدعت و ضلالت ٹھہرانا، اور حکم اطلاق و عموم سے یک قلم اِعراض کرنا، وہی مثل ہے کہ ”میں کہوں جو ہے سو ہے، تو نہ کہہ جو ہے سو ہے“، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیّ

(۱) ”ما یسائل“ مسئلہ ۱۶: مقرر کردن روز برای فاتحہ چہلم۔۔۔ الخ، ص ۵۸، بقرف۔

بحث چہارم: ترک حضور والا کو دلیل شرعی ٹھہرا کر عموم و اطلاق پر ترجیح دیتے ہیں، اور اس بنا پر مولد و قیام و فاتحہ اموات و سوم و غیرہ مستحبات کو (کہ عموماً واطلاقات شرع سے ثابت) ممنوع و ضلالت ٹھہراتے ہیں۔ اس خبط بے ربط کا بطلان قاعدہ اول میں بضمن تحقیق معنی بدعت مذکور ہوا، کہ باوجود خیریت فی نفسہ عدم تحقیق کسی فعل کا عصر رسالت بلکہ قرون ثلاثہ میں اصلاً حرج نہیں کرتا۔

ثانیاً: یہ قرار داد خود ان حضرات کے بھی مخالف ہے؛ کہ اس تقدیر پر جو امور حضور نے ترک فرمائے اور عصر صحابہ و تابعین میں رائج ہوئے، سب بدعت و ضلالت و مکروہ و معصیت ٹھہریں گے۔

ثالثاً: مجرد ترک واجب الاتباع اور ترک متروک کو موجب ہو تو ہر ترک پر اجر ملے، اور عاصی عین عالم زنا و شراب نوشی میں بوجہ ترک دیگر معاصی و اتباع و اقتدائے حضرت نبوی ہزار طاعت کے ثواب کا بھی مستحق ہوگا، اور ایک جہت سے مورد ملامت، اور لاکھ حیثیت سے لائق ستائش سمجھا جائے گا!

رابعاً: خود اکابر متکلمین فرقہ نے اس اصل کو بے اصل سمجھ کر بنا چاری وجود مقتضی و عدم مانع کی قید بڑھادی، اور خاک نہ سمجھے کہ بعد اعتراف اس قید کے امور مستحسنہ مذکورہ کو مکروہ و حرام ٹھہرانے کی کوئی سبیل نہ رہی، کاش! اس قیدی کو یاد رکھیں، اور ہر چیز کی میں اُس کا لحاظ کر لیں تو صد ہا مسائل جن میں نزاع ہے ملے ہو جائیں، اور ہر امر کو بے تکلف مکروہ و ممنوع نہ کہہ سکیں۔ حصر و استقصا موانع کا، پھر ان کا اس وقت میں انعدام ثابت کرنا سہل کام نہیں!، عمل برخصت، تعلیم جواز، رعایت نفس، رعایت خلق، تحصیل نشاط عبادت تسبیل برامت مصلحت ابتدائے اسلام

خصوصیت حضور والا شرف والعلیٰ، اور ان کے سوا بہت امور حضور والا اور صحابہ کرام کو ترک پر باعث اور فعل سے مانع ہوئے، جب ایک کا بھی احتمال باقی ہے، دلالت ترک کی کراہت فعل پر ممنوع، بلکہ نہیں بھی دائماً کراہت شرعی پر دلالت نہیں کرتی، جس طرح نہیں وکراہت قیام، واطلاق لفظ سید اپنی ذات والا کے لئے برسمیل تواضع ہے، اور حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کو کہ اپنا گھوڑا خیرات کیا تھا، پھر خرید کرنے سے منع فرمایا، اور بعض امور سے کہ منافی توکل ہیں، احادیث میں نہیں صراحتاً و اشارۃً وارد، ایسی جگہ نہیں سے کراہت نہیں سمجھی جاتی، نہ وہ معنی احکام شرعیہ کی ہو سکتی ہے۔

بعض امور خاص حضور کے حق میں جائز نہ تھے، وہاں نہیں بہ نسبت امت کے نہیں ذات اقدس سے مخصوص ہے، سوا اس کے ترک کا اثبات کب سہل ہے؟!، دو ایک کے کہہ دینے سے کہ ”یہ فعل نہ پایا گیا، منقول نہ ہوا، حضور اقدس و صحابہ کرام نے نہ کیا“ کسی فعل کو متروک ٹھہرا دینا ایک امر تقلیدی ہے؛ کہ مقام تحقیق میں قابل لحاظ، اور خصم کو تسلیم اس کی ضرور نہیں؛ کہ نہ پانا دو چار کا اور بات، اور نفس الامری میں نہ ہونا اور بات ہے، اور عدم وجدان نقل عدم نقل کو مستلزم نہیں؛ کہ استقرائے تام کا دعویٰ دشوار ہے، اسی طرح استلزام عدم نقل کا عدم واقعی کو ممنوع، کما فی ”فتح القدیر“:

”وبالحمله عدم النقل لا ینفی الوجود“^(۱)

بایں ہمہ ان حضرات کا صد ہا امور حسنہ کی نسبت بدون اثبات ترک و وجود مقتضی عدم مانع یہ کہہ دینا کہ: ”یہ افعال حضور اقدس و صحابہ نے نہ کئے لہذا واجب

(۱) ”فتح القدیر“، کتاب الطہارات، ۲۰/۱۔

الترک اور مکروہ و معصیت ہیں“ نرا ڈھکوسلا ہے۔

خاصاً: اگر ترک قیود مذکورہ کے ساتھ ثابت ہو جائے، تو ترجیح اس کی عموم و اطلاق پر ممنوع، ورنہ ترجیح فعل کی قول پر لازم آئے گی، اور قول صاحب ”مجالس الابراز“ مجہول الحال بمقابلہ تصریحات اکابر اصول فقہ اصلاً قابل لحاظ نہیں، اس بزرگوار کی لیاقت و استعداد علمی تو اُس کتاب ہی سے ظاہر ہوتی ہے!، خاص اس مقام میں عجیب تقریر لکھی ہے، محصل اس کا یہ کہ ”جب کوئی فعل جناب والا نے باوجود مقتضی و عدم مانع ترک فرمایا، معلوم ہوا کہ اُس میں کچھ مصلحت نہیں، بلکہ بدعتِ قبیحہ ہونا اُس کا سمجھا گیا“، اور اذانِ عید کی مثال دے کر لکھا کہ ”اذان جمعہ پر قیاس اُس کا صحیح ہے، اور عموم کریمہ: ﴿اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾^(۱)، اور قولہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ﴾^(۲) کے عموم و اطلاق میں داخل، باوجود اس کے علما نے اُسے مکروہ ٹھہرایا، اور فرمایا کہ جس طرح کرنا اُس کا، جسے آپ نے کیا سنت، اسی طرح ترک کرنا اُس کا جسے آپ نے ترک کیا سنت ہے“۔

صاحب ”کلمۃ الحق“^(۳) نے اس پر محفل قبل از عید کی کراہت کا حاشیہ چڑھایا، اور مشکلم فتوحی نے ”غایۃ الکلام“^(۴) میں محفل قبل از فجر وغیرہ بعض مسائل کا ذکر فرمایا، قطع نظر اس سے کہ منجملہ افعال مذکورہ بعض صحابہ کرام سے ثابت، اور اکثر

(۱) اللہ کو بہت یاد کرو۔ (پ ۲۲، الأحزاب: ۴۱)۔

(۲) اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے۔

(پ ۲۴، حم السجدۃ: ۳۳)۔

(۳) ”کلمۃ الحق“....

(۴) ”غایۃ الکلام“....

مختلف فیہ ہیں، اور فعل صحابی اور اسی طرح رائے مجتہد کو بدعت و ضلالت کہنا اصول مخالفین پر بھی ٹھیک نہیں، بلکہ اُن کے طور پر ایسا امر داخل سنت ہے، اور قیاس امور متنازع فیہا کا نماز و اذان اور اُن کے اوقات و میات پر مع الفارق ہے۔ یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ دلیل ترک عموم و اطلاق پر مقدم ہے، جس نے اُن افعال کو جائز سمجھا عموم و اطلاق کے سوا اُس کے پاس کیا جھت ہے؟!، اور جس نے مکروہ کہا اُن میں اکثر نے یہ نہیں کہا، کہ کراہت کی صرف ترک علت ہے، اور بعض نے اگر تصریح اس کی کردی تو دوسرے مسائل میں خود ان کا کلام یا دوسرے اکابر کی تصریح اُس کے معارضہ کو کافی، بلکہ عقل و نقل اس تعلیل کی بے اصلی پر شاہد عدل۔

باقی رہا انکار بعض صحابہ کا بعض افعال کی نسبت جن کی خیریت عموم و اطلاق سے ثابت، اُس کا بھی یہی حال ہے کہ تصریح اُن کی ممانعت کی شریعت سے پائی، خواہ اعتقاد سنیت و وجوب کا بجهت قرب عہد اسلام مقدم سمجھا، یا کسی اور وجہ سے اُن افعال کو مزاحم سنت اور مخالف مقصد شرع تصور فرمایا، مع اھذا اکثر وہ افعال دوسرے صحابہ سے ثابت اور تابعین میں معمول بہا ہوئے، یا بعض مجتہدین اُن کے جواز خواہ استحسان کی طرف گئے۔ یہ کس صحابی سے ثابت ہے کہ ہم اس فعل کو صرف بوجہ ترک حضور بدون لحاظ کسی اور مضرت شرعی کے مکروہ و ضلالت سمجھتے ہیں، بہر حال صاحب ”مجالس الأبرار وغیرہ“ مجاہل کے سوا صحابہ خواہ معتدین علماء سے ترجیح دلیل ترک کی دلیل عموم و اطلاق پر ہرگز ثابت نہیں۔

اور یہ قول صاحب ”مجالس“: ”علم أنه ليس فيه مصلحة“^(۱) بایں معنی

(۱) ”مجالس الأبرار“، المجلس الثامن عشر، ص ۱۲۷۔

کہ ”ماذہ ترک ہر جگہ ہر حال میں مصلحت سے خالی ہوتا ہے“ مجز داؤعا ہے، ہاں ترک شارع باقتضائے مصلحت ہوتا ہے، مثلاً: تعلیم جواز، و تسہیل برأمت، یہ سب مصالح دینیہ ہیں، مگر اس سے غیر مشتمل ہونا فعل کا کسی مصلحت پر کسی جہت سے کسی وقت میں لازم نہیں آتا، والکلام فیہ، حوالہ علما کہ ”انہوں نے اس مسئلہ میں تصریح کی کہ ترک متروک سنت ہے“ قابل مطالبہ ہے۔ مخالفین اپنے اس مستند کا دعویٰ گل یا اکثر علما کی تصریحات سے (جیسا کہ اس کے کلام سے ظاہر) خاص اس مسئلہ میں خواہ دوسرے طریق سے ثابت کر دیں، و دونہ عرط القناد، بلکہ علمائے کرام و فقہائے ذوی الاحترام ہزار امور کو جو حضور سے ثابت نہیں جائز و مستحسن ٹھہراتے ہیں، اور سیکڑوں جگہ باوجود معارضہ دلیل ترک عموم و اطلاق کے تحت میں داخل فرماتے ہیں۔ کسی نے یہ نہ کہا کہ: ”یہ استدلال، بمقابلہ دلیل ترک کے متروک ہے“۔

بلکہ ملا علی قاری نے ”رسالہ فضائل نصف شعبان“ میں اُس کی دعائے مخصوص کی نسبت یہاں تک لکھا: ”لا سیما وقد ثبت روايته عن اکابر الصحابة مطلقاً، فلا وجه لمنع العقید اُبداً“ (۱)۔

اگر بحسب عادت قدیمہ اہل ہوا و بدعت اپنے مستندین اور اکابر علمائے دین کے اقوال و احکام قبول نہ کریں گے تو اپنے ائمہ مذہب اور اکابر فرقہ کو کس طرح حج و فضائل و معصیت و مرتجہ مرجوح قرار دیں گے؟!

دیکھوان کے امام ثانی ”اربعین“ میں لکھتے ہیں: ”امادست برداشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہر اجواز آنت زیرا کہ در حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلق

(۱) ”فتح الرحمن فی فضائل نصف شعبان“، ص ۷۱۲ من المحفوظ۔

ثابت است، پس دریں وقت ہم مضائقہ ندارد“ (۱)۔۔۔ الخ۔

مولوی حرم علی رکنِ رکنِ ملتِ جدید ”رسالہ دعائیہ“ میں لکھتے ہیں:
 ”اگر کوئی دست برداشتن در دعا مسح نمودن از احادیثِ قولیہ و فعلیہ ثابت شد، لیکن
 بردعا عقیبِ صلواتِ خمسہ چہ دلیل گویم، وباللہ التوفیق چون ثابت شد کہ رفع الیدین از
 آداب دعاست، و جالبِ اجابت و موقتِ بوقتے دون وقتی نیست، پس حاجتِ دلیل
 دیگر نمائندہ و داعی از جانب شارعِ مخیر است، بعد نماز ہم چنین دعا کند، یا ورائے آں
 تنہا یا با جماعت“ (۲)۔۔۔ الخ۔

اُسی رسالہ میں ہے: ”دست برداشتن وقت دعا ورومانیدن بآنها بعد آں
 با حدیث صحاح و حسان قولاً و فعلاً در استقفا و غیر آں ثابت است، گو بالتزامِ عقیبِ
 صلواتِ خمسہ بہیبت کذائیہ مروی نباشد“ (۳)۔۔۔ الخ۔

اور ”اربعین اسحاقیہ“ کہ مسئلہ پانزدہم میں شادی میں نانہال والوں کا
 نقد و پارچہ و زیور دینا جسے بھات کہتے ہیں، بدلیل و قواعدِ اصولِ شریعت جائز
 لکھا (۴) اور اسی طرح اُسی ”اربعین“ میں اہلِ برادری کا حجام کو نوشہ کے کپڑے
 پہنانا اور دینا جائز لکھا ہے (۵)، اِلٰی غیر ذلک من المسائل الکثیرہ۔

(۱) ”الاربعین“....

(۲) ”رسالہ دعائیہ“....

(۳) ”رسالہ دعائیہ“....

(۴) ”اربعین اسحاقیہ“....

(۵) ”اربعین“....

بحث پنجم: خیالات و اوہام متکلم قنوجی کے رد میں:

قولہ: ”بسا اَحکام مطلق بضم قیود باطل می شوند“ (۱)۔

یہ اسی صورت میں ہے کہ قیود مانع حکم مطلق ہوں، اور اثبات مزاحمت قیود ذمہ مدعی مزاحمت ہے، اور متمسک باطلاق متمسک باصل، کما مر (۲)۔

قولہ: ”مثلاً گفتن می توانم: الإنسان صالح؛ لأن يكون موضوعاً للقضية المہملہ، وگفتن نمی توانم کہ الإنسان مع تشخص زید صالح؛ لأن يكون موضوعاً للقضية المہملہ“ (۳)۔

یہاں تشخص مانع اور مزاحم مرتبہ مطلق اشیاء ہے، ولہذا انسان اس قید کے ساتھ موضوع قضیہ مہملہ نہیں ہو سکتا۔

قولہ: ”و نیز ہر گاہ عمرو کا تب بالفعل باشد، وزید کا تب بالفعل نباشد، گفتن می توانم کہ: الإنسان كاتب بالفعل، وگفتن نمی توانم کہ: زید کا تب بالفعل“ (۴)۔

یہ اُسی مغالطہ پر مبنی ہے جسے ہم نے بحوالہ کتب اصول حل کر دیا ہے۔ جس حالت میں مطلق بحسب اصطلاح اصول شیوع و اطلاق کو مقتضی ہے، بایں معنی کہ تمام افراد میں حکم اُس کا جاری ہوتا ہے، اور فرد دون فرد میں تحقق کفایت نہیں کرتا، تو اس جگہ الإنسان کا تب بالفعل کہنا صحیح نہیں ہے، البتہ یہ قضیہ بحسب اصطلاح منطقیین سچا اور مہملہ قد مائیہ ہے، ولا کلام فیہ۔

(۱) ”غایۃ الکلام“...

(۲) آی: فی ص ۱۲۴۔

(۳) ”غایۃ الکلام“...

(۴) ”غایۃ الکلام“...

قولہ: ”پس بر تقدیر تسلیمِ حُسنِ مطلق حُسنِ مقید لازم نہایت ہی بیدہ؛ کہ از ثبوتِ کتابت برائے انسان ثبوتِ کتابت برائے زید لازم نہایت“ (۱)۔

یہاں بھی اُسی جہالت کا جوش ہے، بحسب اصطلاح ما نحن فیہ ثبوتِ کتابتِ مطلق انسان کے لئے اُسی وقت صحیح ہوگا کہ جب یہ حکم علی الاطلاق اُس کے تمام افراد میں ثابت ہوگا۔ ہاں اگر کتابتِ نفسِ انسانیت کا حکم ٹھہرے، اور بظہرِ انسانیت اُس کے تمام افراد میں ثابت پائی جائے، گو خصوصیتِ مادہ منع کر دے، تو یہ حکم مطلق کے لئے ثابت کہیں گے، اور زید کے لئے نہ ثابت ہونا کچھ حرج نہیں کرتا، نہ ہمارے مضمر؛ کہ جب تک مزاحمتِ قید کی ثابت نہ ہو جائے گی، تمام افراد میں بلا تکلف جاری رہے گا۔

قولہ: ”بالجملہ ضرورتِ برائے استحسانِ مقیدِ دلیلی علاوہ از دلیلِ استحسانِ مطلق“ (۲)۔

اس ضرورت کے ابطال میں قولِ امامِ الطائفہ اور اُن کے امامِ ثانی اور اقوالِ رکنِ رکینِ ملت (کہ سابق مذکور ہوئے) کافی۔

قولہ: ”قال ابن النخیم فی ”البحر“: ولأن ذکر الله إذا قصد به التخصیص بوقت دون وقت، أو شيء دون شيء، لم یکن مشروعاً ما لم یرد الشرع به“ (۳)، انتہی (۴)۔

(۱) ”غایۃ الکلام“ ...

(۲) ”غایۃ الکلام“ ...

(۳) ”البحر“، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، ۲/۲۷۹ بتصرف۔

(۴) ”غایۃ الکلام“ ...

اسی ”بحر الرائق“ میں بہت اُمور (کہ بھیبت کذائی شرع میں وارد نہ ہوئے) جائز و مشروع ٹھہرائے، بلکہ خاص اس مسئلہ یعنی تکبیر عید الفطر کی بابت ”در مختار“ میں اس سے نقل کیا: ”أما العوام فلا يمتنعون من تكبير ولا تنفل أصلاً؛ لفلة رغبتهم في الحيرات“^(۱)۔ قطع نظر اس سے یہ ٹکڑا کلام کا (کہ بدوں لحاظ موقع و مقام و ہضم اول و آخر تغلیط عوام کے لئے نقل کر دیا ہے) ہرگز مفید مستبدل نہیں۔ کاش! مجز و ترجمہ الفاظ بھی سمجھ لیتے تو اُس سے استفادہ کرتے۔

حاصل مطلب اُس کا یہ ہے کہ مطلق ذکر خدا ہر چند عبادت ہے، مگر اُسے ایک وقت کے ساتھ بایں طور خاص کر لینا کہ اُسے وقت مسنون مان لیں، اور دوسرے اوقات میں کہ اس سے مساویۃ الاقدام میں مسنون نہ سمجھیں، جیسا مسئلہ تکبیر عید الفطر میں ہے کہ صاحبین خاص عید الفطر کے لئے مسنون فرماتے ہیں، اور دیگر اوقات میں (کہ صلیح ظرفیت تکبیر ہیں) سنت نہیں ٹھہراتے۔ یہ صورت بدون تشریح شارح مشروع و مسنون نہیں ہوتی، اس کی مشروعیت و مسنونیت کے لئے دلیل مستقل کی حاجت ہے، اور یہ مضمون مدّعاۓ خصم سے منافات نہیں رکھتا۔ ہم نے خود بھیٹ سوم میں اس کی تصریح کر دی ہے، اور علما سے جس جگہ تعین و تخصیص میں کچھ کلام واقع ہوا اُس کا مطلب محل بھی یہی ہے، و ممکن کہ مراد صاحب ”بحر الرائق“ کی یہی ہے کہ مسنونیت مطلق سے سنت عملی ہونا مقید کا لازم نہیں آتا، بلکہ مقید جس میں کلام ہے باعتبار قید کے بدعت بمعنی اول ہے، گو بنظر الی المطلق حسن ہو، ولہذا منجملہ خیرات ٹھہرا کر عوام کو اُس سے روکنا منع فرماتے ہیں۔ بالجملة عبارت ”بحر

(۱) ”الدر“، کتاب الصلّٰۃ، باب العیدین، ۱۱۸/۵۔

الرائق“ سے استیثاء محض مغالطہ ہے، اور یہی حال عبارت ”شرح عمدہ“ کا ہے؛ کہ مراد تخصیص سے یہی ہے کہ دوسرے وقت اور حال و ہیئات کو (باوصف اس کے کہ حکم مطلق سب میں یکساں جاری ہونا چاہئے) محل جریان نہ سمجھے، ورنہ قول صاحب ”شرح عمدہ“ کا جمہور علماء و عامہ فقہاء کے (کہ حکم مطلق اُس کے مقتدات میں بدون لحاظ دوسری دلیل کے جاری کرتے ہیں) مخالف ہے۔

اور اسی طرح استیثاء اُن کا جناب ابن عمر، و عبد اللہ بن مغفل اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، قطع نظر دیگر آجوبہ کے قول و فعل اکثر صحابہ سے ”کہ عموم و اطلاق سے باوصف بدعت و محدث ہونے کے استیثاء فرماتے ہیں، اور ہزار افعال خیر باوجود اس کے کہ حضور والا نے ترک فرمائے عمل میں لاتے ہیں“ مدفوع ہے، بلکہ حضرت ابن عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے خلاف اس قرار داد کا ثابت، اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو خاص صلاة الضحیٰ کا استحسان اور اُس کی مدح و ثنا منقول ہے۔ اور ہم نے ائمہ و اراکین مذہب مانعین سے بتصریح نقل کر دیا ہے کہ انہوں نے عموم و اطلاق سے باوصف ترک حضور بلکہ عدم نقل کے قرون ثلاثہ سے استہلال کیا ہے۔

مبحث ششم: ذم بدعت بمقابلہ دلیل عموم و اطلاق کے پیش کرنا محض بے معنی؛ کہ بدعت باعتبار معنی دوم خواہ شق ثانی معنی اول کے ہے، اور مجز عدم فعل خواہ عدم نقل حضور خواہ قرون ثلاثہ سے کوئی اصل شرعی نہیں کہ دلیل اطلاق و عموم کا معارضہ کر سکے، بلکہ جو شے عموماً و اطلاقاً شرع کی رو سے مستحسن اور اُس میں مندرج، (گو بہت کذائی قرون ثلاثہ میں نہ پائی جائے) بدعت حسنہ ہے؛ کہ صاحب ”مجمع البحار“ اسی اندراج کو حسن بدعت کی علامت قرار دیتے ہیں، اور تقسیم بدعت میں لکھتے

ہیں: ”البدعة نوعان: بدعة ہدی، وبدعة ضلال، فمن الأول ما كان تحت عموم ما ندب الشارع إليه، أو حصّ عليه، فلا يذم؛ لو عد الأجر عليه^(۱)... إلخ.

اور امام عینی ”شرح صحیح بخاری“ میں لکھتے ہیں: ”تم البدعة على نوعين: إن كانت مما يندرج تحت مستحسن في الشرع فهي بدعة حسنة^(۲)... إلخ. وهكذا صرح الإمام الحزري^(۳) والإمام العسقلاني في ”فتح الباري“^(۴) وغيرهما^(۵).

بالجملہ یہ مغالطہ کہ ”امور متنازع فیہا کو عموم واطلاقِ نصوص کے تحت میں داخل ہونے سے جائز و مستحسن ٹھہریں لیکن بدعت ہیں اور وہ شرعاً مذموم“، تحقیق معنی بدعت سے (کہ قاعدہ اولیٰ کے فائدہ رابعہ میں مذکور) بخوبی حل ہوتا ہے، اور حاصل اس کا یہی ہے کہ ترک حضور خواہ قرونِ ثلاثہ کا واجب الاتباع و دلیل شرعی ہے، جس

(۱) ”مجمع بحار الأنوار“، باب الباء مع الدال، بدع، ۱/ ۱۶۰ بتصرف.

(۲) ”عمدة القاري“، كتاب التراویح، باب فضل من قام رمضان، تحت ر: ۲۰۱۰، ۲۴۵/۸.

(۳) ”النهاية في غريب الحديث والأثر“، حرف الباء، باب: الباء مع الدال، بدع، ۱/ ۱۱۲.

(۴) ”فتح الباري“، كتاب الصلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، تحت ر: ۲۰۱۰، ۲۹۴/۴.

(۵) ”إرشاد الساري“، كتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان، تحت ر: ۲۰۱۰، ۶۵۶/۴.

کے انحلال میں یہ قاعدہ کفایت کرتا ہے۔ باقی رہا مسئلہ توقیف سوطع نظر اس سے کہ خود یا قرار محکم قنوجی وغیرہ اصل کئی نہیں، امر اکثری ہے، بآدنی تا مثل ہمیں مفید اور مخالفین کو سر اسر مضرب ہے۔

محصل اُس کا صرف اسی قدر ہے کہ بیعت عبادت شرع سے دریافت کی جائے، اپنی رائے کو دخل نہ دیا جائے، اور جس عبادت کی شارع نے جو بیعت و صورت بیان فرمادی اُس سے تجاوز نہ چاہیے۔ تو جس عبادت کو شارع نے عموم و اطلاق پر چھوڑا اور کوئی خاص بیعت اور وضع معین اُس کے لئے بیان نہ فرمائی، وہ عموم بیعت و اطلاق پر رہے گی، ایسے امور کو من عند نفسہ کسی خاص وضع، و حال، و وقت، و بیعت میں منحصر کر دینا اور دوسرے أوضاع، و ہیئات، و احوال، و اوقات میں جائز نہ سمجھنا مسئلہ توقیف کے مخالف، اور حکم شرعی سے تجاوز، اور تحریم ما أحل اللہ میں داخل ہے۔

اور تعظیم و ذکر خدا اور رسول، و تلاوت قرآن، و ذکر و خوانی، و تصدق وغیرہ امور کو جس کا حکم شرع میں عموم و اطلاق کے ساتھ وارد ہے، طرح طرح سے اور جس حالت، و بیعت، و وضع، و وقت میں چاہیں بشرط عدم مزاحمت شرع بجالانا عین تعمیل حکم الہی ہے، ورنہ جس حالت میں شارع نے کسی وضع میں انہیں منحصر نہ کیا تو أوضاع غیر مذکورہ فی الشرع کی نسبت عموم و اطلاق اُن کا مجمل، اور بعد انقطاع وحی کے حکم متشابہ میں ہو جائے گا۔ اور التزام کسی بیعت خواہ وقت وغیرہ کا اگر باعتقاد و وجوب خواہ اس نظر سے ہے کہ بدون اُس خصوصیت کے عام اور مطلق صحیح نہیں ہوتا دلیل مستقل شرعی کا محتاج، بدون اُس کے حکم عموم و اطلاق سے مخالفت ہے، جیسے بلا وجہ انکار بعض صورتوں سے۔ اور جو بدون اس اعتقاد کے کسی مصلحت کے لئے ہے تو اُس میں کچھ حرج

نہیں، بلکہ نفس التزام وادامت امور حسنہ شرعاً مقبول و محمود، کما سیحیء
بیانہ^(۱)۔

اس جگہ بعض حقا کہتے ہیں: حضور اقدس ﷺ اور آپ کے یاروں نے تو
ان افعال پر مداومت نہ کی، تمہاری ریاضت و عبادت اُن سے بھی بڑھ گئی؟ یا اس کی
خیر و خوبی سے وہ واقف نہ ہوئے، اور تم سمجھے؟!

بزد و دروغ کوش و صدق و صفا لیکن می فرمائے بر مصطفیٰ

اور اس تقریر کو نسبت مستحسنت متنازع فیہا کے بھی طرح طرح کی رنگ
آمیزیوں اور مغالطوں کے ساتھ پیش کرتے ہیں، ہر چند جواب اس کا کئی طور پر یاد دہانی
تا مثل مقامات متعدد رسالہ ہذا سے نکل سکتا ہے، مگر اس قدر اور بھی گزارش
کیا جاتا ہے کہ گو حضور نے بوجہ بعض مصالح دینیہ کے (کہ ایک اُن میں خوف و جوب
ہے) ان امور کا التزام نہ کیا، مگر احادیث سابقہ میں ہمارے لئے مفید ٹھہر
ادیا، اور ان افعال کی خیریت خواہ دوام میں مصلحت ہمیں حضور اور اُن کے یاروں کی
بدولت معلوم ہوئی، ہمارے علم کی زیادتی کہاں سے لازم آئی؟!، ہمارا کوہ احد کے ہم
وزن سونا راہ خدا میں صرف کرنا صحابہ کرام کے تین پاؤں بخیرات کرنے کے برابر نہیں
ہو سکتا۔ ان افعال کے اعتبار سے اُن بندگان دین سے فوقیت کون صاحب دین و دانش
تجویز کرے گا؟! البتہ آپ لوگ صحابہ تو کیا انبیائے کرام کی بزرگی و کمال صرف انہیں
اعمال میں منحصر سمجھتے ہیں، اور اُن میں کیفیات باطنیہ سے کچھ کام نہیں، صرف امور
ظاہری پر مانند متوجہ و متکثر کے نظر رکھتے ہیں، لیکن آپ کی تعلیم سے کون الزام اٹھائے
گا؟! مضمون شعر آپ کی قرارداد سے علاقہ نہیں رکھتا، بلکہ ریاضات شائعہ جن کی شرع

نے ممانعت کر دی، مانند گونگے روزہ اور رہبانیت اور خشک کر دینے اعضاء، اور عمل بالرخصت سے انکار پر اعتراض مقصود ہے، ورنہ علمائے دین وائمہ مجتہدین نے تو ہیئت معینہ معبودہ پر بھی زیادتی بعض امور خیر کی جائز رکھی، اور اجلہ صحابہ کرام سے ثابت ہوئی۔

”ہدایہ“ میں در باب تلبیہ لکھا ہے: ”ولو زاد فيها جاز خلافاً للشافعي في رواية الربيع عنه فهو اعتبره بالأذان والتشهد من حيث أنه ذكر منظوم، ولنا: أن أحلاء الصحابة كابن مسعود وابن عمر وأبي هريرة -رضي الله عنهم- زادوا على المأثور؛ ولأن المقصود الثناء وإظهار العبودية، فلا يمنع من الزيادة عليه“ (۱)۔

شاید مخالفین کہیں کہ ”یہ زیادتی تلبیہ پر خود حضور اقدس کے سامنے واقع ہوئی اور آپ نے مقرر رکھی کما أخرج أبو داود عن جابر رضي الله تعالى عنه“ (۲)۔ جواب اس کا یہ ہے کہ صاحب ”ہدایہ“ نے مجز و افعال صحابہ سے استدلال کیا، بعدہ مطابقت مقصود شرعی کو دلیل مستقل قرار دیا، اور نیز مشروعیت اُس کی بوجہ تقریر کے، تقریر کے بعد حاصل ہوئی، قبل اُس کے زیادتی کرنے والوں نے ہیئت معینہ معبودہ پر بلا اجازت شارع کس طرح زیادتی کی؟!، اسی طرح امیر معاویہ، واما من حسن بن واہب الزہری و انس و جابر و سید بن غفلہ و عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم رکن

(۱) ”الہدایہ“، کتاب الحج، باب الاحرام، الجزء الأول، ص ۱۶۵۔

(۲) ”سنن أبي داود“، کتاب المناسک، باب کیف التلبیہ، تحت ر: ۱۸۱۳،

عراقی وشامی کا بھی استیلام کرتے (۱)، اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بجواب ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے: ”لیس شیء من البیت مہجوراً“ (۲)۔ اور امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ مکروہ فرماتے ہیں، اور یہی مذہب حنفیہ کا ہے (۳)، اسے ہیئت معبودہ کے مخالف اور مغیر سنت سمجھتے ہیں، مجز و ترک کو مٹنی کراہت کا نہیں ٹھہراتے۔ ورنہ حنفیہ دیواران کعبہ کی نسبت اس حکم کو کیوں قبول کرتے؟!۔

اور امام شافعی سے منقول ہے: ”مہما قبل من البیت فحسن“ (۴)۔

”شرح منیہ“ میں ہے: ”(وإن زاد) فی دعاء الاستفتاح بعد قوله تعالیٰ: ”حَدِّثْكَ وَحَلِّ ثَنَائُكَ“ لا یمنع من الزیادة، (وإن سکت لا یؤمر به)؛ لأنہ لم یذکر فی الأحادیث المشہورة“ (۵)۔

”در مختار“ میں در باب درود لکھتے ہیں: ”وندب السیادة؛ لأن زیادة

(۱) ”عمدة القاری“، کتاب الحج، باب من لم یستلم إلا الرکنین الیمانیین، تحت ر: ۱۸۶، ۱۸۵/۷، ۱۶۰۹۔

(۲) ”صحیح البخاری“، کتاب الحج، باب من لم یستلم إلا الرکنین الیمانیین، ر: ۲۶۱۰، ۱۶۰۸۔

(۳) ”عمدة القاری“، کتاب الحج، باب من لم یستلم إلا الرکنین الیمانیین، تحت ر: ۱۸۶، ۱۸۵/۷، ۱۶۰۹۔

(۴) ”فتح الباری“، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الأسود، تحت ر: ۱۵۹۷، ۵۲۵/۳۔

(۵) ”غنیة المتملی فی شرح منیة المصلی“، صفة الصلوة، ص: ۳۰۲۔

أخبار بالواقع عين سلوك الأدب، فهو أفضل من تركه^(۱)، ذكره الرَّمْلِي الشافعي^(۲).

”شرح منیہ“ میں ہے: (”لا بقول: ”رَبَّنَا إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ“؛ لعدم وُروده في الأحاديث، (ولو قال) ذلك (لا بأس به)؛ إذ هو زيادة ثناء الله تعالى إلى غير ذلك“^(۳)).

بالجملہ الفاظ و احکام نصوص اگر تخصیص ان کی کسی وقت وضع وغیرہ کے ساتھ شرع سے ثابت نہ ہو، اور مخالفت قیاس مورد پر مختصر نہ کر دے، عموم و اطلاق پر رہتے ہیں، علمائے اصول خصوصیت سبب کا بھی اعتبار نہیں کرتے، اور احادیثِ آحاد کو صالح تخصیص نہیں سمجھتے۔ ان حضرات کے خیالات کب لیاقت اس کام کی رکھتے ہیں؟! لطف یہ ہے کہ خود عموم و اطلاق بدعت سے ہزار جگہ استناد کرتے ہیں، اور ہم سے ہر مسئلہ میں قرآن و حدیث سے تصریح، اور ہر جزئی کے جواز و اباحت پر دلیل مستقل چاہتے ہیں، اور اسدِ لالِ احمد دینِ عموم و اطلاق آیات و احادیث سے نہیں مانتے، واہ! شایب! ان حضرات کو! بایں بضاعت مزجات تو عموم بدعت و دلیل ترک سے استناد پہنچے، بعد اس کے اور دلیل مستقل کی حاجت ممانعت و ثبوت حرمت و کراہت کے لئے اصلاً باقی نہ رہی، اور اکابر ملت کو گنجائش استناد کی نہ ہو، اور بدون تصریح کے رائے اُن کی کہ ”قرآن و حدیث سے مؤید ہو“ بے کار سمجھی جائے، اس تحکم و سینہ زوری کی کچھ حد ہے!

(۱) ”الدر“، کتاب الصَّلَاة، باب صفة الصَّلَاة، فصل، ۳/۳۷۶.

(۲) ”نہایة المحتاج إلى شرح المنهاج“، أركان الصَّلَاة، ۴/۳۳۰.

(۳) ”الغنیة“، صفة الصَّلَاة، ص ۳۳۶.

قاعده ۵

فعل حسن مقارنت و مجاورت فعل قبیح سے اگر حسن اُس کا اِس کے عدم سے مشروط نہیں مذموم و متروک نہیں ہو جاتا، حدیث ولیمہ میں (جس میں طعام ولیمہ کو مشرّ الطعام فرمایا) قبولِ ضیافت کی تاکید، اور انکار پر اعتراض شدید ہے۔

”رد المحتار“ میں درباب زیارتِ قبور لکھا ہے: ”قال ابن حجر في فتاواه“^(۱): ”ولا تترك لما يحصل عنده من المنكرات والمفاسد؛ لأن القرية لا تترك لمثل ذلك، بل على الإنسان فعلها وإنكار البدع بل وإزالتها إن أمكن“. قلت: ويؤيده ما مر من عدم ترك أتباع الحنابلة، وإن كان معها نساء فالحاحات“^(۲)، انتہی ملخصاً۔

اور نیز جب عمل سنت پر بدون ارتکاب بدعت ممکن نہ رہے تو سنت کو ترک کریں۔ عبارت ”فتح القدیر“ کا: ”ما تردد بين السنة والبدعة فتركه لازم“^(۳) محل وہ چیز ہے جو فی نفسہ مثل سور حمار مشتبہ ہو، نہ یہ کہ جس امر کے سنت و بدعت ہونے میں اختلاف ہو اُس کا ترک واجب ہے۔

خود صاحب ”فتح القدیر“ نے محل اختلاف میں بارہا حکم استحباب کا دیا، اور ابوالکارم نے ”شرح مختصر وقایہ“^(۴) میں ایسے ماذے میں بحوالہ امام قاضی خاں فعل کو

(۱) ”الفتاویٰ الکبریٰ الفقہیہ“، کتاب الصلّٰۃ، باب الحناظر، ۱/۱۶۳ ملخصاً۔

(۲) ”رد المحتار“، کتاب الصلّٰۃ، باب صلاۃ الحناظر، ۵/۳۶۶۔

(۳) ”فتح القدیر“، کتاب الصلّٰۃ، باب سجود السہو، ۱/۴۵۵ ملقطاً بتصرف۔

(۴) ”شرح مختصر الوقایہ“....

ترک سے اولیٰ کہا^(۱)، اور صلاۃ ضعیٰ (کہ سنت و بدعت ہونے میں اختلاف ہے) بایں ہمہ کسی نے ترک اس کا واجب نہ ٹھہرایا، بلکہ خود قائلین بدعت نے استحباب کی تصریح فرمائی، اور نیز قاضی خاں نے حتم قرآن جماعت تراویح میں اور دعا عند الختم کی بوجہ استحسان متاخرین اجازت دی، اور ممانعت کی ممانعت کی^(۲)، اِلٰی غیر ذلک من الأمثلة الكثيرة المشهورة.

اصل اس باب میں یہ ہے کہ مستحسن کو مستحسن جانے اور قبیح کی ممانعت کرے، اگر قادر نہ ہو، اُسے مکروہ سمجھے۔ ہاں اگر عوام کسی مستحسن کے ساتھ ارتکاب امر ناجائز کا لازم ٹھہرائیں اور بدون اُس کے اصل مستحسن کو عمل ہی میں نہ لائیں، تو بظہر مصلحت حکام شرع کو اصل کی ممانعت و مزاحمت پہنچتی ہے۔ اسی نظر سے بعض علما نے ایسے افعال کی ممانعت کی ہے، لیکن چونکہ اس زمانہ میں خلق کی امور خیر کی طرف رغبت اور دین کی طرف توجہ نہیں، اور مسائل کی تحقیق سے نفرت کٹی رکھتے ہیں، نہ کسی سے دریافت کریں، نہ کسی کے کہنے پر عمل کرتے ہیں، ولہذا اکثر افعال خرابیوں کے ساتھ واقع ہوتے ہیں، اس کے ساتھ اُن کو چھوڑ دینے سے باک نہیں رکھتے، اب اصل کی ممانعت ہی خلاف مصلحت ہے، ولہذا علمائے دین نے ایسے امور کی ممانعت سے بھی (کہ فی نفسہ خیر اور بسبب بعض عوارض خارجیہ کے مکروہ ہو گئے) منع فرمایا، کما مرّ من "الدر المختار"^(۳): "أما العوام فلا يمنعون من تكبير ولا تنقل أصلاً؛

(۱) لم نعر عليه.

(۲) "الفتاویٰ الحانویہ"، کتاب الصلاۃ، باب افتتاح الصلاۃ، فصل فی قراءۃ القرآن خطاً، الجزء الأول، ص ۸۰.

(۳) ای: ص ۱۳۸.

لَقَلَّةَ رَغْبَتِهِمْ فِي الْحَيْرَاتِ“ (۱)۔

اور اسی نظر سے ”بحر الرائق“ میں لکھا: ”کسالی القوم إذا صلّوا الفجر وقت الطلوع لا ينكر عليهم؛ لأنهم لو منعوا يتركونها أصلاً، ولو صلّوا يحوز عند أصحاب الحديث، وأداء الحائز عند البعض أولى من الترك أصلاً“ (۲)۔

دیکھو ان اُطباءِ قلوب نے خلق کے مرضِ باطنی کو کس طرح تشخیص اور مناسب مرض کے کیسائے علاج کیا، جزاءہم اللہ أحسن الحزاء، برخلاف اس کے نئے مذہب کے علماء مسائل میں ہر طرح کی حدت کرتے ہیں، اور مستحبات ائمہ دین، مستحبات شرع متین کو شرک و بدعت ٹھہراتے ہیں، تمام ہمت ان حضرات کی نیک کاموں کے مٹانے میں (جو فی الجملہ رونقِ اسلام کے باعث ہیں) مصروف ہے، اس قدر نہیں سمجھتے کہ لوگ انہیں چھوڑ کر کیا کام کریں گے؟! اور جو روپیہ کہ ان کاموں اور انبیاءِ اولیاء کے اعتقاد میں صرف کرتے ہیں وہ کس کام میں صرف ہوگا؟! ہم نے تو ان حضرات کے احتساب و نصیحت کا اثر یہی دیکھا ہے کہ مسلمانوں میں ایک نیا اختلاف اور روزمرہ کا جھگڑا پیدا ہو گیا، ایک مذہب کے دو ہو گئے، کوئی کسی کو مشرک و بدعتی، اور وہ اس کو دوبابی گمراہ جہنمی کہتا ہے، کسی نے مجلسِ میلاد چھوڑ کر مسجد نہیں بنوائی، یا گیارہویں اور فاتحہ کے عوض دو چار طلبہ علم کو ایک وقت روٹی نہ کھلائی، کسی نے وہ روپیہ ناچ رنگ میں صرف کیا، اور جو عیاش نہ تھا اُس نے سوائے ڈیوڑھے پر لوگوں کو قرض دیا، سیکڑوں میں دو چار ایسے بھی سہی کہ انہوں نے سال میں ایک دو بار دوبابی

(۱) ”الدر“، کتاب الصلّٰۃ، باب العیدین، ۱۱۸/۵۔

(۲) ”البحر“، کتاب الصلّٰۃ، ۴۳۷/۱ بتصرف۔

مولویوں کو دعوت بھی کھلا دی، اپنے واسطے دین کو مٹانا، اور خلقِ خدا کو بہکانا، کس مذہب و ملت میں روا ہے؟! اگر حسدِ طبع اور دناستِ صرف کو گوارا نہیں کرتے، اور ”لا تصرف“ کے سوا تم نے کچھ نہیں پڑھا ہے تو یہ افعال فرض و واجب نہیں! اور نہ تم سے کوئی مواخذہ کرتا ہے! مگر دوسرے کو مانع ہونے، اور اس غرض کے لئے نئے اصول اختراع کرنے، اور نیا مذہب بنانے سے کیا فائدہ؟!۔

معاذ اللہ دناست اور حسد اس حد کو پہنچی کہ جس کام میں روپیہ کا خرچ پاتے ہیں اُس کے مٹانے میں کس درجہ اصرار فرماتے ہیں!، صرف کرنا تو ایک طرف، دوسروں کو خرچ کرتے دیکھ کر گھبراتے ہیں! یہی وجہ ہے کہ ذی الطبع، قاسی القلب اس مذہب کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں، صرف کو تو اپنا نفس نہیں چاہتا، لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کا یہ حیلہ خوب ہاتھ آتا ہے کہ ”ہم کیا کریں، ہمارے علما ان امور کو بدعت بتاتے ہیں“، ان صاحبوں نے بخلِ نفس کا نام اتباعِ سنت رکھا ہے، اور تعظیم و تکریمِ انبیاء و اولیاء سے انکار کو تو حید ٹھہرایا ہے۔

قاعدہ ۶

مشابہتِ کفار و مبتدعین کی ممانعت چند امور پر موقوف:

اولاً: نیت و قصدِ مشابہت؛ لَأَنَّ الْأَعْمَالَ بِالنِّيَّاتِ، وَلِكُلِّ أَمْرٍ مَا نَوَى. وَفِي ”الْأَشْبَاهِ“: ”الْأُمُورُ بِمَقَاصِدِهَا“^(۱). وَفِي ”الدَّرِّ الْمُخْتَارِ“ نَاقِلًا عَنْ ”الْبَحْرِ“: ”فَإِنَّ التَّشْبِيهَ بِهِمْ لَا يَكْرَهُ فِي كُلِّ شَيْءٍ، بَلْ فِي الْمَذْمُومِ وَفِيمَا يَقْصَدُ بِهِ التَّشْبِيهُ“^(۲).

(۱) ”الْأَشْبَاهِ“، الْفَنُّ الْأَوَّلُ، الْقَوَاعِدُ الْكُلِّيَّةُ، الْقَاعِدَةُ الثَّانِيَّةُ، ص ۲۲.

(۲) ”الدَّرِّ“، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ مَا يَفْسِدُ الصَّلَاةَ وَمَا يَكْرَهُ فِيهَا، ۸۵/۴.

حدیث: ((مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))^(۱)، اور دیگر احادیث میں جو مماثبتِ مشابہت میں ہیں جیسے حدیث: ((لَيْسَ مِمَّنْ تَشَبَهَ بِغَيْرِنَا))، اور: ((لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى))^(۲) لفظِ تشبہ وارد، خاصہ بابِ تَفَعُّل کا تکلف، کْتَمَرَضُ وَتَكْوَفُ: اُی: اَظْهَرَ نَفْسَهُ مَرِيضًا وَتُخَوِّفًا وَلَمْ يَكُنْ.

شیعوں عبادات اور صدہا معاملاتِ اہل اسلام و کفار مبتدعین باہم قشایہ یا متحد ہیں، مگر بدون نیت و قصدِ مشابہت با اتفاقِ فریقین حرام و مکروہ نہیں ہو جاتے، بلکہ کمتر فرائض و واجباتِ اسلام ایسی مشابہت و اتحاد سے پاک نظر آتے ہیں، یہاں روزہ ہے، تو ہنود برت رکھتے ہیں، اور کفار بھی اپنے معبودانِ باطل کے لئے سجدہ و طواف کرتے ہیں، اور یہ افعالِ مشرکانِ عرب میں خدا کے واسطے بھی رائج و معمول تھے، اور اب بھی کفار سجدہ وغیرہ عباداتِ معبودِ بحق کے واسطے بجالاتے ہیں، اور یہ عذر کہ ”حکمِ مشابہت ماورائے مشروعات کے لئے ہے“ محض نا تمام؛ کہ مشروعات سے اگر مصرحاتِ شرعیہ مراد، تو مجتہداتِ ائمہ دین اور امورِ مرؤجہٗ عصر صحابہ و تابعین نقض کے لئے کافی اور مادۂ اشکال بدستور باقی، اور جو مطلق افعال کہ شرع سے کسی طرح ثابت ہوں مستثنیٰ، تو متنازع فیہا امور (جن کہ کراہت خواہ ممانعت بدلیل مشابہت ثابت کی جاتی ہے) مشروعات میں داخل، اور حکمِ مشابہت سے خارج ہیں، اور کلام اُن کے ثبوت میں امرِ آخر ہے۔ کلام اس میں ہے کہ خصم پر جس کے نزدیک وہ افعال مشروعات سے ہیں احتجاجِ مشابہت کے ساتھ صحیح نہیں، علاوہ ازیں اگر حکم

(۱) ”سنن أبي داود“، کتاب اللباس، باب لبس الشهرة، ر: ۴۰۳۱، ص ۵۶۹.

(۲) ”جامع الترمذی“، أبواب الاستیغذان والآداب، باب [ما جاء] فی کراهیة إشارة

مشابہت قصد و نیت وغیرہ سے مشروط نہ ہو تو اس تقدیر پر چند افعال کے سوا سب احکام شرعیہ کا غیر معقول المعنی ہونا لازم آتا ہے، اور ہر زندقہ و ملحد کہہ سکتا ہے کہ ”جب مشابہت کفار تمہاری شریعت میں مطلقاً واجب الاحتراز ہے تو شارع نے ان عبادات و معاملات خصوصاً امثال سجدہ وغیرہ کو کس لئے جائز رکھا؟“۔

اور کلام محمد حیات سندھی مدنی رسالہ ”رد بدعات“^(۱) میں جس سے ”غایۃ الکلام“ میں استناد ہے: ”والتشبه بالكفار منہی عنہ، وإن لم يقصد ما قصدوه“^(۲)، وہ اس مقام سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا؛ کہ قصد ما قصدوه امر آخر، اور تحریری و قصد موافقت افعال میں دوسری بات ہے۔ عجیب تماشا ہے، یہ حضرات مطلق مشابہت بلا قصد موافقت موجب ممانعت و کراہت ٹھہراتے ہیں!، اور ان کے ائمہ مذہب اس کا انکار اور قصد و نیت کے اعتبار کا اقرار کرتے ہیں!۔ مولائے قوم ”تنویر العینین“ میں بجواب اس اعتراض کے کہ ”رفع یدین میں فرقہ شیعہ سے تشبیہ ہے“ لکھتے ہیں: ”ترك السنة للتحرز عن التشبه بالفرق الضالة ممنوع - إلى أن قال: - مع أننا لا نتحرز تشبه الفرق الضالة، بل اتفقت الموافقة“^(۳)۔

اور ان کے امام ثانی ”اربعین“ میں لکھتے ہیں: ”فرستادن جنس غلہ وغیرہ از طرف نانہال مولود اگر بہ نیت صلہ رحم باشد جائز است - إلى أن قال: - واگر ادائے رسم جہالت باشد جائز نیست؛ کہ در آن محبتہ برسم ہنود لازم خواهد آمد، و آن درست

(۱) ”رد بدعات“...

(۲) ”غایۃ الکلام“...

(۳) ”تنویر العینین“...

نہیں، قال علیہ السّلام: ((مَنْ تشبّه بقوم فهو منهم))^(۱)۔

پس حکم مخالفین بر خلاف احادیث واقوال علمائے دین اور اپنے ائمہ طریق کے کب قابل التفات ہے؟

دوم: جس فعل میں مشابہت واقع ہے شعار مذہب اُن کا ہو، صرح بہ العلماء فی ”شرح الفقہ الاکبر“ لمولانا علی القاری رحمہ اللہ: ”اَنَا ممنوعون من التشبيه بالكفرة وأهل البدعة في شعارهم، لا منهيون عن كلّ بدعة، ولو كانت مباحة، سواء كانت من أفعال أهل السنة أو من أفعال الكفرة وأهل البدعة، فالمدار على الشعار“^(۲)۔

”غرائب“ میں زقار وغیرہ علامات کفر کا ارتکاب باعتبار عقاد و بلا اعتقاد ہر طرح کفر ٹھہرا کر لکھتے ہیں: ”افتدی بسیرتہم النی لا یکون دنیا عندهم، وإنما یکون لهوا، فإنه لا یحکم بکفره“^(۳)۔

سوم: خصوصیت فعل کی کسی فرقہ مخالف کے ساتھ اور ممانعت مشابہت کی اُس میں خاص اُس حالت میں متصور کہ احداث اُس فعل کا اُس فرقہ سے ثابت ہو، ورنہ ہمیں ترک اپنی عادت کا کہ کفار اہل بدعت پہ تقلید و اقتداء ہماری اختیار کر لیں ضرور نہیں۔ جس طرح اب عمامہ وغیرہ ہنود میں مروّج ہو گیا، مگر تمام ملک کے اہل حق

(۱) ”اربعین“ ...

(۲) ”منح الروض الأزهر فی شرح الفقہ الاکبر“، [التشبه بغير المسلمين]، ص ۴۹۶۔

(۳) ”غرائب“ ...

اُسے بالکل ترک کر دیں یہاں تک کہ اب جو کرے وہ بوجہ اس فعل کے فرقہ مخالف میں خیال کیا جائے، اسی طرح جو فعل کسی ملک میں فرقہ مخالف کے سوا اپنے اہل مذہب میں اصلاً نہ پایا جائے خصوصاً جب عامہ اہل ملت اُس پر تشفی و ملامت کریں، اور اجنبی لوگ مرتکب کو خواہ مخواہ فرقہ مخالف سے خیال کریں، جیسے جاکٹ پتلون وغیرہ کہ ان ملکوں میں انگریزوں ہی میں مرڈن ہے، اور ملکِ روم میں مسلمانانِ شرک بھی پہنتے ہیں، اس لباس کا ملکِ ہند میں پہننا ہے جا، اور ملکِ روم میں جائز و روا ہے۔

چہارم: اگر عادت کفار و مبتدعین کی بدل جائے، اور اب اُن میں عادت و رواج نہ رہے، یا رواج عام ہونے سے خصوصیت اُن کے ساتھ باقی نہ رہے، یہاں تک کہ شعرا اُن کا نہ سمجھا جائے، تو حکم بھی نہ رہے گا۔

قسطلانی مسئلہ طیلساں^(۱) میں لکھتے ہیں: ”أما ما ذكره ابن القيم من قصة اليهود^(۲)، فقال الحافظ ابن حجر: إنما يصح الاستدلال به في الوقت الذي تكون الطيالة من شعارهم، وقد ارتفع ذلك في هذه الأزمنة فصار داخلًا في عموم المباح، وقد ذكره ابن عبد السلام^(۳) -رحمه الله-

(۱) ”المواهب“، المقصد الثالث فيما فضل الله تعالى به، الفصل الثالث فيما تدعو ضرورته إليه من غزائه... إلخ، النوع الثاني في لباسه وفراشه، صفة إزاره تخت، ۳۱۱/۶.

(۲) ”زاد المعاد في هدي خير العباد“، فصول في أموره الخاصة به من نسبه... إلخ، فصل في ذكر سرويله ونعله وعاتمه وغير ذلك، ۱۳۴/۱.

(۳) لم نعر عليه.

فی أمثلة البدعة المباحة“ (۱)۔

حاصل یہ کہ حکم مشابہت اُس حالت میں صحیح ہوگا جب فعل فرقہ مخالف کا ایجاد اور اب بھی اُن میں رائج و معمول ہو، اور اس کے ساتھ وہ فعل شعار و علامات کفر سے ہو، اور فاعل موافقت کفار کی اُن کے شعار میں قصد کرے، اور ارتکاب غیر شعار کا (کہ کفار خواہ مبتدعین نے ایجاد کیا اور اب خاص انہیں میں رائج و معمول ہے) بہ قصد موافقت مخالفان مذہب گواہ فرقہ میں داخل نہ کرے، مگر معصیت و گناہ، اور بدون اس قصد کے بھی بے جا ہے، مگر اس جگہ ایک امر کا بیان ضرور ہے کہ شرعاً بعض امور خارجیہ کے اختلاف سے حکم مشابہت نہیں رہتا، تو اختلاف امور داخلہ سے بالاولیٰ نہ رہے گا، ابتدائے کار میں حضور سید ابراہیم علیہ السلام مشابہت اہل کتاب سے احتراز نہ فرماتے، آخر الامر اُس سے منع کیا، اور روزہ عاشورہ کی نسبت (کہ ملت اسلام میں یہود سے اخذ کیا گیا) فرمایا کہ ((سال آئندہ زندہ رہوں گا تو نویں کاروزہ اُس کے ساتھ رکھوں گا)) (۲)۔

باوجود بقائے فعل کے صرف نویں کاروزہ ملانے سے مشابہت باقی نہ رہی، اور اس قدر تغیر و اختلاف کافی ٹھہرا، تو مطلق مشابہت ولو ببعض الوجوہ خواہ اتحاد اسم سے (اگرچہ اتفاقی ہو، اور فاعل ہزار طرح مشابہت کفر اور مبتدعین سے تبرا کرے) حکم کراہت و حرمت بلکہ کفر و شرک کا کردینا حقیقت مشابہت سے غفلت، اور بلاوجہ مسلمانوں کو ایذا پہنچانا، اور خواہ مخواہ برا ٹھہرانا ہے۔ اور نیز اس مقام سے ثابت

(۱) "فتح الباری" کتاب اللباس، باب التفتیح، تحت ر: ۵۸۰۷، ۱۰/۳۱۰۔

(۲) "صحیح مسلم"، کتاب الصیام، باب أي یوم یصام فی عاشوراء؟، ر: ۲۶۶۷۔

ہوا کہ ”مطلق مطابقت مشابہت کے لئے کافی نہیں“، اور مطابقت مجموعہ وجوہ میں غیر مقصود، اور امور متنازع میں غیر متحقق، تو جب تک مستہلکین مطابقت کی تحدید و تعیین آدہ شرعیہ خواہ اقوال علمائے شریعت سے (کہ فہم شریعات میں اُن کی رائے معتبر، اور محکم کو مسلم ہے) ثابت نہ کر دیں، استدلال احادیث مشابہت سے برخلاف اقوال علماء اور اُن کے قاعدہ کے (کہ سابق مذکور ہوئے) خلاف قاعدہ مناظرہ ہے۔

قاعدہ ۷

زمان و مکان کو بہتِ اضافت و نسبتِ شریفہ کے شرافت و بزرگی حاصل ہوتی ہے؛ کہ طاعت و عبادت اس میں زیادہ فائدہ بخشی ہے، اور برکات و انوار مضاعف ہوتے ہیں، اور نیک کام انبیائے کرام و اولیائے عظام کے حضور میں اور بعد وفات کے اُن کے مشاہد و محضرات میں عمدہ اثر رکھتے ہیں، اور یہی حکم کل متعہبات و مضافات کا ہے۔ بزرگی حرمین مکرمین کی بہتِ اضافت و نسبت کی طرف ذاتِ احدیت و حضرت رسالت کے، اور زیادتی ثواب طاعت کی اُن میں، اور اسی طرح شرف عصر نبوی اور عظمت اہل زمان اور زیادتی ثواب صحابہ کرام کے بدیہیات اسلام سے ہے۔

اور آیت کریمہ: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾^(۱)، میں لفظ ﴿جاءوك﴾ سے اس مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ حضور اقدس میں حاضر ہونا اور وہاں توبہ و استغفار کرنا

(۱) اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

(پ ۵، النساء: ۶۴)۔

قبول میں اہتمام رکھتا ہے۔

اور نیز کریمہ: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾^(۱) سے ثابت کہ ماہ رمضان کو شرف نزول قرآن نے عبادتِ صوم کے ساتھ مخصوص و ممتاز کیا؛ کہ صلہ موصول معنی تعلیل پر دال ”فا“ ﴿فَمَنْ شَهِدَ﴾ کی شاہد دوم مدعی ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ ”تفسیر کبیر“ میں بذیل کریمہ مذکورہ لکھتے ہیں: ”أما قوله تعالى: ﴿أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾، واعلم أن الله سبحانه لما خص هذا الشهر بهذه العبادة بين العلة لهذا التخصيص، وذلك هو أن الله تعالى سبحانه خصه بأعظم آيات الربوبية، فلا يعد أيضاً تخصيصه بأعظم آيات العبودية - إلى قوله: - فثبت أن بين الصوم وبين نزول القرآن مناسبة عظيمة، فلما كان هذا الشهر مختصاً بنزول القرآن وجب أن يكون مختصاً بالصوم^(۲)... إلخ۔

اور حدیث بخاری سے ثابت کہ جناب جبریل امین حضرت سید المرسلین سے علیہا الصلوٰۃ والسلام۔ رمضان میں ہر شب ملاقات اور دو قرآن کرتے اور حضور ان دنوں سب ایام سے زیادہ سخاوت کی طرف متوجہ ہوتے^(۳)۔

اور پروردگار عالم فرماتا ہے: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾^(۴)۔

(۱) رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔ (پ ۲، البقرة: ۱۸۵)۔

(۲) ”التفسیر الکبیر“، پ ۲، البقرة، تحت الآية: ۱۸۵، ۲/۲۵۱، ۲۵۲ ملقطاً۔

(۳) ”صحیح البخاری“، کتاب بدء الوحي، باب کیف کان بدء الوحي إلى رسول الله... إلخ، ر: ۶، ص ۲۔

(۴) اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بتاؤ۔ (پ ۱، البقرة: ۱۲۵)۔

دیکھو اُس پتھر کے پاس جس پر جناب ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر کعبہ بنایا، اور حج کی اذان دی، اور اُس پر قدم شریف کا نقش ہو گیا، کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ”اس پتھر کے پاس کھڑے ہونا اور عبادت الہی کرنا، گویا ابراہیم علیہ السلام کے پاس حاضر ہونا اور اُن کے سامنے خدا کی عبادت بجالانا ہے“^(۱)۔

اور ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾^(۲) کے ذیل میں لکھتے ہیں: ”کہ صفا مروہ کا شعائر الہی ہونا صرف بہ برکت ہاجرہ ہوا؛ کہ معیت خاصہ خدا انہیں دو پہاڑوں کے درمیان انہیں حاصل، اور مشکل اُن کی حل ہو گئی“^(۳)۔

اور ﴿وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرُ لَكُمْ﴾^(۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”بعض اُمکنہ مستتر کہ کہ مور و نعمت و رحمت الہی ہوں، یا بعض خاندان قدیم اہل صلاح و تقویٰ ایک خاصیت پیدا کرتے ہیں؛ کہ اُن میں توبہ و طاعت و موچپ سرعت قبول و موثر ثمرات نیک ہے“^(۵)۔

اور ”سورہ قدر“ کی تفسیر میں کہتے ہیں: ”اس سورت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات و طاعات کو بسبب اوقات نیک، و مکانات مستبرک، و حضور و اجتہاد“^(۱) ”تفسیر عزیزی“....

(۲) بیشک صفا و مروہ اللہ کے نشانوں سے ہیں۔ (پ ۲، البقرة: ۱۵۸)۔

(۳) ”تفسیر عزیزی“....

(۴) اور کہو: ہمارے گناہ معاف ہوں، ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔ (پ ۱، البقرة: ۵۸)۔

(۵) ”تفسیر عزیزی“....

صالحین ثواب و برکات میں زیادتی حاصل ہوتی ہے“ (۱)۔

وقال اللہ عزوجل: ﴿إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ﴾ (۲)۔

مفسرین کہتے ہیں: ”اُس تابوت میں موسیٰ اور ہارون کے تبرکات تھے، بنی اسرائیل لڑائی کے وقت اُس سے تبرک و توسل کرتے، اور اُس کی برکت سے ہمیشہ فتح پاتے، اسی طرح بہت احادیث صحیحہ اس مدعا پر صریح دال کہ اوقاتِ تبرک میں اہتمامِ حسنات زیادہ فائدہ رکھتا ہے“ (۳)۔

اور حدیث نسائی: ((خیر یوم طلعت فیہ الشمس یوم الجمعة فیہ خلق آدم)) (۴)۔

اور اکثر احادیث سے کہ در بابِ درود جمعہ وارد، اُس کے ساتھ یہ بات بھی

(۱) ”تفسیر فتح العزیز“، پ ۳۰، القدر، ص ۲۵۸۔

(۲) اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے، اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی، اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے۔ (پ ۲، البقرة: ۲۴۸)۔

(۳) ”معالم التنزیل“، پ ۲، البقرة تحت الآية: ۲۴۸، ۲۲۹/۱، ”لباب التأویل فی معانی التنزیل“، پ ۲، البقرة تحت الآية: ۲۴۸، ۱۸۸/۱، و”التفسیر الکبیر“، پ ۲، البقرة تحت الآية: ۲۴۸، ۵۰۶/۲۔

(۴) ”سنن النسائی“، کتاب الجمعة، باب ذکر فضل یوم الجمعة، ز: ۱۳۶۹، الجزء الثالث، ص ۸۹۔

ظاہر کہ ولادتِ انبیا اور وقائعِ عظیمہ سے زمانہ کو ایک خاصیت و امتیاز حاصل ہو جاتا ہے، اور وہ خاصیت اس کے امثال و نظائر میں ہمیشہ باقی رہتی ہے جس کی وجہ سے عبادت اور نیکی اُن میں زیادہ فائدہ بخشتی ہے۔

حدیثِ مسلم میں ہے کہ حضور بروزِ دو شنبہ روزہ رکھتے، کسی نے اُس کی وجہ دریافت کی، فرمایا: ((فیه ولدت وفیه أنزل علی))^(۱)۔

ملا علی قاری ((فیه ولدت وفیه هاجرت)) کے ذیل میں لکھتے ہیں: ”وفي الحديث دلالة على أنَّ الزمان يتشرف لما يقع فيه وكذا المكان“^(۲)۔

اور امام نووی^(۳) وغیرہ^(۴) بھی احادیث سے اس مطلب کو ثابت کرتے ہیں، اور ”صحیح مسلم شریف“ میں عتبّان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ”أصابني في بصري بعض شيء فبعثت إلى النبي ﷺ أتني أحب أن تأتيني وتصلّي لي في منزلي فأخذته مصلياً“^(۵)، وفي رواية: ”فحطّ لي

(۱) ”صحیح مسلم“، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة أيام من كلّ شهر، وصوم يوم عرفة، وعاشوراء والاثنين والخميس، ر: ۲۷۵۰، ص ۴۷۸۔

(۲) ”المعرفة“، کتاب الصوم، باب صیام التطوع، الفصل الأول، ۵۴۳/۴۔ (لکن فیه تحت الحديث ((فیه ولدت وفیه أنزل علی))۔

(۳) لم نعر علیہ۔

(۴) لم نعر علیہ۔

(۵) ”صحیح مسلم“، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أنَّ من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً، ر: ۱۴۹، ص ۳۸۸ بتصرف۔

عقلاً“ (۱)۔

امام نووی شرح میں کہتے ہیں: ”صالحین اور اُن کے آثار سے تبرک اور اُن کے نماز پڑھنے کی جگہ نماز پڑھنا اس حدیث کے فوائد سے ہے“ (۲)۔

”صحیح بخاری شریف“ میں موسیٰ بن عقبہ سے روایت کیا: ”میں نے سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کو نماز کے لئے تحرّیٰ بعض اُماکن کرتے دیکھا“، اور فرماتے کہ ”میرے باپ بھی ان مقامات میں نماز پڑھتے؛ کہ حضور کو پڑھتے دیکھا تھا“ (۳)۔

امام عینی اس کی شرح میں کہتے ہیں: ”الوجه الثاني في بيان وجه تتبع ابن عمر رضي الله عنه المواضع التي صلى فيها النبي ﷺ، وهو أنه يستحبّ التّبع لآثار النبي ﷺ والتبرّك بها، ولم يزل الناس يتبرّكون بآثار الصّالحين“ (۴)۔

امام احمد ”مسند“ میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں: ”أَنّ أبا بكر لما حضرته الوفاة قال: ”أيّ يوم هذا؟“ قالوا: يوم الاثنين،

(۱) ”معرفة الصحابة“، باب العين، ر: ۲۳۳۳، عتبان بن مالك الأنصاري الخزرجي، ر: ۵۵۸۰، ۵۸/۴۔

(۲) ”شرح صحيح مسلم“، كتاب الإيمان، باب الدليل على أنّ من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً، الجزء الأول، ص ۲۴۴۔

(۳) ”صحيح البخاري“، كتاب الصلاة، باب المساجد التي على طرق المدينة والموضع التي صلى فيها النبي ﷺ، ر: ۴۸۳، ص ۸۳۔

(۴) ”عمدة القاري“، كتاب الصلاة، باب المساجد التي على طرق المدينة والموضع التي صلى فيها النبي ﷺ، ۵۶۸/۳، بتصرف۔

قال: "فإن مت من ليلتي فلا تنتظروا في الغد؛ فإن أحب الأيام والليالي إليّ أقربها من رسول الله ﷺ" (۱).

"استيعاب" میں صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول کہ آپ اپنے اہل کی عورتوں کا شوہروں کے ساتھ زفاف ہونا شوال میں دوست رکھتیں، اور فرماتیں: "هل كان في نسائه عنده أحظى مني وقد نكحني واتبني بي في شوال" (۲).

"طحاوی"، "منہاج طیبی" (۳) و "شعب الایمان" (۴) بیہقی سے نقل کرتے ہیں: "أن الدعاء مستجاب يوم الأربعاء بعد الزوال قبل وقت العصر؛ لأنه ﷺ استجاب له على الأحزاب في ذلك اليوم، وكان جابر يتحرى ذلك في مهماته، وذكر أنه ما بدئ شيء يوم الأربعاء إلّا تم، فينبغي البداية بنحو التدريس فيه" (۵) ... إلخ۔

شعرانی "كشف الغمہ" میں لکھتے ہیں: "وكانت الصحابة -رضي الله

(۱) "المسند"، مسند أبي بكر الصديق، ر: ۴۵، ۲۹/۱، ۳۰.

(۲) "الاستيعاب في معرفة الأصحاب"، كتاب النساء، باب العين، ر: ۴۰۲۹، ۱۸۸۲/۴.

(۳) "منہاج طیبی"

(۴) "شعب الإيمان"، الباب الثالث والعشرون من شعب الإيمان وهو باب في الصيام، صوم شوال والأربعاء، والخميس، والجمعة، ر: ۳۸۷۴، ۱۴۲۰/۳.

(۵) "حاشية الطحاوي على الدر المختار"، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ۲۰۲/۴ بتصرف.

تعالیٰ عنہم۔ یتبعون آتَارَ النَّبِيِّ ﷺ (۱) ... إلخ۔

”جذب القلوب“ میں ہے کہ ”ایک روز امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ مسجد قبا میں آئے، فرمایا: ”خدا کی قسم میں نے پیغمبر ﷺ کو دیکھا کہ خود بدولت اس مسجد کی تعمیر میں اپنے یاروں کے ساتھ پتھر ڈھلواتے تھے، اگر یہ مسجد عالم کے کسی کنارے پر ہوتی، ہم اُس کی طلب میں کس قدر مسافتِ دراز طے کرتے!“، پھر آپ نے شاخہائے خرما کی جھاڑو بنا کر اس مسجد کو اپنے ہاتھ سے جھاڑا (۲)۔

باقی رہے اقوال و افعال ائمہ دین و علمائے محققین، سو امام عینی ”شرح صحیح بخاری“ میں لکھتے ہیں: ”تبرک بمواضع صالحین عہدِ صحابہ و تابعین سے مستر رہا ہے“ (۳)۔ اور امرِ مستمر میں احاطہ اور استیعاب اقوال و افعال جس قدر دشوار ہے ہر شخص جانتا ہے، مگر چند اقوال مستندین و مکررین سے نقل کر دینا مناسب۔

شاہ ولی اللہ صاحب ”ہمعات“ کی بحثِ طہارت میں لکھتے ہیں: ”حقیقتِ طہارت منحصر نیست در غسل و وضو، بلکہ بسیار چیز ہادر حکم وضو و غسل مستند، چنانچہ صدقہ دادن و فرشتگان و بزرگان را بخوبی یاد کردن در مواضع متبرکہ و مساجد معظمہ و مشاہد سلف مکلف شدن“ (۴)۔۔۔ إلخ۔

(۱) ”کشف الغمۃ“، کتاب الصَّلَاة، باب آداب الصَّلَاة و بیان ما ینہی عنہ فیہا وما یناح، الجزء الأول، ص ۱۱۷۔

(۲) ”جذب القلوب“، باب ۹، مسجد قباء... إلخ، ص ۱۷۸۔

(۳) ”عمدة القاری“، کتاب الصَّلَاة، باب المساجد التي علی طرق المدينة والمواضع التي صلی فیہا النبی ﷺ، ۵۶۸/۳ بتصرف۔

(۴) ”ہمعات“، ہمہ ۹، ص ۳۶ ملقطاً بتصرف۔

شاہ عبدالعزیز صاحب ”تفسیر عزیزی“ میں لکھتے ہیں: ”در عشرہ محرم ثواب بحساب صبر ورنجی کہ شہد اور راہِ خدا کشیدہ اند دریں ایام ہار و اوج مقدس آئینہ نازل میشود“ (۱)۔
﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (۲) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
”کلام و انقاس و افعال و مکانات اور مصاحبوں اور اولاد و نسل زائرین میں برکت پے در پے ظاہر ہوتی ہے“ (۳)۔

اور فضائل و قربِ چاشت میں کلام کرنا حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے، اور ایمان لا نا سحر و فرعون کا شمار کر کے لکھتے ہیں: ”پس اس وقت نور حق ظلمات باطلہ پر علی وجہ الکمال غالب آیا، کہ امت سابقہ میں اثر اُس کا ظاہر ہوا“ (۴)۔
اور خصوصیات شبِ قدر میں کہتے ہیں: ”یہ رات چند جہات سے شرف رکھتی ہے۔ الیٰی ان قال:- تیسرے: نزولِ قرآن اس رات واقع ہوا، اور یہ ایسا شرف ہے کہ نہایت نہیں رکھتا، چوتھے: پیدائش فرشتوں کی بھی اس رات میں ہے“ (۵)۔

”شرح صحیح بخاری“ میں شیخ زین الدین رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: ”امّا تقبیل الأماكن الشریفة علی قصد التبرک و كذلك تقبیل أهدی الصالحین وأرجلهم فهو حسن محمود باعتبار القصد والنية. وقد سأل أبو هريرة -رضي الله عنه- الحسن -رضي الله عنه- أن يكشف له المكان الذي قبله“ (۱) ”تفسیر عزیزی“....

(۲) ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔ (ب ۱، الفاتحة: ۶)۔

(۳) ”تفسیر عزیزی“....

(۴) ”تفسیر عزیزی“....

(۵) ”تفسیر فتح العزیز“، پ ۳۰، القدر: ۲۵۸۔

رسول الله من سرته، فقبله تبركاً بآثاره وذريته عليه السلام.

وقد كان ثابت البناني -رحمه الله- لا يدع يد أنس حتى يقبلها ويقول: يد مسّت يد رسول الله ﷺ. وقال أيضاً: أخبرني الحافظ أبو سعيد بن العلاء، قال: رأيت في كلام أحمد بن حنبل -رضي الله عنهم- في جزء عليه خطّ ابن ناصر وغيره من الحفاظ: أنّ الإمام أحمد سئل عن تقبيل آثار النبي -صلى الله عليه وسلم- وتقبيل منبره فقال: لا بأس به، فرأيناه للشيخ ابن تيمية فصار يتعجب من ذلك، وقال: أيّ عجب في ذلك، وقد روينا عن الإمام أحمد أنّه غسل قميصاً للشافعي وشرب الماء الذي غسله به، وإذا كان هذا تعظيمه لأهل العلم فكيف بآثار النبي صلى الله عليه وسلم! ولقد أحسن محنون ليلي حيث يقول:

أمر على الديار ديار ليلي أقبل ذا الحدار وذا الحدارا
وما حبّ الديار شغفن قلبي ولكن حبّ من سكن الديارا

قال المحبّ الطبري: "يمكن أن يستبطن من تقبيل الحجر واستلام الأركان جواز تقبيل ما في تقبيله تعظيم الله تعالى؛ فإنّه إن لم يرد فيه خير بالندب لم يرد بالكرهه أيضاً. وقال: قد رأيت في بعض تعليق جدّي محمد بن أبي بكر عن الإمام محمد -رحمه الله- أنّ بعضهم كان إذا رأى المصاحف قبلها، وإذا رأى أجزاء الحديث قبلها، وإذا رأى قبور الصالحين قبلها، قال: ولا يعد هذا في كلّ ما فيه تعظيم الله تعالى، والله تعالى أعلم^(١).

(١) "عمدة القاري"، كتاب الحجّ، باب ما ذكر في الحجر الأسود، تحت ر: ١٥٩٧، ١٦٦/٧، ١٦٧، ملحقاً بتصرف.

اور علمائے دین شرف ماہ ربیع الاول شریف کی بجہت ولادت باسعادت اور زیادتِ حسنات و خیرات کے اس ماہ مبارک میں بتفریح قائل ہیں، یہاں تک کہ علامہ ابن الحاج بھی (جن سے منکرین خاص مسئلہ مولد میں استناد کرتے ہیں) اس امر کے معترف اور مبقر ہیں۔ مگر پورے کلام کے ساتھ دیکھنا اور کسی کی پوری بات ماننا نصیب اُعدا اس فرقہ کے حصہ میں نہیں آیا، اکثر متکلمین اُن کے برہیلہ تنزل خاص اُزمہ وقوع امور شریفہ کو فضل و شرف کے ساتھ مخصوص اور اُن کے امثال و نظائر سے بالکل مسلوب سمجھتے ہیں، اور تغلیطِ عوام کے لئے شرفِ عیدین سے جواب دیتے ہیں کہ ”فضل و شرف اِن کا باعتبار تجددِ نعمت کے ہے، کلام اس میں ہے کہ بدون تجددِ ماہِ الشرف کے امثال و نظائر کو با آنکہ صد ہزار ہا برس کا فصلِ اصل سے رکھتے ہیں، شرف کس طرح حاصل ہوا؟“۔ جس حالت میں اشاراتِ متون و تصریحاتِ حدیث و اقوال و افعال صحابہ و تابعین و ائمہ و اکابر علمائے دین سب اس مسئلہ میں کہ امثال و نظائر بھی شرفِ اصل سے مشرف ہو جاتے ہیں متوافق، اور علمائے سابقین کتاب و سنت سے اسے ثابت کرتے ہیں، تو ان مدعیانِ خامکار کا انکار، یا اُن کے مستندین کے مضطرب کلمات کب قابلِ التفات ہیں؟! اس سے یک لخت اعراض اور اپنے خیالات یا ایسے اقوالِ شاذہ پر کہ صریح مخالفِ حجِ شرعیہ واقع اس درجہ اصرار کب جائز ہے؟!۔

اور سنئے! جب کوئی متکلم اُس فرقہ کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو عیدین کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، کہتے ہیں: ”شرفِ عیدین بسببِ اصل کے نہیں بلکہ بوجہ تجددِ نعمت کے“، اور یومِ جمعہ سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں، جس کی بزرگی بجہت و قائل کے (کہ غیر متجدد ہیں) احادیث میں مصرح۔

اور نیز امام قسطلانی ”مواہب“ میں لکھتے ہیں: ”والجواب أن يوم الجمعة يوم الكمال والتمام، وحصول الكمال والتمام يوجب الفرح الكامل والسرور العظيم، فجعل الجمعة يوم العيد أولى من هذا الوجه“^(۱)۔ اسی طرح ذکر عدم قرار زمان کا اس بحث میں، اور استہاد ”تحفہ اشاعریہ“ سے اس باب میں بے جا، مطلب صاحب ”تحفہ“ کا وہ ہرگز نہیں جو ان بزرگواروں نے سمجھا ہے؛ کہ انہوں نے تفسیر وغیرہ اپنی تحریرات میں بہت جگہ (جن میں بعض کا ذکر ابھی گزرا) شرف اصل نظائر و امثال کے لئے بتقریح ثابت کیا ہے۔

اور مولوی شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ ”مسائل“ میں لکھتے ہیں: ”زمانہ اگر چہ سیال غیر قاراست، اما آنچہ ہاں تقدیر کردہ میشود زمان را از شب و روز و ماہ و سال آنہارا شرعاً و عرفاً دورہ مقرر است، چوں یک دورہ تمام میشود باز از سر شروع میشود یہ ہمیں حساب رمضان شہر صوم و ذی الحجہ شہر حج و ہم چنیں شہور دیگر را در دورہ حکم اتحاد بانظیر داده می شود، چنانکہ در حدیث است کہ یہود عرض کردند در حضور جناب نبوت کہ حق تعالیٰ نجات حضرت موسیٰ علیہ السلام و غرق فرعون در ایں روز کردہ است، برائے شکرانہ روزہ میکیریم، جناب نبوت فرمودند: ((نحن أحق من تبع بموسى فصام يوم عاشوراء وأمر الناس بصيامه))، و نیز حضرت وی علیہ السلام را وصیت کردند بصوم روز دوشنبہ فرمودند: ((فيه ولدت وفيه أنزل عليّ، وفيه هاجرْتُ،

(۱) ”المواہب“، المقصد الثامن في طه ۱۱۱ للذوي الأمراض والعاهات، النوع الثالث في طه عليه الصلوة والسلام بالأدوية المركبة من الإلهية والطبيعية، الفصل الخامس فيما كان عليه يقول بعد انصراف من الصلوة، الباب الثاني في ذكر صلاته ۱۰/۴۸۴ بتصرف۔

وفیه اُموت))^(۱)... إلخ.

بالجملہ مشرف و ممتاز ہونا زمان و مکان کا بجہت وقوع امور شریفہ و وقائع عظیمہ کے اور باقی رہنا فضل و شرف کا امثال و نظائر زمان میں، اسی طرح شرافت و بزرگی ہر اس چیز کی جو حضرت احدیت اور انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام سے ایک خاص تعلق و نسبت رکھتی ہو، کتاب و سنت و اقوال و افعال صحابہ و علمائے ملت سے اس طرح ثابت ہے کہ اگر کوئی قول کسی کا اس کے خلاف مومن بھی ہو، اصلاً قابل لحاظ و اعتبار نہیں، باوجود اس کے کلام بعض محکمین مذہب جدید کا محض مکاریہ و عناد ہے، واللہ یهدی من یشاء إلی سبیل الرشاد.

قاعدہ ۸

تعامل خواص و عوام اہل اسلام اصل شرعی ہے، کتب فقہ میں صد ہا جزئیات اس سے متفرع، اور بہت امور دینی اس پر مبنی، قال اللہ عزّ وجلّ: ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾^(۲).

اور اس میں شک نہیں کہ جو امر مسلمانوں میں مروج اُسے طریق مسلمین اور روش مؤمنین کہنا بجا، کما فی "الدر المختار": "وہما قید العبد تحرراً عن

(۱) "مسائل"....

(۲) اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے، اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے، اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ (پ ۵، النساء: ۱۱۵).

التمرّد والآباق، وهو سنّة المسلمين في الآفاق^(۱)، وفي "ہستان الفقہ" لأبي الليث -رحمہ اللہ- في مسألة كتابة العلم: "ولأنّهم توارثوا ذلك فصار ذلك سبيل المسلمين، وسبيل المسلمين حقّ"^(۲)۔

اور حدیث "ابن ماجہ" میں ہے: ((أتبعوا السواد الأعظم؛ فإنّہ من شدّ شدّ في النّاس))^(۳)۔

امام اعظم رحمہ اللہ اکثر مسائل میں عرف و عادت اہل اسلام پر اعتبار کرتے ہیں، "ہدایہ" میں: "ما لم ينصّ عليه فهو محمول على عادات النّاس"^(۴)۔ اور نیز اُس میں ہے: "لأنّہ هو المتعارف فينصرف المطلق إليه"^(۵)۔

اور بنائے ایمان، و نذور، و وصایا، و اوقاف کی تو اسی پر ہے، اور در باب مہر قول محقق حنفیہ کا یہی قرار پایا ہے کہ بصورت عدم تعیل و تاخیر قدر متعارف ہی معتبر ہے، اور امر تعظیم، و توقیر، و توہین، و تحقیر میں بھی بالکلیہ عادت قوم و رواج دیار ہی کا اعتبار ہے۔ عرب میں باپ اور بادشاہ و عالم کو لك ومنك و إليك کے ساتھ خطاب کرتے ہیں، جس کا ترجمہ "تُو" ہے، اِن دیار میں کسی معظّم کو "تُو" کہنا گناہ اور ہمسر

(۱) "الدر"، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ۲۵۲/۵۔

(۲) "ہستان الفقہ"...

(۳) "المشكاة"، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، ز: ۱۷۴، ۹۷/۱ نقلًا عن ابن ماجة۔

(۴) "الهدایہ"، کتاب البيوع، باب الربا، الجزء الثالث، ص ۶۳۔

(۵) "الهدایہ"، کتاب البيوع، الجزء الثالث، ص ۲۴ بتصرف۔

کو بھی اس طرح خطاب کرنا ہے۔ اسی طرح عرب میں تعظیم بالقیام کا رواج عام نہ تھا، بخلاف ان بلاد کے کہ اگر ان ملکوں میں معظّمین کی قیام کے ساتھ تعظیم نہ بجالائے گا، عندا الشرع وعندا الخلق مُلام ہوگا، و نیز اُس کے ترک میں بلا ضرورت شرعیہ مسلمان کا دل دکھانا، اور عوام کی نظر میں اُس معظّم کو حقیر ٹھہرانا، یا اُسے اپنی پر خاش و ایذا پر آمادہ کرنا ہے، یہ سب امور شرعاً و عقلاً بے جا ہیں۔ اور نیز موافقت باعینِ اسرار و الفت ہے؛ کہ مرادِ شارح اور شرعاً مطلوب ہے، اور مخالفت مَوْجِبِ وحشت اور بلا وجہ شرعی اہل اسلام سے ناروا ہے، ولہذا علمائے اعلیٰ آداب و اخلاق میں ہر مجلس سے موافقت غیر منہی عنہ میں پسند فرماتے ہیں، اور مخالفت کو بے جا ٹھہراتے ہیں۔

امام غزالی نے ادبِ خامس ”احیاء العلوم“ میں اسے نہایت تصریح سے بیان فرمایا ہے^(۱)، اور حدیث: ((عَالِفُوا النَّاسَ بِأَعْلَاقِهِمْ))^(۲) سے استناد کیا ہے، اور ”عین العلم“ میں تو بطور قاعدہ کلیہ کے لکھا ہے: ”وَالْأَسْرَارُ بِالمُسَاعَدَةِ فِيمَا لَمْ يَنْهَ عَنْهُ، وَصَارَ مَعْتَاداً فِي عَصَرِهِمْ حَسَنٌ، وَإِنْ كَانَ بِدْعَةً“^(۳)۔ اور بتصریح متکلم قنوجی^(۴) خیرتِ اہلِ قرنِ بدونِ خیرتِ خُلُقِ و سیرت غیر متصور، تو کریمہ:

-
- (۱) ”احیاء العلوم“ کتاب آداب السماع والوجد، الباب الثانی فی آثار السماع و آدابہ و فیہ مقامات ثلاثہ، المقام الثالث من السماع، الأدب الخامس، ۳۳۱/۲۔
 (۲) ”المستدرک“، کتاب معرفة الصحابة، ر: ۵۴۶۴، ص ۲۰۱۹۔
 (۳) ”عین العلم“، الباب التاسع فی الصمت و آفات اللسان، ۵۰۹/۱، ۵۱۰۔
 (۴) ”غایۃ الکلام“...

﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا﴾... إلخ^(۱)، اور آیت سراپا بشارت: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ﴾... إلخ^(۲) بھی اثباتِ مدعی میں کافی۔
 ”برجندی“^(۳) میں مذکور: ”العرف أيضاً حجة بالنص، قال: ما رآه المسلمون“^(۴)... إلخ۔

اور بہت علمائے دین اکثر معمولات و مقبولاتِ مسلمین کو برہنائے تعامل جائز و مستحسن ٹھہراتے ہیں، اور ملا علی قاری^(۵) اور محمد بن برہمتوشی^(۶) وغیرہما بعض امور کو بعد اعتراف اس کے کہ بدعت ہے، بدلیل اُس اثر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مستحسن ٹھہراتے ہیں۔

”در مختار“ میں قرأتِ فاتحہ بعد از نماز بغرض مہمات کو بدعت کہہ کر اپنے استاد سے برہنائے عادت استحباب اُس کا نقل کیا^(۷)، اور ”تجنیس“^(۸) وغیرہ بہت

(۱) اور بات یونہی ہے کہ ہم نے جنہیں کیا سب امتوں میں افضل۔ (پ ۲، البقرة: ۱۴۳)۔

(۲) تم بہتر امت ہو۔ (پ ۴، آل عمران: ۱۱۰)۔

(۳) ”شرح النقاہۃ“، کتاب البیع، فصل الربا، الجزء الثالث، ص ۳۱ بتصرف۔

(۴) ”المعجم الأوسط“، باب الزای، من اسمہ زکریا، ر: ۳۶۰۲، ۳۸۴/۲۔

(۵) ”المرفقاہ“، کتاب المناسک، باب حرم مکة حرسها اللہ تعالیٰ، الفصل الثانی،

تحت ر: ۲۷۲۵، ۶۰۲/۵۔

(۶) لم نعر علیہ۔

(۷) ”الدر“، کتاب الحظر والإباحہ، فصل فی البیع، ۲۷۲/۵۔

(۸) ”التجنیس والمزید“، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ۲۲۱/۲۔

کتابوں میں ذکرِ خلفائے راشدین و عثمان مکرّمین کو بآئندہ قرونِ ثلاثہ میں رواج نہ تھا،
 بوجہ توازن مستحسن کہا^(۱)، اور مجددِ دلفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس امر کی نہایت
 تاکید فرمائی^(۲)۔

اسی طرح تلاوت کریمہ: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾^(۳)...

الخ۔

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بجائے سب اہل بیت کہ
 عادت بنی امیہ کی خطبہ میں تھی مقرر کی، اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بدلیل اثر مذکور اُسے
 سنت مستحبہ کہا^(۴)، بعض فقہاء^(۵) نے تکبیر بعد از عید کی نسبت توازنِ مسلمین کا دعویٰ
 کر کے لکھا: ”فوجب اتباعهم، وعليه البلخيون“، کما فی ”الدر المختار“^(۶)۔

(۱) ”ردّ المختار“، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، ۴۲/۵، ۴۳، و”مراقی الفلاح شرح
 نور الإيضاح“، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، ص ۹۳، و”الهندية“، کتاب الصّلاة،
 الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ۱۴۷/۱۔

(۲) ”مکتوبات شریف“، مکتوب پانزدہم، حصہ ششم، ۳۱/۲۔

(۳) ترجمہ: بیشک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی کا۔ (پ ۱۴، النحل: ۹۰)۔

(۴) ”المرفقة“، کتاب الصّلاة، باب الجمعة، الفصل الأول، تحت ر: ۱۳۸۵،
 ۴۸۰/۳۔

(۵) ”البحر“، کتاب الصّلاة، باب صلاة العیدین، ۲۸۹/۲، و”غنية ذوي الأحكام“،
 کتاب الصّلاة، باب صلاة العیدین، ۱۴۶/۱۔

(۶) ”الدر“، کتاب الصّلاة، باب العیدین، ۱۵۰/۵۔

”کافی“ میں ہے: ”قولنا أقرب إلى عرف ديارنا فيفتي به“^(۱).

اور امام سخاوی و امام جزری نے مسئلہ مولد میں تعامل سے احتجاج کیا^(۲).

امام صدر کبیر ”محیط برہانی“ میں لکھتے ہیں: ”لا يكره الاقتداء بالإمام في النوافل مطلقاً نحو القدر، والرغائب، وليلة النصف من شعبان، ونحو ذلك؛ لأن ما رآه المسلمون حسناً، فهو عند الله حسن، خصوصاً إذا استمر في بلاد الإسلام والأمصار؛ لأن العرف إذا استمر نزل منزلة الإجماع، وكذا العادة إذا استمرت واشتهرت، وفي أكثر بلاد الإسلام يصلون الرغائب مع الإمام، وصلاة ليلة القدر ليالي رمضان، ولم يشتهر أن النبي ﷺ صلى ليلة النصف من شعبان، وليلة القدر، والرغائب، ومع ذلك صلى المؤمنون مع الجماعة في أكثر أمصار الموحدين، وبلادهم وما رآه المسلمون حسناً... إلخ.

وفي تلك الصلاة مع الجماعة مصالح وفوائد نحو رغبات المؤمنين في تلك الصلاة وإعطاء الصدقات من الدراهم، والأطعمة، والحلوى وغير ذلك، ومنع بعض الفضلاء ذلك، لكن إفسادهم أكثر من اصلاحهم؛ لأن في المنع منع الصدقات، ومنع رغبة الناس عن الحضور في الجماعات، وذلك ليس مرضياً عقلاً وسمعاً، ومن أفتى بذلك فقد أخطأ في دعواه^(۳)... إلخ ملخصاً.

(۱) ”الكافي“....

(۲) ”سبل الہدی والرشد“، الباب الثالث عشر فی أقوال العلماء... إلخ، ۱/۳۶۲.

(۳) ”المحیط البرہانی“....

”شرح نقایہ“ میں ہے: ”لا یکره الاقتداء بالإمام فی القدر والغرائب والنصف من شعبان؛ لأن ما رآه المسلمون“... إلخ^(۱)۔
اور ”یعنی شرح کتنز“ میں رومال کے مسئلہ میں تعامُل سے استیناد کرتے ہیں^(۲)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: ”هذا ما صحح المتأخرون لتعامل المسلمين“^(۳)۔

اور امام عینی ”شرح ہدایہ“ میں درباب عدم ارسال صید محرم لکھتے ہیں:
”وبذلك جرت العادة الفاشية، وهي من إحدى الحجج التي يحكم بها قال عليه السلام: ((ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن))“^(۴)۔
”الاشباه والنظائر“ میں ہے: ”إنما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلبت“^(۵)۔

”ہدایہ“ میں ہے: ”ومن أطلق الثمن كان على غالب نقد بالبلد؛ لأنه المتعارف، قال بعض العلماء أيضاً: العادة الفاشية مثل الإجماع“^(۱) ”شرح نقایہ“....

(۲) ”رمز الحقائق شرح كنز الدقائق“، كتاب الكراهية، فصل في اللبس، ص ۳۵۰۔

(۳) ”رد المحتار“، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، ۲۳۲/۵۔

(۴) ”البنایہ شرح الہدایہ“، كتاب الحج، باب الحنایات، فصل في الحنایة على الصيد، ۳۵۲/۴ بتصرف۔

(۵) ”الاشباه“، الفن الأول: القواعد الكلية، القاعدة السادسة: العادة محكمة، ص ۱۰۳۔

القولی“ (۱)۔

وفي ”الأشباه“: ”العادة محكمة وأصلها قوله عليه الصّلاة والسّلام: ((ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن))، ثم قال: واعلم أنّ اعتبار العادة والعرف يرجع إليه في الفقه في مسائل كثيرة حتّى جعلوا ذلك أصلاً“ (۲)۔

”ہستان فقیہ ابواللیث“ میں ہے: ”فلو شارط لتعليم القرآن أرجو أن لا بأس به؛ لأنّ المسلمين توارثوا ذلك“ (۳)۔

بالجملہ عرف وعادت وتعامل مسلمین شرعاً معتبر اور ایک دلیل شرعی ہے، اور بحالت عدم مزاحم اقویٰ خواہ مساوی کے وہی استدلال واحتجاج کے لئے کافی ہے، اور اضمحلال اُس کا کہ بمقابلہ نص وغیرہ جب قوی خواہ عدم استشہاد باوجود مساوی میطل تجیت نہیں، جس طرح مسئلہ اجارہ حائک میں، مثلاً نصف وغیرہ پر علمائے شیخ وخوازم نے تعامل پر عمل کیا، اور علامہ ابوعلیٰ نسفی نے اُس پر فتویٰ دیا، اوروں نے بدیں وجہ کہ تعامل بمقابلہ نص متروک ہے اُسے معتبر نہ ٹھہرایا، تو مسائل میں کلام محض مغالطہ دہی ہے، اور اس جگہ چند مباحث ہیں کہ ذکر اُن کا ضروری ہے۔

مبحث اول: عدم نقل معمول یہ قرون ثلاثہ سے احتجاج بالتعامل کو مانع

(۱) ”الہدایۃ“ کتاب البیوع، الجز الثالث، ص ۴۲۔

(۲) ”الأشباه“، الفن الأول: القواعد الكلية، القاعدة السادسة: العادة محكمة، ص ۱۰۱ ملقطاً۔

(۳) ”ہستان الفقه“....

نہیں؛ کہ علما نے صد ہا امور میں جو قرونِ ثلاثہ میں رائج نہ تھے اس سے استدلال کیا ہے، اور باوجود اس کے کہ بدعت و محدث ہیں جائز و مستحسن کہا ہے، اور یہاں سے ایرادِ مشکلمِ تنوہی کہ ”مسلمون سے اثر ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں صحابہ مراد ہیں^(۱)؛ کہ رولیت احمد^(۲) ویزار^(۳) وطبرانی^(۴) وطیالسی^(۵) رحمہم اللہ بایں الفاظ وارد کہ: ”إِنَّ اللَّهَ نَظَرَ فِي قُلُوبِ الْعِبَادِ فَاخْتَارَ لَهُ أَصْحَابًا جَعَلَهُمْ أَنْصَارَ دِينِهِ وَوُزَرَائِهِ، وَمَا رَأَاهُ الْمُسْلِمُونَ“... إلخ کہ ”غایۃ الکلام“ میں مذکور ساقط ہو گیا، اور نیز معمولات و مقبولاتِ مسلمین ہر عصر پر اطلاق ((ما رآہ المسلمون)) کا صحیح، باوجود اس کے کہ اُس کی تنقید صدر اول کے ساتھ محض بے جا، اور رولیت اثر مذکور ان الفاظ میں منحصر نہیں، اور حملِ مطلق مقتید پر خلافِ اصولِ حنفیہ، قطع نظر اس سے اس تقدیر پر موقعِ ضمیر کا تھا، اور ”فا“ مناسب تھی نہ ”واو“، کما لا یخفی۔

مبحث دوم: تعاملِ بلا و کثیرہ کا جو جمعِ بلاد میں نہ پایا جائے معتبر ہے؛ کہ فقہائے کرام نے جو مسائل تعامل و عرف و عادت پر مبنی کئے اُن امور کا ہزاروں بلاد میں نام و نشان نہیں ہے، اور علمِ بافتاقِ کل و ادراکِ حالِ جملہ بلادِ قریب بحال۔ تو اگر

(۱) ”غایۃ الکلام“....

(۲) ”المسند“، مسند عبد اللہ بن مسعود، ر: ۳۶۰۰، ۱۶/۲۔

(۳) ”مسند البزار“، مسند عبد اللہ بن مسعود، ر: ۱۷۰۲، ۱۱۹/۵۔

(۴) ”المعجم الکبیر“، باب من اسمہ عمر، ر: ۸۵۸۳، ۱۱۲/۹، ۱۱۳۔

(۵) ”مسند الطیالسی“، ما أسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ر: ۲۸۶،

یہ امر اعتبارِ تعامل خواہ قولِ جماعت کے لئے شرط ہوتا (جیسا متکلم قنوجی نے خیال کیا^(۱)) تو علما بالضرور اس حجت سے دست بردار ہو جاتے، اور سو ان امور کے کہ صدر اول میں مستمر رہے، کسی معاملہ میں اُس سے احتجاج نہ کرتے۔

”الاشباہ والنظائر“ میں تصریح ہے کہ: ”عادت غالبہ معتبرہ ہے، بلکہ ہر شہر کے لئے اُس کا عرف غالب اعتبار کیا جاتا ہے، کما مرّ من ”الہدایۃ“ فی مسأله النقد“^(۲)۔

”مظاہر الحق“ میں (کہ تصنیفِ معتدوہابیہ کی ہے) حدیث ”ابن ماجہ“^(۳) کے تحت میں لکھا ہے: ”یعنی جو اعتقاد قول و فعل اکثر علما کے ہوں اُن کی پیروی کرو“^(۴)۔۔۔ الخ۔

”مختصر الاصول“ میں ہے: ”لو ندر المخالف مع کثرة المحمّعين کإجماع غیر ابن عباس -رضی اللہ عنہ- علی العول، وغیر ابی موسیٰ الأشعری -رضی اللہ عنہ- علی أنّ النوم ینقض الوضوء لم یکن إجماعاً قطعياً؛ لأنّ الدلالة لا یتناولہ، والظاهر أنّه حجة لبعء أن یكون الراجح متمسک بالمخالف“^(۵)۔

”شرح عضدی“ میں ہے: ”لکن الظاهر أنّه یكون حجة؛ لأنّہ يدلّ

(۱) ”غایۃ الکلام“....

(۲) آی: فی ص ۱۰۱۔

(۳) آی: ((علیکم بالسواد الأعظم))۔

(۴) ”مظاہر الحق“....

(۵) ”مختصر الاصول“....

ظاہراً علی وجود راجح أو قاطع“ (۱)۔

کیا تماشا ہے کہ تحقق تعامل کا جمع بلاد میں شرط اعتبار ٹھہراتے ہیں!، اور عبارت ”در مختار“ سے: ”وحوّز بعض مشائخ بلخ بیع الشرب لتعامل أهل بلخ، والقیاس ینتک للتعامل، ونوقض بأنّه تعامل أهل بلدة واحدة“ (۲) استناد کرتے ہیں!، دعویٰ یہ کہ ”تعامل جملہ بلاد میں ہو تو معتبر ہے“، اور دلیل کا حاصل یہ کہ ”تعامل ایک شہر کا معتبر نہیں“۔

حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ علماء عرف و عادت بلدہ واحدہ کے اعتبار میں اختلاف رکھتے ہیں، بہت مشائخ اُس پر فتوے دیتے ہیں، جیسا اجارہ حاکم میں علمائے بلخ و خوارزم و علامہ نسفی سے منقول ہوا، اور اس مسئلہ میں علمائے بلخ نے اُسی شہر کے تعامل پر حکم دیا، اور ”فتح القدیر“ وغیرہ کتب فقہ میں بہت مسائل قاہرہ وغیرہ کے عرف و عادت پر بنا کئے۔ اور بہت علماء اُسے معتبر نہیں ٹھہراتے، نقض صاحب ”در مختار“ اس مذہب پر مبنی ہے، بھلا اس دلیل کو دعویٰ سے کیا علاقہ ہے؟! اس قدر بھی نہ دیکھا کہ وہی صاحب ”در مختار“ قرأت سورہ فاتحہ کو بعد نماز کے مہمات کے لئے جہراً بحوالہ اپنے استاد کے مستحب لکھتے ہیں، حالانکہ صد ہا بلاد و امصار میں اُس کا نام و نشان نہیں پایا جاتا!۔

بحث سوم: ”تعامل جس طرح معاملات میں حجت ہے، اُسی طرح عبادات میں معتبر ہے؛ کہ لفظ ”ما“ اثر ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سبیل المؤمنین کریم، اور

(۱) ”شرح عضدی“...

(۲) ”الدر“، کتاب إحياء الموات، فصل فی الشرب، ۵/۲۸۸۔

((اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ))^(۱) حدیث میں دونوں طرح کے احکام کو شامل، اور علما دونوں طرح کے احکام اُس پر بنا کرتے ہیں کہ بعض ہم نے بھی ذکر کئے، اور کوئی قاری عقلی و سمعی تحقیق نہیں تو تخصیص اُس کی معاملات کے ساتھ محض بے معنی ہے۔

ممحّث چہارم: ”ثبوتِ تعامل کے لئے نقلِ معتمد کی کافی ہے، اور یہی حال نقلِ اجماع کا ہے؛ کہ جس مسئلہ میں بعض ثقہ معتمد (جن کے بیان و تحریر پر وثوق ہو جائے) کسی مسئلہ میں تقریرِ خواہ تحریر سے تعامل یا اجماع کا دعویٰ کریں، اگر کوئی امر مزاحم اُن کے بیان کا نہ پایا جائے، تو صرف اُن کے لکھ دینے سے تعامل اور اجماع ثابت ہو جاتا ہے، اور ایسی تقریر و تحریر پر اعتماد اور نظر اُس کے تعامل و اجماع سے استناد کیا جاتا ہے۔

امام فخر الدین رازی ”محول“ میں فرماتے ہیں: ”الاجماع المروئی بطریق الأحاد صحّۃ؛ لأنّہ یفید الظنّیة لوجوب العمل بہ؛ ولأنّ الإجماع نوع من الصحّۃ، فیحوز السماع بمظنونہ، کما یحوز بمعلومہ قیاساً علی السنّة“^(۲)۔

اور ”أشباہ“ میں ہے: ”ویحوز الاعتماد علی کتب الفقہ الصحیحۃ“^(۳)، قال فی ”فتح القدير“ من القضاء وطریق نقل المفتی فی زماننا عن المحدث أمرین: ”إمّا أن یکون له سند فیہ إلیہ، أو یأخذ من کتاب معروف تتداولہ الأیدی، نحو کتب محمد بن الحسن ونحوها من

(۱) ”سنن ابن ماجہ“، کتاب الفتن، باب السواد الأعظم، ر: ۳۹۵۰، ص: ۶۶۹۔

(۲) ”المحول“....

(۳) ”أشباہ“ الفن الثالث: الجمع والفرق، أحكام الكتابة، ص: ۴۰۶۔

التصانيف المشهورة^(۱)، ونقل السيوطي عن أبي اسحاق الأسفرايني الإجماع على جواز النقل من الكتب المعتمدة ولا يشترط اتصال السند إلى مصنفها^(۲).

قاعدہ ۹

قول جمہور اکثر مثل قول کل حجت شرعی ہے، غالب الامر یہ کہ وہ قطعی، یہ ظنی ہے۔

کریم: ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور حدیث ”اتن ماجہ“ اور اثر ابن مسعود اس قاعدہ کے اثبات میں بھی کافی؛ کہ جس طرح رسم و رواج اکثر کو سبیل و سنت مسلمین کہتے ہیں، اسی طرح قول جمہور اکثر پر اطلاق اُس کا صحیح ہے۔

اور یہی حال اثر ابن مسعود کا ہے کہ اُسے ما راہ المسلمون کہنا صحیح اور بجا ہے، اور حدیث تو اتباع اکثر میں (قول میں ہو یا فعل میں) صریح ہے؛ کہ سواد اعظم سے جماعت کثیرہ متبادر۔

طیبی اس کی شرح میں مفردات^(۳) سے نقل کرتے ہیں: ”والسواد يعبر به عن الجماعة الكثيرة“^(۴).

(۱) ”الفتح“، کتاب أدب القاضي، ۶/۳۶۰ ملقطاً بتصرف.

(۲) ”الاشباه والنظائر“، القاعدة العشرون: المانع الطارئ هل هو كالمقارن، القول في الكتابة والحط، ۱/۳۱۰.

(۳) ”معجم مفردات ألفاظ القرآن“، السین، ص ۲۵۳.

(۴) ”الكاشف عن حقائق السنن“، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثاني، تحت ر: ۱۷۴، ۱/۳۳۹.

اور حدیث امام احمد بلفظ: ((علیکم بالجماعة والعامة))^(۱)،
وارد، اور عامہ اکثر بمعنی اکثر مستعمل۔

شیخ محقق دہلوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ”اشارت ست ہاں کہ
معتبر اتباع اکثر و جمہورست، چہ اتفاق کل در ہما احکام واقع، بلکہ ممکن نیست“^(۲)۔
اور استدلال علماء دلائل مذکورہ سے حجیت اجماع پر منافی مدعا نہیں؛ کہ
جب قول وفعل اکثر حجت ہے، تو اجماع بالاولی حجت ہوگا۔ ہاں یہ دعویٰ بعض
معاصرین کا کہ ”اسد لال ان سے اُس میں منحصر ہے“ محض غلط، معنی متبادر کو کالعدم
نظہرانا انہیں حضرات کا خاصہ ہے۔

بلکہ حدیث شریف میں تو جملہ ((مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّاسِ))^(۳) موجود،
اور جب خلاف کرنے والا پایا گیا، اجماع حقیقی نہ رہا، اور عُذْ وَبَعْدُ اعتقاد اجماع کے
مراد لینا بلا ضرورت و قرینہ خواہ خواہ حذف کا قائل ہوتا ہے۔ تو اس حدیث سے حجیت
اجماع پر اسد لال صرف بطریقہ دلالت انقص ہو سکتا ہے۔

دوسری روایت ”ابن ماجہ“ میں صاف تصریح ہے کہ ”جب امت میں
اختلاف دیکھو تو سوا اِعتِظَم کی پیروی واجب ہے“؛ ((إِنْ اُتِمَّتْ لَنْ يَجْتَمَعَ عَلَى

(۱) ”المسند“ مسند الأنصار، حدیث معاذ بن جبل، ر: ۲۲۰۹۰، ۸/۲۳۸۔

(۲) ”ابحہ الممعات“، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثالث، ۱/۱۵۷
ملقطاً۔

(۳) ”المشکاة“، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثاني، ر:

الضلالة، فإذا رأيتم اختلافاً فعليكم بالسواد الأعظم)) (۱)۔

بعض حضرات نے اس روایت میں ”فا“ تفریع کی دیکھ کر یہ ٹھہرا دیا کہ ”سواد اعظم بمعنی اجماع ہے“۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس جگہ مدلول سواد اعظم کا اجماع امت سے متحد ہے، لیکن اجماع حقیقی اختلاف کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، تو جماعت کثیرہ کو (کہ حکم اجماع میں ہے) اجماع امت سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اور اُس سے ضلالت کو مٹنی کیا ہے، اور استعمال ”اجماع“ کا جماعت کثیرہ میں بھی آتا ہے، اور جو امر اکثر کی طرف منسوب ہو، اُسے کُل کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ خود مشکلم قنوجی نے ”غایۃ الکلام“ کے مقدمہ میں لکھا ہے: ”وآخری در اکثر اصحاب و قرن باسکوت باقین مروج بود بمنزلہ سیرت و خلق جمیع اصحاب و ہمہ قرن باشد“ (۲)۔ اور سابق مذکور ہوا کہ علمائے دین اور اکابر محققین نے جیت قول جمہور پر اثر ابن مسعود سے استہدال کیا ہے، اور بہت معمولات و مرسومات اہل اسلام کو (کہ نہ قرون ثلاثہ میں رائج تھے، نہ کسی مجتہد نے تصریح فرمائی، نہ اُن کا رواج عام جمیع بلاد اسلام میں متحقق ہوا) صرف اسی اثر کی بنا پر مستحسن فرمایا ہے، اور کبھی اتفاق و اجماع کا دعویٰ کیا، اور انہیں مجمع علیہا ٹھہرایا ہے، بلکہ عمائد متکلمین و ہابیہ تصریح کرتے ہیں کہ ”علم باتفاق کُل غیر عصر صحابہ میں متصور نہیں“، تو جس جگہ ماورائے عصر صحابہ کے اجماع و اتفاق سے استہادہ ہو تو وہاں خواہ مخواہ قول جمہور ہی سے استہادہ سمجھا جاتا ہے، اور مشکلم قنوجی

(۱) ”سنن ابن ماجہ“، کتاب الفتن، باب السواد الأعظم، ر: ۳۹۵۰، ص ۶۶۹۔

بتصرف۔

(۲) ”غایۃ الکلام“....

نے تعلیم و تعلم صرف و نحو وغیرہ کو جمع علیہا لکھا ہے^(۱)۔ اور یہ امور عصر صحابہ میں نہ تھے، نہ علم باتفاق کل دوسرے عصر کا متصور، تو تعامل خواہ قول اکثر سے استناد، اور اُسی کو اجماع و اتفاق سے تعبیر کیا۔

کیا بلا ہے کہ یہ حضرات جس دلیل سے خود استناد کرتے ہیں، دوسروں کے استناد لال کے وقت اُس کو بے اعتبار ٹھہرا دیتے ہیں!، اس سے زیادہ تصریح لیجئے!، ”تفہیم المسائل“^(۲) میں خاص اس قاعدہ کو صرف اس غرض کے لئے کہ لفظ بسیاری از فقہاء سے (کہ کلام شیخ محقق دہلوی میں وارد استناد لال منظور ہے) بکمال شد و مد ثابت کیا، اور جب خصم نے استحسان مولد میں اُس سے استناد کیا تو ”غایۃ الکلام“ میں اُس کے بطلان پر اصرار ہے^(۳)، اور ”تفہیم“ میں جن دلائل کو مثبت اُس کا ٹھہرایا، یہاں اُن سے صاف انکار ہے^(۴)۔

ریس المحکمین فرقہ نے اس سے بھی پیش قدمی کی، اور بتقلید شیعہ اس قاعدہ کے ابطال میں کریمہ ع لَا الدِّینَ اَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَفَلَّیْلَ مَا هُمْ ﴿۵﴾ وغیرہ آیات سے استناد کیا۔ ان خرافات کے رد میں ”تختہ اشاعریہ“ کافی ہے، دوسری بلند پروازی انہیں بزرگواری کی دیکھئے کہ سواد اعظم سے حدیث میں مطلق

(۱) ”تعلیم و تعلم“ توحی....

(۲) ”تفہیم المسائل“....

(۳) ”غایۃ الکلام“....

(۴) ”تفہیم المسائل“....

جماعت (کہ دوسری جماعت سے اکثر ہو) مراد ہے، تو کفار بہ نسبت اہل اسلام کے اکثر ہیں، اور جو خاص اس امت میں کلام ہے، تو اس کے فرقے بہتر ۷۲ ہیں، اُن میں ایک ناجی ہے، اور ایک کی قلت بہتر سے بدیہی ہے، اور جو سوادِ اعظم اس فرقہ ناجیہ کا مقصود، تو عظمت بمعنی فضیلت کے ہے، یا عدد کے۔۔۔ الی آخرہ۔ ہر ذی عقل جانتا ہے کہ احتمالِ اول حدیث میں پیدا کرنا نری نادانی اور ہٹ دھرمی ہے، اور احتمالِ ثانی بھی اُسی کے قریب۔

”مسلم الثبوت“ اور اُس کی شرح میں ہے: ”کثرة الفرق لا يستلزم كثرة الأشخاص، بل يجوز أن يكون أشخاص الفرقة الواحدة أكثر من أشخاص سائر الفرق، فوحدة الفرقة الناجية لا توجب كون الحق مع الأقل“ (۱)۔

اور شتی ثالث میں احتمالِ اول صحیح نہیں جس حالت میں امرِ متبوعیت میں جماعت کا اعتبار کیا گیا، تو اتصافِ جماعت کثرتِ عدوی سے مناسب یا فضیلت سے، اور معاملہ شذوذ کا، اور اُس پر وعیدِ احتمالِ ثانی کی تعین کے لئے عمدہ قرینہ ہے؛ کہ اُس کے ساتھ ارادہ معنی آخر کا قریب تحریف معنوی ہے، کما لا یخفی۔

باقی رہا کلام متعلق احتمالِ ثانی کے، سو نفسِ مسئلہ مولد سے متعلق ہے کہ جواب اُس کا رسالہ اثباتِ مولد سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اصل قاعدہ ما نحن فیہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ اسی طرح احتمالِ دوسرے معنی کا سوادِ اعظم میں بحوالہ کسی شخصِ منفرد کے (قطع نظر اس سے کہ مقصود قائل کیا ہے، اور اُس نے کس محل پر اور کس غرض

(۱) ”مسلم الثبوت“، الأصل الثالث: الإجماع، مسألة: قبل إجماع الأكثر مع ندرة

سے کہا ہے، برخلاف معنی حقیقی) متبادر اور بلا قرینہ و ضرورت داعیہ ہرگز قابل لحاظ نہیں، اور نیز ذکر اجتہاد مجتہد کا (کہ مخالف دیگر مجتہدین واقع ہو) بے محل؛ کہ مجتہد کو بموجب قول محقق اتباع اپنے اجتہاد کا واجب ہے، اتباع غیر جائز نہیں، تو کثرت مخالفین اُس کے اور اُس کے مقلدین کے حق میں مضرت نہیں۔

بالجملہ اتباع جمہور و اکثر علمائے اہل سنت آیت وحدیث و اثر مذکور اور اقوال علمائے امت سے (کہ اُس پر اعتبار اور اکثر جزئیات میں استناد و استنباط کرتے ہیں) بخوبی ثابت، اور عقل بھی اُس کی قوت پر حاکم ہے۔ اور قول شاذ مخالف جمہور مردود و غیر معتد بہ؛ کہ بنظر اُس کے مسئلہ جمع علیہ اور متعلق علیہ کے حکم میں رہتا ہے، مختلف فیہ بھی نہیں کہتے، واللہ اعلم، و علمہ اتم و احکم۔

قاعدہ ۱۰۰

استدلال بدلالة النص، و بعلت منصوصہ، و اجرائے حکم کلی اس کے جزئیات میں، اور تصریح مبہمات، و تفصیل مجملات مجتہد، و استخراج جزئیات بدلالات مساوات، و استنباط اصول مجتہد سے جن احکام میں مجتہد سے نص نہیں، اور وقائع و حوادث میں کہ اُس وقت تک نہ تھے، اور فہم احکام ظاہر، و نص، و محکم و مفسر سے، اور استخراج نتیجہ مقدمات منصوصہ سے برعایت شرائط قیاس اقترانی و استثنائی مخصوص بکجہد نہیں۔ علامہ طحطاوی در باب تسمیہ مبدع کتب اس اعتراض کے جواب میں کہ ”استنباط حکم شرعی أدلہ سے صرف منصب مجتہد کا ہے“ لکھتے ہیں: ”وَأَمَّا فَهْمُ الْأَحْكَامِ مِنْ نَحْوِ الظَّاهِرِ وَالنَّصِّ وَالْمَفْسَّرِ فَلَيْسَ مَحْتَصِصًا بِهِ، بَلْ يَقْدَرُ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ الْأَعَمُّ مِنْهُ“ (۱)۔

(۱) ”حاشیہ الطحطاوی“، عطیہ الکتاب، ۵/۱۔

”شائی“ میں ہے: ”الإلحاق بما ورد به النصّ في العلة التي فيه أخذ من النصّ“^(۱).

اُسی میں ہے: ”ولا يكون ذلك من القياس، بل هو تصريح بما تضمنه كلام المجتهد أو دلّ عليه دلالة المساواة“^(۲).

اور یہ بھی اُسی میں لکھا ہے: ”وحيث كان مناط الفساد عندهما كون اللفظ أفيد به معنى ليس من أعمال الصلاة كان ذلك قاعدة كلية يتدرّج تحتها أفراد جزئية منها: مسألتنا هذه؛ إذ لا شكّ أنّه إذا لم يقصد الذكر، بل بالغ في الصباح لأجل تحرير النغم والأعجاب بذلك يكون قد أفاد به معنى ليس من أعمال الصلاة، ولا يكون ذلك من القياس“^(۳).

امام شعرانی ”میزان“ میں لکھتے ہیں: ”فكما أنّ الشارع بيّن لنا بسنّته ما أحمل من القرآن فكذلك الأئمة المجتهدون بيّنوا لنا ما أحمل من أحاديث الشريفة، ولو لا بيانهم لنا ذلك لبقيت الشريعة على إجمالها، وهكذا القول في أهل كلّ دور بالنسبة الدور الذي قبلهم إلى يوم القيامة“^(۴).

ابن کمال باشار سالہ ”طبقات مجتہدین“ میں لکھتے ہیں: ”الثالثة: طبقة

(۱) ”ردّ المحتار“، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس، ۲۲۹/۵.

(۲) ”ردّ المحتار“، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: القياس بعد عصر الأربعمئة منقطع، فليس لأحد أن يقيس، ۶۲۴/۳.

(۳) ”ردّ المحتار“، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: القياس بعد عصر الأربعمئة منقطع، فليس لأحد أن يقيس، ۶۲۴/۳.

(۴) ”الميزان الكبرى“، فصل في بيان استحالة خروج شيء من أقوال المجتہدین =

المجتهدين في المسائل التي لا رواية لهم فيها عن صاحب المذهب كالخصاف، وأبي جعفر الطحاوي، وأبي الحسن الكرخي، وشمس الأئمة الحلواني، وشمس الأئمة السرخسي، وفخر الإسلام البزدوي، وفخر الدين قاضي خان وأمثالهم، فإنهم لا يقدرّون على المخالفة له، لا في الأصول، ولا في الفروع؛ فإنهم يستنبطون الأحكام في المسائل التي لا نص فيها عليها عنه على حسب أصول قدرها ومقتضى قواعد بسطها، ورابعة: طبقة أصحاب التخرّيج من المقلّدين كالرازي وأضرابه؛ فإنهم لا يقدرّون على الاجتهاد، لكنهم لاحاطتهم بالأصول وضبطهم للمأخذ يقدرّون على تفصيل قول محمل ذي وجهين، وحكم مبهم محتمل للأمرين منقول عن صاحب المذهب أو عن واحد من أصحابه المجتهدين، ورأيهم ونظرهم في الأصول والمقايسة على أمثاله ونظائره من الفروع، وما وقع في بعض المواضع من "الهداية" قوله: كذا في تخرّيج الكرخي وتخرّيج الرازي من هذا القبيل^(١).

"مسلم الثبوت" میں ہے: "وأيضاً شاع وذاع احتجاجهم سلفاً وخلفاً بالعمومات من غير نكير"^(٢).

عن الشريعة، الجزء الأول، ص ٤٦٥.

(١) انظر: "رد المحتار"، المقدمة، مطلب في طبقات الفقهاء، ٢٥٤/١، ٢٥٥ ملقطاً بتصرف (نقلًا عن ابن كمال باشا).

(٢) "مسلم الثبوت"، المقالة الثالثة في المبادئ اللغوية، الفصل الخامس، مسألة: للعموم صيغ الدالة، ص ١٥٤.

اور علمائے متاخرین باوجود اقرار تقلید صد ہا مسائل میں (بالخصوص جن میں مجتہد سے تصریح نہیں) احکام بیان کرتے ہیں۔

”رد المحتار“ میں بذیل قول شارح: ”وقول ابن حجر (۱): ”بدعة“، أي: حسنة، وکلّ طاعون وباء، ولا عکس“ (۲) لکھا: ”هذا بيان لدخول الطاعون في عموم الأمراض المنصوص عليه عندنا، وإن لم ينصوا على الطاعون بخصوصه“ (۳)۔

صاحب ”ہدایہ“ وغیرہ فقہاء ہر مسئلہ کو دلیل عقلی و نقلی سے ثابت کرتے ہیں، آج تک کسی نے نہ کہا کہ یہ دلیل مجتہد سے ثابت نہیں، اور مصنف مرتبہ اجتہاد نہیں رکھتا، تو اس کا استخراج اور استنباط معتبر نہیں، یہاں تک کہ شاہ عبدالعزیز و شاہ ولی اللہ رحمہما اللہ کی تصانیف میں ہزار جگہ عموم و اطلاق وغیرہ مانند کورات سے استخراج احکام موجود ہے۔

مولوی خرم علی ”ترجمہ قول جمیل“ (۴) میں شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ سے وقت دعا آستین گلے میں ڈالنے کے باب میں (کہ بعض مشائخ سے منقول) نقل کرتے ہیں:

(۱) ”نزہۃ النظر فی توضیح نحبۃ الفکر فی مصطلح أهل الأثر“ أسباب الطعن فی الراوی، ص ۸۸ بتصرف۔

(۲) ”الدر“، کتاب الصلاۃ، باب الکسوف، ۱/۵، ۱۶۱، ۱۶۲۔

(۳) ”رد المحتار“، کتاب الصلاۃ، باب الکسوف، ۱/۵، ۱۶۲۔

(۵۳۱) ”شفا العلیل ترغیۃ القول الجمیل“، پانچویں فصل، تحت صلاۃ کن فیکون، ص ۸۸ بتصرف۔

مولانا نے فرمایا کہ ”بعض ناواقفوں نے اعتراض کیا ہے کہ آستین گلے میں ڈالنا کیونکر جائز ہوگا، حالانکہ ادعیہ ماثورہ میں یہ ثابت نہیں!“، ہم جواب دیتے ہیں کہ ”قلبِ ردا یعنی چادر کا اُلٹنا پلٹنا نمازِ استسقا میں رسولِ کریم علیہ السلام سے ثابت ہے تا حال عالم کا بدل جائے، تو اسی طرح آستین گلے میں ڈالنا سرِ خفی کے اظہار کے واسطے، یعنی تضرع کے یا واسطے گردشِ حال کے، حصولِ مقصود سے کیونکر جائز نہ ہوگا!“۔

دیکھو آستین گلے میں ڈالنے کو قلبِ ردا پر قیاس کیا، بایں ہمہ جو لوگ استدلالاتِ حافظ امام ابن حجر عسقلانی اور امام جلال الدین سیوطی وغیرہما اکابرِ دین کو بوجہ عدم اجتہاد محض بے کار سمجھتے ہیں، بلکہ عموماً فقہائے غیر مجتہدین کے احکام اسی وجہ سے بے کار ٹھہراتے ہیں۔ اور اُن کے رئیسِ محکمین ”کلمۃ الحق“^(۱) میں ”مجالس الابرار“^(۲) سے نقل کرتے ہیں: ”وَمَنْ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْاجْتِهَادِ مِنَ الْعِبَادِ وَالزُّهَادِ، فَهُوَ فِي حَكْمِ الْعَوَامِ لَا يَعْتَدُ بِكَلَامِهِ“ انتہی۔

اول: صاحب ”مجالس الابرار“ ایک شخصِ مجہول غیر معتمد کے کہہ دینے سے بزرگانِ دین کا کلام غیر معتمد بہ اور بے اعتبار نہیں ہو سکتا۔
دوم: اُس کے کلام کا استثناء بھی ملاحظہ نہ فرمایا کہ اس کے آگے لکھتا ہے:

”إِلَّا أَنْ يَكُونَ مُوَافِقًا لِلْأَصُولِ وَالْكِتَابِ الْمَعْتَبَرِ“^(۳)۔

(۱) ”کلمۃ الحق“....

(۲) ”المجالس“، المجلس الثامن عشر في أقسام البدع وأحكامها، ص ۱۲۶۔

(۳) ”المجالس“، المجلس الثامن عشر في أقسام البدع وأحكامها، ص ۱۲۶ بتصرف۔

سوم: لفظ عباد و زہاد کو بھی خیال نہ کیا کہ وہ درویشانِ عصر کے خیالات کو (کہ موافق اصول اور سب شریعت کے نہیں) غیر معتبر کہتا ہے، علمائے شریعت و ائمہ اہل سنت کے مسائل جو کتاب و سنت و اصول و قواعد دینیہ سے مستخرج، اُن کی بے اعتباری سے کیا علاقہ ہے؟!۔

چہارم: یہ رائے اُس مجہول الحال کی صرف ائمہ و علمائے محققین ہی کے کلام کو بے اعتبار کرتی ہے، یا مولوی اسحاق و میاں اسماعیل کے مستخرجات و مستہطات کو بھی شامل ہے؟، بنائے استدلال ”تقویۃ الایمان“ صرف عموم و اطلاق پر ہے، کسی مسئلہ میں کسی مجتہد کا حوالہ نہیں دیا، اور ”مائتہ مسائل“ اور ”اربعین“ میں مولوی اسحاق نے بیسیوں جگہ آیات و احادیث و اصول و قواعد شرع سے استدلال کیا، بلکہ خود رئیس المسکسین اور اُن کے ہم عصر وہابی اپنی تصانیف میں جا بجا استنباط کرتے ہیں، اور ان کے واعظین قرآن مجید یا کسی کتاب کا اردو ترجمہ بغل میں دا بے ہر جگہ وعظ کہتے پھرتے ہیں، اور صد ہا مسائل اپنے اُوہامِ باطلہ سے اختراع کر کے حوالہ آیت و حدیث کا دیتے ہیں، اور بر ملا کہتے ہیں: ”ہمیں اماموں اور عالموں سے کیا کام، ہم قرآن و حدیث سے سند لاتے ہیں اور اُس سے سند جانتے ہیں!“۔

کیا تماشا ہے کہ امام ابن حجر عسقلانی و امام سیوطی و غیرہما اکابر دین و ملت تو اس کام اور منصب کی لیاقت نہ رکھیں، اور یہ لوگ قرآن و حدیث سے استنباطِ احکام کر سکیں؟!، ائمہ دین کے کلام پر تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ”استنباطِ احکام مصبِ خاص مجتہدِ مطلق کا ہے“، اور اپنے واسطے دائرۃ اجتہاد کو اس درجہ وسعت دی جاتی ہے کہ ان کا ہر عامی جاہل قرآن و حدیث کا مطلب بے تکلف سمجھ لیتا ہے!، اور اُس سے احکام نکال سکتا ہے!۔ تمام ہمت ان کے معلم جانی اسماعیل دہلوی کی ”تنویر الہیئین“ و شروع

”تقویۃ الایمان“ میں اسی طرف مصروف ہے کہ ”ہر شخص قرآن وحدیث سے مسائل دریافت کر سکتا ہے؛ کہ پیغمبر علیہ السلام جاہلوں اور اُتیموں کی ہدایت کے لئے آئے تھے، اور قرآن ایسے ہی لوگوں میں نازل ہوا ہے“، یہاں تک کہ جو شخص امام کا قول مخالف آیت وحدیث کے پا کر نہ چھوڑ دے تو ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾^(۱) کا مصداق ہو جاتا ہے، اور اُس میں شائبہ شرک کا ہے۔ یہاں وہ مثل پوری پوری صادق آتی ہے کہ ”میں کہوں جو ہے سو ہے، تو نہ کہہ جو ہے سو ہے“، لا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔

(۱) انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنالیا۔ (پ ۱۰، التوبۃ: ۳۱)۔

قاعده ۱۱

تعامل حرمین شریفین، یعنی جس بات پر وہاں کے خواص و عوام یا علما و ائمہ و اعیان باتفاق عمل کرتے اور عادت رکھتے ہوں حجت ہے، فقہائے معتمدین اور علمائے مستندین مسائل شرعیہ میں اُس سے احتجاج کرتے ہیں، اور مخالفت اُس کی مکروہ سمجھتے ہیں۔ امام شافعی، امام ابو یوسف رحمہما اللہ نے مسئلہ اذان فجر میں اُس سے احتجاج کیا۔ ”ہدایہ“ میں لکھا ہے^(۱):

”ولا يؤذن لصلاة قبل دخولها، ويعاد في الوقت؛ لأن الأذان للإعلام، وقبل الوقت تجهيل، قال أبو يوسف رحمه الله وهو قول الشافعي رحمه الله: يجوز للفجر في النصف الأخير من الليل؛ لتوارث الحرمين، والحقّة على الكلّ قوله عليه السلام: ((لا تؤذن حتى يستبين لك الفجر هكذا))^(۲) ومد يده عرضاً.

”یعنی شرح کنز“ میں ہے: ”الاستراحة على خمس تسيبحات يكره عند الجمهور؛ لأنه خلاف فعل الحرمين“^(۳).

”ہدایہ“ میں ہے: ”وكذا بين الخامسة والوتر؛ لعادة أهل الحرمين، واستحسن البعض الاستراحة على خمس تسيبحات، وليس

(۱) ”الهداية“، كتاب الصلاة، باب الأذان، الجزء الأول، ص ۵۳ ملتقطاً بتصرف.

(۲) ”مسند أبي داود“، كتاب الصلاة، باب في الأذان قبل دخول الوقت، ر: ۵۳۴، ص ۸۹ بتصرف.

(۳) ”رمز الحقائق“، كتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل، فصل في التراويح، ص ۴۰ بتصرف.

بصحيح^(۱)، وفي "الكافي": وكذا في الخامسة والوتر؛ لتعارف أهل الحرمین، والاستراحة على خمس تسيّحات يكره عند الجمهور؛ لأنّه خلاف أهل الحرمین^(۲)، في "العانية": "فإن استراح على رأس خمس تسيّحات ولم يسترح بين كلّ ترويحتين اختلفوا فيه، قال بعضهم: "لا بأس به"، وقال بعضهم: "لا يستحبّ ذلك"؛ لأنّه مخالف عمل أهل الحرمین^(۳).

"غایہ" میں ہے: "ولا يستحبّ ذلك؛ لأنّه خلاف الحرمین^(۴)۔" حاصل یہ کہ علما نے بعد ہر ترویجہ استراحت، اور اسی طرح وتر اور ترویجہ خامسہ میں باتباع حرمین جائز فرمائی، اور جمهور نے دس رکعت کے بعد استراحت مکروہ ٹھہرائی؛ کہ خلاف عمل حرمین ہے، دیکھو جمهور نے خلاف عمل حرمین کا مکروہ سمجھا!۔
 "فتاویٰ مجمع البرکات" (۵) اور "ترجمہ مشکاة محقق دہلوی" میں ہے:
 "زیارت قبور روز جمعہ خصوصاً دوپہر سے پہلے افضل، اور وہی متعارف اہل حرمین ہے؛

(۱) "الہدایہ"، کتاب الصّلاۃ، باب التوافل، فصل فی قیام شہر رمضان، الجزء الأوّل، ص ۸۵ ملقطاً۔

(۲) "الكافي شرح الوافي"، کتاب الصّلاۃ، باب التوافل، فصل فی التراويح، ۱/۱۰۶ ملقطاً بتصرف۔

(۳) "العانية"، کتاب الصوم، باب التراويح، فصل فی المقدار التراويح، الجزء الأوّل، ص ۱۱۳ بتصرف۔

(۴) "الغایۃ شرح الہدایۃ"....

(۵) "فتاویٰ مجمع البرکات"....

کہ نماز سے پہلے بیچ اور معلیٰ کی زیارت کرتے ہیں“ (۱)۔

”تحفہ برہ“ میں ہے: ”وما وقع في بعض الروايات المنع من زيارة القبور في يوم الجمعة قبل الصلاة لا أصل لها؛ لأنها مخالف لعادة أهل الحرمین“ (۲)۔

یہاں مخالفتِ حرمین کو باعثِ بے اعتباری روایت قرار دیا!۔
 ”یعنی شرح کنز“ (۳) میں شمس الائمہ رخصی سے نقل کرتے ہیں: ”مشائخ بلغ اختاروا قول أهل المدينة في جواز استئجار المعلم على تعليم القرآن، فنحن أيضاً نقول بالجواز، وكذا في فتاوى قاضي خان“ (۴)۔

”ہدایہ“ میں ہے: ”وبعض مشايخنا استحسنوا الاستئجار على تعليم القرآن اليوم؛ لأنه ظهر التواني في الأمور الدينية، ففي الامتناع تضییع حفظ القرآن، وعليه الفتوى“ (۵)۔ وفي ”البنایة“: ”وهم أئمة بلغ؛ فإنهم اختاروا قول أهل المدينة“ (۶)۔

اور یہ عذر کہ ”اس مسئلہ میں بوجہ قوت و دلیل کے قول اہل مدینہ کا اختیار کیا گیا ہے“، محض پوچ اور لنگ ہے کما لا یخفی، اور وہ جو مسئلہ اذان فجر میں

(۱) ”بعض المنع“، کتاب الجنائز، باب زیارة القبر، ۱/۲۳۔

(۲) ”تحفہ برہ“....

(۳) ”رمز الحقائق“، کتاب الإحارة، باب الإحارة الفاسدة، ص ۳۱۰۔

(۴) ”الحانیة“، کتاب الإحارات، باب الإحارة الفاسدة، الجزء الثالث، ص ۱۹۰۔

(۵) ”الہدایة“، کتاب الإحارات، باب الإحارة الفاسدة، الجزء الثالث، ص ۲۳۵۔

(۶) ”البنایة“، کتاب الإحارات باب الإحارة الفاسدة، ۳۴۲/۹ ملقطاً بتصرف۔

کہا گیا ہے کہ ”یہ حکم امام ابو یوسف و امام شافعی رحمہما اللہ کا صحیح نہیں، بلکہ امام اعظم رحمہ اللہ اذان قبل وقت کے جائز نہیں رکھتے، اور تواریثِ حرمین پر عمل نہیں کرتے“ نرا مغالطہ ہے، یہ کس نے کہا کہ تواریثِ حرمین شریفین ایسی حجت قطعی ہے کہ بمقابلہ اُس کے کوئی دلیل قابل قبول نہیں؟ امام اعظم رحمہ اللہ اگر بمقابلہ حدیث تعاملِ حرمین پر عمل ترک فرماتے ہیں تو اُس کی حجیت باطل نہیں ہوتی؛ کہ ہر دلیل، یہاں تک کہ حدیث صحیح احاد بمقابلہ حجتِ قوی متروک ہو جاتی ہے، اور نہ عدمِ صحیح مسئلہ مُبطل اُس کی حجیت کا ہے۔ دیکھو قول ابن عباس رضی اللہ عنہ مسئلہ متعہ میں^(۱)، اور قول ابو ذر رضی اللہ عنہ مسئلہ جمع مال میں^(۲)، وعلیٰ ہذا القیاس، بہت اقوال و افعال بعض صحابہ کرام بعض مسائل میں مسلم نہیں!

بایں ہمہ قول صحابی با تفاق حنفیہ حجت ہے، بلکہ انہیں صحابہ سے دوسرے اقوال میں بلا تکلف احتجاج ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض مسائلِ اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ، خواہ بعض امور میں اُن کے رواج پر دوسری وجہ کو ترجیح دینا مقصود میں اصلاً حرج نہیں کرتا، کلام اس میں ہے کہ امام ابو یوسف اور امام شافعی اُس سے احتجاج فرماتے ہیں، اور امام مالک تو صرف اجماعِ اہلِ مدینہ کو حجت ٹھہراتے ہیں، اور ائمہ و علمائے حنفیہ اُس سے استناد کرتے ہیں، احادیثِ صحیحہ سے ثابت کہ مدینہ شریف برے لوگوں کو اپنے میں نہیں رہنے دیتا، اور نجس اور معصیت اور پلیدی کو دفع کر دیتا ہے۔

(۱) انظر: ”شرح معانی الآثار“، کتاب النکاح، باب نکاح المتعة، ر: ۴۲۲۴، ۳۸۳/۲.

(۲) ”صحیح البخاری“، کتاب التفسیر، سورة براءة، باب قوله: ﴿وَالَّذِينَ يَخْتِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾... إلخ، ر: ۴۶۶۰، ص: ۷۹۹، ۸۰۰.

شیخ محقق دہلوی ”جذب القلوب“ میں حدیث ”بخاری“: ((إنها طيبة تنفي الذنوب كما تنفي الكبر خبث الفضة))^(۱)، اور حدیث ((المدينة تنفي خبث الرجال كما تنفي الكبر خبث الحديد))^(۲) نقل کر کے فرماتے ہیں: ”مراد نفی و ابعاد اہل شرف و فساد است از ساحۃ عزت ایں بلدہ طیبہ، و بقول اکثر علمائے دین خاصیت مذکورہ در جمیع ازمان و دہور پیدا است“^(۳)۔

اور ”ترجمہ مشکاة“ میں بذیل حدیث ”بخاری“^(۴) و ”مسلم“^(۵) نقل کرتے ہیں کہ: ”جب امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہ مدت سے ہشام بن عبدالملک کی طرف سے حاکم مدینہ تھے، اُس زمین جنت آئین سے رخصت ہوئے فرمایا: ”ڈرتا ہوں کہیں میں اُن لوگوں سے نہ ہوں جنہیں مدینہ نکال دیتا ہے“، بعد نقل اس حکایت کے لکھتے ہیں: ”بچھٹیں می ترسد ہر کہ ازاں مکان شریف برآمدہ است، یارب! مگر بضرورت حکم شرعی و رعایت حق شرعی برآمدہ باشد“۔

(۱) ”صحیح البخاری“، کتاب المغازی، باب غزوۃ أحد، ر: ۴۰۵۰، ص ۶۸۶۔

(۲) ”صحیح البخاری“، کتاب فضائل المدینہ، باب فضائل المدینہ و أنها تنفي الناس، ر: ۱۸۷۱، ص ۳۰۱ بتصرف۔

(۳) ”جذب القلوب“، دوسرا باب: اس شہر عظیم کے اوصاف اور فضائل، فصل، ص ۲۹۔

(۴) ”صحیح البخاری“، کتاب الأحکام، باب من بايع ثم استقال البيعة، ر: ۷۲۱۱، ص ۱۲۴۲۔

(۵) ”صحیح مسلم“، کتاب الحج، باب المدینہ، تنفي خبثها... إلخ، ر: ۳۳۵۳، ص ۵۷۹ بتصرف۔

ضرورت است و گرنہ خدای میداند کہ ترک صحبت چنان نہ اختیار من است
دوری ز حضرت تو نجستم ز اختیار خود زہ را زہم چہ دانی چہ ز خورست (۱)
وفي "التحقیق شرح الحسامی": "وإذا انتفی عنهم الخبث
وجب متابعتهم ضرورة" (۲).

اور حدیث: ((إِنَّ الْإِيمَانَ لِيَأْرُزَ إِلَى الْمَدِينَةِ كَمَا تَأْرُزُ الْحَيَّةُ إِلَى
جَحْرِهَا)) (۳) سے بھی اس مطلب پر استدلال کیا گیا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وفیه تنبیہ علی صحۃ مذہبہم
وسلامتہم من البدع، وأن عملہم حجتہ فی زماننا هذا" (۴).

اور علامہ داؤدی (۵) وغیرہ (۶) نے جو اس میں کلام کیا، مراد اُن کی نفی

(۱) "ایضاً المذہبات"، کتاب المناہک، باب حرم المدینۃ حرسہا اللہ تعالیٰ، الفصل الاول، ۲/۴۱۹۔

(۲) "غایۃ التحقیق شرح الحسامی"، باب الإجماع، ص ۲۰۸ بتصرف.

(۳) "صحیح مسلم"، کتاب الإیمان، باب بیان أن الإسلام بدء غریباً وسیعود
غریباً... إلخ، ر: ۳۷۴، ص ۷۵.

(۴) "المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم"، کتاب الإیمان، باب کیف بدء
الإسلام وکیف یعود، تحت ر: ۱۱۶، ۱/۳۶۴ مختصراً، وانظر: "فتح الباری"،
کتاب الفضائل المدینۃ، باب الإیمان یأرز إلى المدینۃ، تحت ر: ۱۸۷۶، ۴/۱۱۱
بتصرف.

(۵) لم نعر علیہ.

(۶) "فتح الباری شرح صحیح البعاری"، کتاب الفضائل المدینۃ، باب الإیمان یأرز
إلى المدینۃ، تحت ر: ۱۸۷۶، ۴/۱۱۱.

قطعیت ہے، نہ مطلق حجیت کی نفی؛ ورنہ ظاہر احادیث طہارت اہل مدینہ پر بلا ریب دلالت کرتی ہیں۔

مولانا حاجی رفیع الدین خاں صاحب مراد آبادی ”رسالہ“ میں (کہ مکاتیب شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ اُس میں جمع کئے ہیں) شاہ صاحب سے نقل کرتے ہیں: ”دریں جا تحقیق است نفیس، و آں انیست کہ علم محیط نبوی ایں تفرق و تشعب را معلوم فرمودہ برائے دفع ایں عذر قاعدہ نشان دادہ کہ ہر مسلمان آں قاعدہ را با دنی توجہ عقل بدون شنیدن حدیث درمی باید، و آں انیست کہ در مخرج دین و منشاء آں نظر نمایند، ہر مذہبے کہ در ایں جارح باشد آنرا اقرب الی الحق دانند، بلکہ فرض ساختن حج خانہ کعبہ معظمہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً یکے از اسباب ایں ہم است تا مسلمانان و در دست از طریق حق و جادہ مستقیم غافل نمازند، و در احادیث شریفہ فضائل حریم شریفین نظر امعان باید فرمود کہ ایں معنی کا شمس ظاہر شود“ (۱)۔۔۔ الخ۔

دیکھو شاہ صاحب کس شد و مد کے ساتھ عمل و اعتقاد اہل حریم کو معیار حق ٹھہراتے ہیں!، اور اس مضمون کا احادیث صحیحہ فضائل حریم مکرمین سے سورج کی طرح ظاہر ہونا بیان فرماتے ہیں!، اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ بھی ”شرح موطا“ میں جا بجا عملی حریم سے استدلال کرتے ہیں، اور وہاں کے عمل کو احق بالاتباع کہتے ہیں۔ اور اول دلیل اس مدعا پر وہ حدیث ہے جسے حافظ محمد بن طاہر مقدسی نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا: ”إذا رأیت أهل المدينة اجتمعوا علی شیء فاعلم أنه سنة“ (۲)۔

(۱) ”رسالہ“ حاجی رفیع الدین۔۔۔

(۲) انظر: ”نهاية الأرب في فنون الأدب“، الفن الثاني، القسم الثالث، الباب =

اور تخصیص صحابہ کرام کی (باوجود اس کے کہ لفظ ”اہل مدینہ“ عام ہے) نری زبردستی ہے، اگر ایسی تاویلات جائز ہوں تو دائرۂ احتیاج نہایت تنگ ہو جائے، بلکہ جو صاحب اس تخصیص کے قائل ہوئے اُن کے اصول پر تو اہل حرمین شریفین کا عمل و اعتقاد مطابق سنت، اور حدیث: ((إِنَّ الْإِيمَانَ لِيَأْرُزَ إِلَى الْمَدِينَةِ))^(۱)... إلخ کی اس پر قطعی دلالت ہونا لازم، یہ حضرات بدعت و معصیت کو اصلی ایمان میں خلل انداز سمجھتے ہیں، اور بدالابت حدیث مذکور مدینہ سکینہ ایمان کا مقرر اور اس کا گھر ہے، تو جو چیز ایمان میں خلل انداز ہے اُس کا رواج وہاں غیر ممکن، اور جب کفر و بدعت سے وہ سر زمین محفوظ ہے، اہل مدینہ کے اعمال و عقائد بالضرور ایمان اور سنت کے مطابق ہوں گے۔

باوصف اس کے ان بزرگواروں کو اہل مدینہ کے اعمال و عقائد میں کلام کرنا، یا اور کسی کے کہنے خواہ لکھ دینے سے اُس زمین جنت آئین میں مذہب باطل یا بدعت ضلالت کا رواج تسلیم کر لینا کس قدر بے جا ہے، اور نیز جس صورت میں آپ صاحبوں کے نزدیک رسم و رواج عصر تابعین باوجود اس کے کہ قتل امام حسین و اہل بیت کرام کر بلا میں، اور اکثر صحابہ عظام کا واقعہ حرہ میں، اور حدود مذہب شیعہ و خوارج، و ظہور فسق و فجور و نہب و غارت مسلمین و ہتک حرمت بیت الحرام و حرم محترم رسول علیہ السلام و غیر ہا شد شائع زمانہ تابعین میں واقع ہوئے، داخلی سنت اور شرعی حجت ہے، تو ارتکاب بدعت بعض اہل حرمین کا بعض اوقات میں اگر ثابت بھی ہو،

= السادس، في الغناء والسماع، ۴۳۹/۱.

(۱) ”صحیح مسلم“، کتاب الإیمان، باب بیان أنَّ الإسلام بدء غريباً وسعود غريباً... إلخ، ۳۷۴، ص ۷۵.

مُبطّل حجیت نہیں ہو سکتا۔

اور زید یہ ہو جانا شرفاً کا بھی ایک زمانہ میں بضرّ صحت، اور تغلب و ہابیہ نجدیہ کا مکہ معظمہ پر ابطالِ مذہب عام میں دخل نہیں رکھتا، اور بشیر الدین قنوجی کے مغالطات سے ہے کہ زید یہ ہونا شرفائے حرمین کا نقل کرتے ہیں^(۱)، مولوی رفیع الدین خان مراد آبادی نے تصریح کی ہے کہ ”زید یہ بہ نسب ہیں، نہ زید یہ بہدعت“^(۲)، اور تحقیق یہ ہے کہ ہم اہل حرمین شریفین کو انبیاء کی طرح معصوم اور اُن کے تعامل اور اتفاق کو ارشادِ خدا و رسول کی طرح حجتِ قطعی بلکہ اجماعِ امت کے برابر بھی نہیں جانتے، اور نہ اُن کے ہر واحد کو فہمِ شریعات میں مستقل اور مجتہدِ مطلق کے مماثل سمجھتے ہیں، بلکہ ائمہ مجتہدین نے وہاں کے تعامل کو معتبر رکھا، اور ہمارے علمائے مذہب نے اُس سے مسائلِ استخراج کئے، اور ظاہرِ نصوص بھی اس مطلب کی تائید کرتے ہیں، اس لئے اُسے حجتِ شرعی اور عدمِ معارضہٴ دلیلِ آخر کے وقت اُسی پر عمل اور اعتبار، اور اُن کی مخالفت بلا حجتِ قوی مکروہ جانتے ہیں۔

خدایا! جن شہروں میں عنتم خدائے علیہ السلام پیدا و مبعوث ہوئے، اور جس جگہ ایمان و اسلام نشو و نما پائے، قرآن نازل ہوا، جبرئیل علیہ السلام اور ملائکہ کرام رات دن آتے رہے، مقرر اسلام اور ایمان کا گھر ہے، ایمان اور حیا کے فرشتوں نے تمام سر زمین سے اُسے اپنی سکونت کے لئے پسند کیا، اور دائماً ایمان وہاں رہے گا، اور کفر و شرک کو دخل نہ ہوگا، اور جن لوگوں کی حضورِ اعلیٰ عالم سے پہلے شفاعت کریں گے، اور انہیں اپنا ہمسایہ فرمایا، اور امت کو اُن کی پاس داری اور حفظِ مراتب کا حکم دیا، اور جو

(۱) ”غایۃ الکلام“....

(۲) ”رسالہ“ مولوی رفیع الدین....

جگہ آپ کی وارِ ہجرت اور مصلح و مبعث ہے، اور جن کی نسبت ارشاد ہوا کہ ((جو اُن کی حرمت و پاسداری نہ کرے گا وہ دوزخیوں کا پیپ لہو پئے گا، اور جو اُن کے ساتھ برائی کا قصد کرے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے گھل جائے گا))، اور جس شہر کی نسبت فرمایا کہ ((وہ حبث کو اپنے میں نہیں رکھتا ہے، اس طرح دُور کرتا ہے جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کا میل دُور کرتی ہے))، ایسے شہروں اور لوگوں سے کس طرح عقیدت نہ رکھیں؟!، اور اُن کے عقائد و اعمال کو (کہ باتفاق وہاں کے اکابر اور اُچلے علما کے رائج اور معمول یہ ہیں) بلا دلیل شرع کس طرح گناہ و معصیت و بدعت و ضلالت سمجھیں؟!، اور پاسداری و حرمت اُن کی جن کا شارع نے حکم دیا بلا وجہ ترک کر کے خواہ مخواہ اُن کی کسرِ شان اور غیبت اور عیب جوئی میں مصروف ہو جائے، اور جو عنایت و مہربانی خدائے کریم کی اُن پر ہے (کہ تمام عالم سے انہیں اپنے گھر اور رسولِ پاک کے جوار و ہمسائیگی سے ممتاز کیا، اور ہزاروں برکات اور خصائص سے مشرف فرمایا) یک قلم دل سے محو کر دیں!، جس طرح فرقہ و ہابیہ نے ان بزرگ شہروں اور وہاں کے باشندوں کی عظمت، اور حضورِ والا کی اُن کے حق میں وصیتِ دل سے بھلا دی، حمایت اور محبت تو ایک طرف، اُن سے سخت عداوت اور طرح طرح سے اُغتر و بہتان و بدگوئی و غیبت اختیار کی ہے، اُن کے امیر المؤمنین امام المجاہدین محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اُس کے سالار لشکر سعود کو جو حکومت و ثروت حاصل ہوئی، تو پہلے حرمین شریفین پر غزا اور جہاد کی ٹھہری، جو باتیں لشکرِ یزید و حجاج سے باقی رہیں، اہل حرم نے اس لشکر کے ہاتھ سے دیکھیں۔ وہابیہ ہند نے یہ قدرت نہ پائی مگر پانچ ہندیوں کی حمایت میں (جو بعلب بد مذہبی وہاں سے نکالے گئے) کیا کچھ نہ کہا!، اور کون سی بے ادبی اُٹھا رکھی!، اُن بد مذہبوں کو (العیاذ باللہ) جناب سید ابراہار،

اور حرمین کے لوگوں کو (معاذ اللہ) کفار سے تشبیہ دیتے ہیں؛ کہ ”جس طرح کافروں نے مکہ معظمہ سے حضور کو نکالا تھا، اسی طرح وہ لوگ نکالے گئے“، اور فوجی ٹرکوں کی واڑھی منڈانا، اور ہندیوں کے معاصی و حرکاتِ ناشائستہ (کہ وہاں جا کر کرتے ہیں) اور جاہلوں اور اجلاف کے افعال کا اِلزام اُعیان و اکابر و علمائے بلد تین مکر متین کے سر دھرتے ہیں۔

اس کے ساتھ بعض حضرات کا یہ دھوکا بھی چلا جاتا ہے کہ ”ہم اہل حرمین کے معتقد اور اُن کے تابع ہیں، اُن کا بھی یہی مسلک اور طریق ہے، جن امور کو وہ برا جانتے ہیں، انہیں کو ہم مانع ہیں“، تا کہ اس حیلہ سے اپنی وہابیت و نجدیت کو چھپائیں، اور عوام کی نگاہ میں سنی صحیح العقیدہ قرار پائیں۔ اور جب کوئی مسئلہ مانند مولد و قیام کے جس کا رواج اِن بلاد میں ہر خاص و عام کو معلوم ہے پیش ہوتا ہے تو کہتے ہیں: ”دلیل قرآن و حدیث سے چاہیے، کسی شہر کے رواج کو اثباتِ مسائل میں دخل کیا ہے؟ ہم تو قرآن و حدیث کو حق جانتے ہیں، مکہ و مدینہ کیا اگر تمام عالم کے علما اِس کے خلاف پر عمل کریں، کب مانتے ہیں؟!“، یہ نہیں جانتے کہ اعمالِ مذکورہ مدتِ دراز سے اُن بلادِ مکرمہ میں باتفاقِ علما و فضلاء قرنا فقرنا مستمر رہے ہیں، اور رواجِ ایسے امور کا جو مخالف قرآن و حدیث کے ہوں، پھر اُن کا سالہا وہاں کے علما و فضلاء میں باقی رہنا بلا شک مستبعد ہے، اور جب اِن افعال کی ممانعت خواہ کراہت قرآن و حدیث اور کسی دلیلِ شریعت سے ثابت نہیں، تو مجتہد رواجِ حرمین شریفین اُن کے ثبوت کے لئے کافی ہے؛ کہ بحالتِ عدمِ معارض ہمیں اُس پر عمل اور اُس کا اتباع چاہیے، اور ہمارے حق میں دلیلِ وافی ہے، بلکہ امام نووی رحمہ اللہ نے تو مطلق عرب کی رسم و رواج و عمل و عادت کو بھی معتبر رکھا ہے، اور در بابِ حلت و حرمت اُسے بھی ایک معیار قرار دیا ہے جب

قال: "والرابع: ما استحسنته العرب فيما لم يرد به النصّ بالحلّ والحرمة، والأمر بالقتل والنهي عنه والاعتبار بالعرب ذوي اليسار والطبائع السليمة دون الأجلاف من البادية، فما استطابته وأكلته في حال الرفاهية أو سمته باسم حيوان حلال فهو حلال، وأما استخبثه أو سمته باسم محرّم فهو حرام، ويراجع في كلّ زمان إلى العرب الموجودين فيه، وإن استطابته طائفة واستخبثته طائفة تبعنا الأكثرين؛ فإن استويا تتّبع قريشاً، وهذا والعلم عند الله تعالى" (۱).

قاعدہ ۱۲

قول وفعل ایک جماعت خواص اہل اسلام کا سکوت باقین کے ساتھ اجماع سکوتی ہے؛ کہ حنفیہ اور جمہور علما کے نزدیک جہت شرعی۔ "نور الانوار" میں ہے: "ای: يتفق بعضهم على قول أو فعل، ويسكت الباقيون عنهم، ولا يردون عليهم بعد مضي مدة التأمل، وهي ثلاثة أيام، أو مجلس العلم، ويسمى هذا إجماعاً سكوتياً، وهو مقبول عندنا، وفيه خلاف الشافعي رحمه الله" (۲). اور پُر ظاہر کہ شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اجماع سے بلا قید کسی عصر و زمانہ کی استدلال کرتے ہیں، اور اثبات اتفاقِ کُل کا نہایت دشوار، ولہذا اس جگہ علم بعدم مخالف ضرور نہیں، بلکہ عدم علم بالخلاف بعد شہرتِ امر اور گزرنے مدت تا قتل کے

(۱) "روضة الطالبين وعمدة المفتين"، كتاب الأطعمة، الباب الأوّل في حال

الاختيار، فضل الحيوان الذي لا يهلكه الماء، ۱/۳۷۸، تصدّرف.

(۲) "نور الأنوار"، باب الإجماع، ۲/۱۸۰-۱۸۲، تصدّرف.

کافی، کما فی "التحقیق شرح الحسامی": "إذا نصّ أهل الإجماع على حكم في مسألة واستقرار المذهب على حكم تلك المسألة وانتشر ذلك بين أهل العصر ومضت مدّة التأمل فيه، ولم يظهر له مخالف، كان ذلك إجماعاً عند جمهور العلماء، ويسمى إجماعاً سكونياً"^(۱).

اور محکمین مذہب وہابیہ کو بھی اس قاعدہ کے اقرار سے چارہ نہیں؛ کہ اگر عدم ظہور انکار کافی نہ ہوگا تو محدثات رسم و رواج عصر تابعین کو کس طرح معتبر اور حکم سنت میں ٹھہرا سکیں گے؟ کہ علم عدم انکار تو بسبب کثرت انتشار تابعین باعتراف ان کے متصور نہیں!، اور نیز متکلم قنوجی کو "غایۃ الکلام" میں اصل قاعدہ کا اقرار ہے: "وآخر در اکثر اصحاب و قرن باسکوت باقین مروج بود بمنزلہ سیرت و خلق جمیع اصحاب، و ہدایتی قرن باشد"^(۲)۔ اور معلم ثانی وہابیہ نے بھی "ایضاح الحق الصریح"^(۳) میں معنی بدعت کو اس مطلب پر بنا کیا ہے۔

قاعدہ ۱۳

اختلاف سابق بعد اتفاق لاحق "کان لم یکن" ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ اتفاق کے بعد مسئلہ اجماعی قرار پاتا ہے۔ وقیل: یشرط للإجماع اللاحق عدم الاختلاف السابق عند أبي حنيفة رحمه الله، وليس كذلك في الصحيح، بل الصحيح أنه یعتقد عنده إجماع متأخر ویرتفع الخلاف السابق من

(۱) "غایۃ التحقیق"، باب الإجماع، ص ۲۱۱۔

(۲) "غایۃ الکلام"....

(۳) "ایضاح الحق الصریح"، فصل اول، بحث اول: بدعت اصلیہ کے مفہوم کی تحقیق، اصحابی سے مراد، ص ۳۹، ۴۰۔

البین“^(۱)، انتہی ملخصاً۔

”مسلم الثبوت“ میں ہے: ”اتفاق العصر الثاني بعد استقرار الخلاف في الأول ممتنع عند الأشعري وأحمد والغزالي والإمام، والمختار: أنه واقع حجة، وعليه أكثر الحنفية، والشافعية“^(۲)۔

تو مسئلہ عول، وجمع مال، ومتعہ نساء، اور سماع اموات، ودیدار الہی، ومعراج جسمانی میں بحوالہ بعض صحابہ کلام کرنا سراسر بے جا ہے۔ اسی طرح قول فاکہانی کو مسئلہ مولد میں (باوجود یکہ زمانہ لاحق میں علما نے اُسے حرف بحرف رد کر دیا، اور عام مسلمین نے اُس کی حُسن و خوبی پر اتفاق کیا) اور اسی طرح اقوال شاذہ مردودہ، اور امور طے شدہ کو پھر پیش کرنا انصافی یا نادانی کا مقتضی ہے۔

قاعدہ ۱۴

دوام و استمرار امر غیر واجب اگر باعتقاد و جوب نہ ہو، شرعاً ممنوع و مکروہ نہیں۔ ہاں اُسے واجب و فرض سمجھنا غلط ہے، اسی نظر سے کبھی بعض علما ایسے فعل کو مکروہ کہتے، ترک کرتے، یا حکم ترک کا دیتے ہیں۔ ہر چند مرجع اس حکم کا باعتبار نفس الامر کے وہی اعتقاد فاسد ہے، الا اس جہت سے کہ فعل اُس کا متعلق ہے، اُسے بھی مکروہ کہہ سکتے ہیں، اور جس صورت میں زوال اس اعتقاد کا بدون ترک فعل کے متصور نہ ہو تو ایسے فعل کو ترک کرنے کا حکم بھی دے سکتے ہیں۔ پروردگار عالم نے رہبانیت کی عدم رعایت پر (باوصف اس کے کہ وہ بدعت تھی؛ کہ نصاریٰ نے دین میں احداث

(۱) ”نور الانوار“، باب الإجماع، ۱/۲، ۱۸۶، ۱۸۷، ملقطاً۔

(۲) ”مسلم الثبوت“، الأصل الثالث: الإجماع، مسألة: اتفاق العصر الثاني بعد استقرار الخلاف... إلخ، ص ۵۰۵ ملقطاً بتصرف۔

کی) عتاب فرمایا ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا﴾^(۱)... الایہ۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ((أفضل العبادات أحمرها))^(۲)، ولا شك أن الدوام يكون أحمر، وفي الحديث أيضاً: ((أحب الأعمال إلى الله أدومها وإن قلَّ))^(۳)، وعند مسلم مرفوعاً: ((يا عبد الله! لا تكن مثل فلان كأن يقوم الليل فترك قيام الليل))^(۴)۔

حضرت ابوامامہ باہلی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ التزام تراویح کی تاکید کرتے ہیں، اور کریمہ ﴿وَرَهْبَانِيَّةً﴾^(۵)... إلخ سے استناد، کما مرّ من ”کشف الغمّة“^(۶) للشعرانی۔

امام بخاری نے اپنی ”صحیح“ میں ایک باب اس عنوان سے وضع کیا: ”باب أحبّ الدّین إلى الله أدومه“^(۷)۔

امام بخاری اس کے ذیل میں فرماتے ہیں: ”الثالث فيه فضيلة الدوام على

(۱) اور وہ راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی۔ (پ ۲۷، الحدید: ۲۷)۔

(۲) ”المقاصد الحسنة“، حرف الهمزة، ر: ۱۳۸، ص ۷۹۔

(۳) ”صحیح مسلم“، کتاب الصّلاة، باب فضيلة العمل الدائم من قيام الليل وغيره... إلخ، ر: ۱۸۳۰، ص ۳۱۸۔

(۴) ”صحیح مسلم“، کتاب الصّیام، باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرّر به... إلخ، ر: ۲۷۳۳، ص ۴۷۴۔

(۵) اور وہ راہب بننا۔ (پ ۲۷، الحدید: ۲۷)۔

(۶) ”کشف الغمّة“، باب صلاة التطوع، فصل في التراویح، الجزء الأول، ص ۱۴۶۔

(۷) ”صحیح البخاری“، کتاب الإیمان، باب أحبّ الدّین إلى الله أدومه، ص ۱۰۔

العمل والحث على العمل بدوم، ويشمر القليل الدائم على الكثير المنقطع أضعافاً كثيرة، وفيه أيضاً ألا ترى أن عبد الله بن عمرو ندم على مراجعة النبي ﷺ بالتحفيف عنه لما ضعف، ومع ذلك لم يقطع الذي التزمه“ (۱) ... إلخ.

قاعدہ ۱۵

تکریم و تعظیم ہمارے مولیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کی شرع کو مطلوب، اور خدائے کریم کو ہر طرح پسند و محبوب، اور حق کتاب و سنت و اجماع امت واجب، اور ایمان کی علامت ہے؛ کہ حضور ہمارے اعظم شعار اللہ و حرمت خدا سے ہیں، ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ﴾ (۲) ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (۳)، وقد قال الله تعالى وتقدس في كتابه العزيز المقدس: ﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي﴾ (۴) ... الآية، وأيضاً: ﴿لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ

(۱) "عمدة القاري"، كتب الإيمان، باب أحب الدين إلى الله آدمه، تحت ر: ۴۳، ۳۸۰/۱ ملقطاً.

(۲) ترجمہ: اور جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے رب کے یہاں بھلا ہے۔

(پ ۱۷، الحج: ۳۰).

(۳) اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

(پ ۱۷، الحج: ۲۳).

(۴) ترجمہ: تو وہ جو اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں۔۔۔ إلخ۔

(پ ۹، الأعراف: ۱۵۷ ملقطاً).

وَتُوقَرُّوهُ ﴿١﴾

وقرئ "تعزّزوه" من العز، وأيضاً: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا
بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ (۲)۔

وأيضاً: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ
النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ
وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (۳)۔

وأيضاً: ﴿إِنَّ الَّذِينَ ينادونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا
يَعْقِلُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (۴)۔

وأيضاً: ﴿لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ

(۱) تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔

(پ ۲۶، الفتح: ۹)۔

(۲) اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ (پ ۲۶، المحررات: ۱)۔

(۳) اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے، اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔ (پ ۲۶، المحررات: ۲)۔

(۴) بیشک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں، اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم آپ ان کے پاس تشریف لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا، اور وہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (پ ۲۶، المحررات: ۴، ۵)۔

مَعْضًا ﴿١﴾۔

وَابْصُرْ: ﴿لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا﴾ (۲)۔
وَابْصُرْ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَفْعُضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ
الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ﴾ (۳) ... الآية۔

ان آیات کریمہ میں طرح طرح سے پروردگار عالم اپنے حبیب مکرّم ﷺ کی تعظیم و تکریم خلق پر واجب، اور جو تعظیم کریں اُن کی غایت مدح و ستائش، اور تارکین پر (اگرچہ بسبب ناواقفی اُن سے صادر ہو) سخت نفرین و سرزنش کرتا ہے، بلکہ اُن کے ادب کو بعینہ اپنا ادب، اور اُن سے گستاخی کو بعینہ اپنے حضور میں بے ادبی قرار دیتا ہے۔ اوروں کو حکم دیتا اور دوسروں پر اُس کا واجب کرنا ایک طرف، وہ بڑی عظمت والا ذوالجلال والا کرام خود اُس جناب پر درود بھیجتا ہے، اور بخلاف انبیائے کرام کے ہمارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کو ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ﴾، ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ﴾ اور اسی طرح القاب قیمہ و کلمات تعظیمیہ، بلکہ آپ کے طفیل سے اِس امت مرحومہ کو ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ و امثال ذلک کے ساتھ نوازا ہے۔

یا آدم است با پدر انبیا خطاب یا ایہا النبی خطاب محمد است

(۱) ترجمہ: رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا جو جیسا تم میں ایک دوسر کو پکارتا ہو۔

(پ ۱۸، النور: ۶۳)۔

(۲) راعنا نہ کہو! اوریوں عرض کرو کہ: حضور ہم پر نظر رکھیں! اور پہلے ہی سے بغور سنو۔

(پ ۱، البقرة: ۱۰۴)۔

(۳) بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے

پرہیزگاری کے لیے پرکھ لیا ہے۔ (پ ۲۶، المحجرات: ۳)۔

قال البيضاوي في تفسير قوله تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ (۱) ... إلخ، "أي: يعتنون بإظهار شرفه وتعظيم شأنه فاعتنوا أنتم أيضاً فإنكم أولى بذلك، وقولوا: اللهم صلّ على محمد والسّلام عليك يا أيها النّبي" (۲)۔

یعنی اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے آپ کے اظہارِ شرف و شان والا کی تعظیم میں اہتمام کرتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی اہتمام کرو؛ کہ جس حالت میں خود مالکِ حقیقی اور اُس کے مقررِ بان بارگاہِ اِس کام کی طرف متوجہ ہیں، تو تمہیں (کہ اِس جناب کی امت ہو) اس کا اہتمام زیادہ مناسب و لائق ہے، پس درود پڑھو اور سلام بھیجو!، اور اللّٰہم صلّ علی محمد اور السّلام علیک یا ایہا النّبی کہو۔

اور "تفسیر الموعظہ" میں بھی صلاۃ عبد کو طلبِ تشریف و تعظیم کے ساتھ تفسیر کیا ہے (۳)۔

امامِ اَنام قدوۃِ محدّثینِ کرام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ سعید بن معلی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: "میں مسجد میں نماز پڑھتا تھا کہ حضور نے پکارا، میں نے جواب نہ دیا، نماز ختم کر کے عذر کیا، ارشاد ہوا: ((کیا خدائے تعالیٰ نے نہیں

(۱) بیضی اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔

(۲) پ ۲۲، الأحزاب: ۵۶۔

(۳) "انوار التنزیل و أسرار التأویل"، پ ۲۲، الأحزاب تحت الآیۃ: ۵۶، ۱۳۶/۵ ملتقطاً بتصرف۔

(۳) "تفسیر الموعظہ"

فرمایا: ﴿اَسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ﴾ (۱)، گویا یہ ارشاد ہوتا ہے کہ مجھے نماز ہی میں جواب دینا چاہیے۔ اور صحابہ کرام حضور والا سے بعد نزول کریمہ ﴿لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ﴾ (۲) اس طرح کلام کرتے گویا سرگوشی کرتے ہیں (۳)، اور نہایت ادب و سکون و وقار کے ساتھ مجلس والا میں سر جھکا کے بیٹھتے، گویا پرند اُن کے سروں پر بیٹھے ہیں (۵)۔

ترمذی کی روایت میں آیا: ”ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا کوئی نگاہ نہ اٹھاتا“ (۶)، اور یہ بھی وارد ہوا کہ ”حضور کا آبِ بنی ولعاب دہن ہاتھوں پر لیتے اور آبِ وضو پر اس طرح گرتے، گویا آپس میں کٹ مریں گے“ (۷)، اور کمالِ بیعت

(۱) اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔ (پ ۹، الأنفال: ۲۴)۔

(۲) آی: فی ”صحیحہ“، کتاب التفسیر، باب ما جاء فی فاتحة الكتاب، ر: ۴۴۷۴، ص ۷۵۹۔ (لکن فیہ عن ابی سعید ابن المعلی)۔

(۳) اپنی آوازیں اونچی نہ کرو۔ (پ ۲۶، المحررات: ۲)۔

(۴) ”شعب الایمان“، الخامس عشر من شعب الایمان، وهو باب فی تعظیم النبی ﷺ وإجلاله وتوقیره ﷺ، ر: ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۲/۶۶۴۔

(۵) ”صحیح ابن حبان“، کتاب التاريخ، باب إعباره عما يكون فی آمنه ﷺ من الفتن والحوادث ذکر عوف بن مالک الأشجعی، ر: ۷۱۶۳، ص ۱۲۵۶۔

(۶) ”جامع الترمذی“، أبواب المناقب، باب [فیما لأبی بکر وعمر عند النبی ﷺ من المزية علی سائر الصحابة]، ر: ۳۶۶۸، ص ۸۳۵۔

(۷) ”صحیح البخاری“، کتاب الشروط، باب الشرط فی الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط، ر: ۲۷۳۱، ص ۴۴۸۔

سے بعض اوقات بات نہ کر سکتے، اگر کوئی امر دریاقت کیا چاہتے، کسی جاہل اعرابی سے دریاقت کراتے، جس طرح ”مصدق کریمہ: ﴿مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ﴾^(۱) کا ایک اعرابی نادان کی معرفت دریاقت کرایا، اور آپ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو (کہ عشرہ مبشرہ سے ہیں) فرمایا،^(۲) براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”مجھے اگر کوئی بات حضور سے پوچھنا ہوتی، ہیبت سے سالہا تاخیر کرتا“^(۳)۔

مسلم عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ”آپ سے زیادہ کوئی مجھے پیارا اور کسی کا میری نظر میں ذات والا سے عظمت و جلال زیادہ نہ تھا، کہ آپ کو نظر بھر کر دیکھنے کی طاقت ہرگز نہ رکھتا“^(۴)۔

اور جناب امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: ”حضور سے بسا اوقات اس قدر آہستہ کلام کرتے کہ آواز سمع شریف میں نہ پہنچتی، اور دوبارہ عرض کرنے کی حاجت ہوتی“^(۵)۔ اس کے سوا صدہا اخبار و آثار و حالات و معاملات

(۱) کوئی اپنی منت پوری کر چکا۔ (پ ۲۱، الأحزاب: ۲۳)۔

(۲) ”جامع الترمذی“، أبواب التفسیر القرآن، [باب ومن] سورة الأحزاب، ر: ۷۲۸۰۳، ص ۷۲۸۔

(۳) ”الغنیہ والمتفقہ“، باب تعظیم المتفقہ الفقہ و ہیبتہ إیاءہ وتواضعہ لہ، ر: ۸۴۷، ۴۵۳/۲۔

(۴) ”صحیح مسلم“، کتاب الایمان، باب کون الإسلام یهدم ما قبلہ و کذا الحجرۃ والحج، ر: ۳۲۱، ص ۶۵ ملقطاً۔

(۵) ”صحیح البخاری“، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکرہ من التعمق والتنازع فی العلم والغلو فی الدین والبدع، ر: ۷۳۰۲، ص ۱۲۵۶۔

صحابہ کبار و تابعینِ اخیر سے مروی و ماثور، اور طرح طرح سے رعایتِ آداب و تعظیم و تکریم جناب قولاً و فعلاً سلفِ صالحین و ائمہ و علمائے راسخین اور اَجَلۃً مشائخ طریقت و اکابر علمائے شریعت سے کتب متداولہ دینیہ میں منقول و مسطور۔

قاعدہ ۱۶

ادب و تعظیم و اِجلال و تکریم نبی کریم علیہ الصلاۃ و التسلیم مخصوص بحیات ظاہری نہیں، بلکہ بعد وفات کے بھی واجب کما يفهم من إطلاق النصوص. وایضاً قد أخرج الإمام البخاري في "صحيحه" عن السائب بن يزيد أنه قال: "كنت نائماً في المسجد فحصبني رجل، فنظرت فإذا عمر بن الخطاب، فقال: "أذهب فأنتي بهذين" فحشته بهما، فقال: "مَن أُنتما ومن أين أُنتما؟" قالاً: من أهل الطائف، قال عمر: "لو كنتما من أهل المدينة لأوجعتكما، ترفعان أصواتكما في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم" (۱).

اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے دواؤں کو کہ مسجد نبوی ﷺ میں چلا کر باتیں کرتے سنا اس جرم پر ملامت فرمائی، اور ارشاد کیا: "اگر تم اہل مدینہ سے ہوتے تو اس چلا نے کی سزا دیتا۔"

"شفا" میں ہے (۲): "امام مالک رحمہ اللہ نے امیر المؤمنین ابو جعفر عباسی

(۱) "صحيح البخاري"، كتاب الصَّلَاة، باب رفع الصوت في المسجد، ر: ۴۷۰، ص ۸۱ بتصرف.

(۲) "الشفاء"، القسم الثاني فيما يحجب على الأنام من حقوقه ﷺ، الباب الثالث في تعظيم أمره ووجوب توقيره وبرّه، فصل: واعلم... إلخ، الجزء الثاني، ص ۲۶، ۲۷.

سے فرمایا: ”اے امیر! اس مسجد میں آواز بلند نہ کر؛ کہ اللہ تعالیٰ ایک قوم کو تادیب کرتا ہے: ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾^(۱)، اور دوسرے گروہ کی مدح و تعریف فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ﴾^(۲)... الآية، ایک جماعت کے ذم میں وارد ہوا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ ينادُونَكَ مِنَ الْهُدَىٰ الْحُجْرَاتِ﴾^(۳)، اسی آئینہ الایات، اور حرمت آپ کی حیات میں اور بعد از وفات یکساں ہے، یعنی جس طرح حضور والا میں بحالت حیات چلا نا اور بلند آواز سے کلام کرنا ممنوع تھا، اسی طرح بعد وفات کے بھی خلاف ادب اور بے جا، خلیفہ کو اس کلام کے سننے سے خشوع و خضوع لاحق ہوا، عرض کیا: ”دعا کے وقت قبلہ کی طرف استقبال کروں یا حضور کی جانب؟“ فرمایا: ”اس جناب سے کیوں منہ پھیرتا ہے جو تیرا اور تیرے باپ آدم علیہ السلام کا قیامت تک وسیلہ ہے، آپ کی طرف منہ کر کے شفاعت کی درخواست کر؛ کہ آپ تیری شفاعت کریں“، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾^(۴)۔

(۱) اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے۔

(پ ۲۶، المحررات: ۲)۔

(۲) بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس۔ (پ ۲۶، المحررات: ۳)۔

(۳) بیشک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ (پ ۲۶، المحررات: ۴)۔

(۴) اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں، اور پھر اللہ سے

معافی چاہیں، اور رسول ان کی شفاعت فرمائے، تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان

پائیں۔ (پ ۵، النساء: ۶۴)۔

جب شاگردوں اور طلبہ علم کی امام مالک کے پاس کثرت ہو گئی، لوگوں نے کہا: ”ایک آدمی مقرر کیجئے کہ وہ آپ کی تقریر پر کار کرب حاضرین کو سنا دیا کرے! فرمایا: ”قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾^(۱)، اور تعظیم و احترام حضور کا حالت حیات میں اور بعد وفات کے ایک طرح سے ہے“^(۲)۔

دیکھو! اس امام اجل نے ہمارے دعویٰ کی تصریح فرمائی، اور اطلاقِ نصوص سے (کہ در باب تعظیم نبوی وارد) استدلال کیا، اور انہیں عالم حیات و برزخ کو شامل قرار دیا۔ اور قول امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ بھی (کہ بخاری سے منقول ہوا) اس مدعا میں کالصریح ہے۔

اور قاضی عیاض نے ”شفا“ میں اُس کے ساتھ محصی کی ہے حیث قال: ”إِنَّ حُرْمَةَ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ مَوْتِهِ وَتَوْقِيرَهُ وَتَعْظِيمَهُ لَازِمٌ كَمَا كَانَ حَالِ حَيَاتِهِ“^(۳)۔

”مواہب لدنیہ“ میں در باب زیارت شریفہ لکھتے ہیں: ”وینبغي أن يقف عند محاذاته أربع أذرع، ويلزم الأدب والخشوع والتواضع غاض (۱) اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس فیہ بتانے والے (نبی) کی آواز سے۔

(پ ۲۶، الحشرات: ۲)۔

(۲) ”الشفا“، القسم الثاني فيما يجب على الأنام من حقوقه ﷺ، الباب الثالث في تعظيم أمره ووجوب توقيره وبرّه، فصل: واعلم... إلخ، الجزء الثاني، ص ۲۸۔

(۳) ”الشفا“، القسم الثاني فيما يجب على الأنام من حقوقه ﷺ، الباب الثالث في تعظيم أمره ووجوب توقيره وبرّه، فصل: واعلم... إلخ، الجزء الثاني، ص ۲۶۔

البصر في مقام الهجرة كما كان يفعل بين يديه في حياته“^(۱)۔

”فصل الخطاب“ میں ہے: ”تعظیم و توقیر حضور کی جس طرح آپ کی حیات میں واجب تھی، بعد وفات کے بھی واجب ہے“^(۲)۔

اور زیارتِ بابرکت کے وقت وقوف و قیام، بلکہ قیام دست بستہ بہتر ہے علمائے حنفیہ ثابت ہے کما ذکرناہ فی رسالتنا ”إذاعة الأنام لمناحي عمل المولد والقيام“^(۳)۔

قاعدہ ۱

آپ کے ذکرِ گرامی اور کلامِ پاک اور نامِ نامی کی تکریم و تعظیم بعد الوفات کے طرق و اقسام سے ہے، لہذا سلفِ کرام باہتمام تمام بجالاتے، اور تعظیم فی الحیاة کی طرح لازم تصور فرماتے۔ ابو ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ہر مسلمان پر جب حضور کا ذکر کرے خواہ سنے، خشوع و خضوع، اور توقیر و سکون، اور آپ کی بیعت و اہلال سے سانس روک لیں، اور دم بخود ہو جانا (جیسا آپ کے حضور میں ہو جاتا)، اور جو ادب آپ کا خدائے تعالیٰ نے ہمیں سکھایا بجالانا واجب ہے۔“

ابو الفضل قاضی عیاض ”شفا“ میں اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں: ”وہذہ کانت سیرۃ سلفنا الصالح وأئمتنا الماضین“^(۴)۔ یعنی ہمارے سلفِ صالح

(۱) ”المواہب“، المقصد العاشر، الفصل الثانی فی زیارة قبرہ الشریف ومسجدہ المنیف، ۱۲/۱۹۵ بتصرف۔

(۲) ”فصل الخطاب“....

(۳) ”إذاعة الأنام لمناحي عمل المولد والقيام“....

(۴) ”الشفا“، القسم الثانی فیما یحب علی الأنام من حقوقہ رضی اللہ عنہ، الباب الثالث =

اور اگلے اماموں کی بھی عادت تھی۔

”فصل الخطاب“ میں ہے: ”جب حضور ﷺ کا ذکر کریں، یا حدیث پڑھیں، یا آپ کا نام سنیں، آپ کی تعظیم و خشوع و خضوع اور ہیبت سے فروتنی بجا لائیں، اور نام پاک سننے کے وقت بعض علما نے درود ہر مرتبہ، اور بعض نے ایک مجلس میں تین بار واجب، اور اکثر علماء نے ہر بار مستحب فرمایا ہے“ (۱)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ”شفا“ میں لکھا ہے کہ ”عبدالرحمن بن قاسم کا ذکر شریف کے وقت ہیبت و عظمت نبوی سے یہ حال ہو جاتا، گویا خون بدن کا پھوڑ لیا ہے، اور زبان منہ میں خشک ہو جاتی، اور عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اس قدر روتے کہ آنکھوں میں آنسو باقی نہ رہتے، اور زہری ایسے ہو جاتے گویا ٹوٹا نہیں نہیں جانتا، وہ تجھے نہیں جانتے، اور عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ تھریٹ کے وقت حاضرین کو سکوت کا حکم دیتے، اور مضمون کریمہ: ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ آپ کے مطلق کلام کو (کہ حالت حیات میں خود فرمائیں، یا بعد وفات دوسرے نقل کریں) عام شامل کہتے۔

امام مالک رحمہ اللہ جب ذکر شریف سننے رنگ بدل جاتا، اور غایت خضوع سے جھک جاتے، یہ حال مصاحبوں پر شاق ہوتا تو فرماتے: ”اگر تم جانتے ہو میں جانتا ہوں تو تردد و انکار سے پیش نہ آتے“ (۲)، اور کبھی کوئی حدیث بے وضو بیان نہ کرتے،

== في تعظيم أمره ووجوب توقيره وبرّه، فصل: واعلم... إلخ، الجزء الثاني، ص ۲۶۔

(۱) ”فصل الخطاب“....

(۲) الشفا، القسم الثاني فيما يجب على الأنام من حقوقه ﷺ، الباب الثالث في تعظيم

أمره ووجوب توقيره وبرّه، فصل: واعلم... إلخ، الجزء الثاني، ص ۲۷، ۲۸، ملقطاً۔

بارہا غسل کر کے اور لباس عمدہ پہن کر عمامہ باندھ کر خوشبو کپڑوں میں لگا کر عود سٹگا کر نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ حدیث بیان فرماتے، ایک روز حدیث بیان کرنے میں بچھونے سولہ بار ڈنک مارا حدیث قطع نہ کی، اور فرمایا: ”إنما صبرت إجلالاً لحدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم“ (۱)، میں نے تعظیم حدیث شریف کے سبب سے صبر کیا۔

جعفر بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تحدیث کے وقت رنگ متغیر ہو جاتا (۲)۔
ابن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لیٹے تھے کسی نے حدیث پوچھی، اُنٹھ بیٹھے اور لیٹ کر تحدیث پسند نہ کی۔

قنادہ نے بے وضو تحدیث مکروہ سمجھی، اور اکثر سلف کی بھی رائے تھی، ابن المہدی رحمہ اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے چلتے میں حدیث پوچھی جھڑک دیا اور فرمایا: ”میں تمہیں ایسا نہ جانتا تھا“، اور قاضی جریر بن عبد الحمید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس حرکت پر قید کا حکم دیا، کسی نے کہا: قاضی ہیں! فرمایا: ”قاضی کو آدب دینا زیادہ لائق اور بجا۔ اور ہشام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس خطا پر بیس کوڑے لگوائے، رحم آیا تو بیس حدیثیں سکھائیں، ہشام نے کہا: ”کاش! امام میرے زیادہ کوڑے لگواتے،

(۱) ”الشفاع“، القسم الثانی فیما یحب علی الأنام من حقوقہ ﷺ، الباب الثالث فی تعظیم امرہ ووجوب توقیرہ وبرہ، فصل فی سیرۃ السلف فی تعظیم روایۃ حدیث رسول اللہ ﷺ وستہ، الجزء الثانی، ص ۲۹ ملقطاً۔

(۲) ”الشفاع“، القسم الثانی فیما یحب علی الأنام من حقوقہ ﷺ، الباب الثالث فی تعظیم امرہ ووجوب توقیرہ وبرہ، فصل: واعلم... إلخ، الجزء الثانی، ص ۲۷۔

اور حدیث بتاتے،“ اور لیٹ و مالک بے وضو حدیث نہ لکھتے^(۱)، اور امام تقی الدین سبکی امام ابو زکریا یحییٰ صرصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا شعر:

وَأَنْ يَنْهَضَ الْأَشْرَافُ عِنْدَ سَمَاعِهِ قِيَامًا صَفْوًا أَوْ جَنَابًا عَلَى الرُّكْبِ

سن کر کھڑے ہو گئے اور اعیان علماء نے (کہ مجلس میں حاضر تھے) ان کے ساتھ قیام کیا، اور تعظیم نعت شریف اور تعمیل ارشاد امام صرصری کی بجالائے^(۲)۔

اسی طرح جسے حضور والا سے کچھ علاقہ و نسبت ہو، جیسے حضور کے رشتہ دار، اور آل و اصحاب و آزدواج، و موالی و خدم، اور موئے مبارک، و لباس مقدس، اور وطن اشرف، و مسجد مقدس، و حجرہ مطہرہ، و قبر منور، اور جسے حضور کی پاک صورت خواہ سیرت سے کچھ حصہ ملا، یا جس جگہ آپ نے سکونت کی، یا بیٹھے، یا سوئے، یا نماز پڑھی، یا جسے مس، یا اپنی طرف اضافت کیا، تعظیم و توقیر اُس کی لازم، اور تعظیم بعد الوفات کے قبیل سے ہے۔ احادیث و آثار و اقوال سلف کبار اس مادہ میں بکثرت وارد، اور قرآن مجید سے بھی آثار انبیاء کا معظم و متبرک ہونا، بخوبی ظاہر۔

(۱) الشفا، القسم الثاني فيما يجب على الأنام من حقوقه ﷺ، الباب الثالث في تعظيم أمره ووجوب توقيره وبرّه، فصل في سيرة السلف في تعظيم رواية حديث رسول الله ﷺ وسنته، الجزء الثاني، ص ۲۸-۳۰ ملقطاً.

(۲) سبل الهدى والرشاد، جماع أبواب مولده الشريف ﷺ، الباب السادس في وضعه ﷺ والنور الذي خرج معه، ۱/۳۵۴.

قاعده ۱۸

تعظیم کے لئے معظم کا مشاہد و محسوس، اور تعظیم کرنے والے کے سامنے حاضر و موجود ہونا شرط نہیں، ورنہ عبادت میں بھی (کہ غایت تعظیم ہے) وجود عند الحواس معبود کا شرط ہو۔ دیکھو استقبال و استہ بار کعبہ بول و فاعل کے وقت حنفیہ کے نزدیک مطلقاً، اور شافعیہ کے نزدیک صرف صحرا میں ممنوع ہے^(۱)، حالانکہ دونوں صورت میں کعبہ معظمہ محسوس و مشہود نہیں!۔

وفي "التفسير الكبير": "الملائكة أمروا بالسجود لآدم؛ لأن نور محمد -صلى الله عليه وسلم- في جبينه"^(۲)، یعنی فرشتوں کو سجدہ آدم کا اس لئے حکم ہوا کہ نور حضرت ﷺ کا اُن کی پیشانی میں تھا، حالانکہ حضور جو اس تعظیم میں معظم حقیقی، یا اس عبادت میں قبلہ اصلی تھے، اُس وقت بوجہ خارجی موجود بھی نہ تھے۔

اور قیام واسطے تعظیم ملائکہ کے (کہ جنازہ کے ساتھ ہوتے ہیں) مشروع ہوا، باوجود اس کے کہ ملائکہ محسوس نہیں ہوتے۔

اور روضہ مطہرہ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اور ہیبت و حرمت کی نظر سے دیوار تربت کو ہاتھ نہ لگانا، کما فی "العالمگیریہ": "ولا يضع يده على جدار التربة، فهو أهيب وأعظم للحرمة، ويقف كما يقف في

(۱) "رد المحتار"، کتاب الطہارۃ، باب الانحاس، فصل فی الاستنجاء، مطلب: إذا

داعل المستحي فی ماء قليل، ۴۳۳/۲.

(۲) "التفسير الكبير"، پ ۳، البقرة، تحت الآية: ۲۵۳، ۵۲۵/۲، بتصرف.

الصلاة“ (۱)۔ جناب کے تعظیم و آداب سے قرار پایا، اور حضور زیارت کرنے والوں کو نظر نہیں آتے، اور تعظیم بعد الوفات کے جمیع انواع و اقسام میں، تو معظم حقیقی اور مقصود اصلی کا محسوس و مشاہد فی الحال ہونا غیر معقول ہے۔

اور حضراتِ وہابیہ کے طور پر تو وجود خارجی بھی وقتِ تعظیم کے مفقود ہے، بلکہ اکثر اوقات و احوال میں تعظیم میں مقصود بالذات معانی ہوتے ہیں، نہ اعیان، مثلاً ساداتِ کرام و علمائے عظام و اُتقیائے اُمت و مشائخِ طریقت کی تعظیم میں درحقیقت معظم حقیقی وہ نسبت ہے جو انہیں حضرتِ احدیت اور جناب رسالت سے حاصل، نہ گوشت و پوست و شکل و صورت کہ حواس کے سامنے موجود ہے، اور یہ امر ایسی اشیاء کی تعظیم پر جنہیں حضور اقدس نے مس کیا خواہ اپنی طرف نسبت کر لیا، خوب ظاہر ہوتا ہے، اور جس مادہ میں مفقود بالذات اعیان خارجیہ ہوں، وہاں بھی تصور اُن کا ایسے امور کے لئے کفایت کرتا ہے، جو معاملہ کہ ذوالصورۃ کے ساتھ چاہیے، کبھی صورتِ ذہنیہ سے کیا جاتا ہے، اور جو صورت سے کیا جائے، ذوالصورۃ سے قرار پاتا ہے۔ حضراتِ صوفیہ کرام نے تصورِ شیخ کو راہِ سلوک میں نافع و مفید قرار دیا ہے، اور اُس کے نتائج و ثمرات کا تجربہ کیا ہے۔

”تفسیرِ کبیر“ میں ہے: ”حضرت یوسف علیہ السلام کو باپ کی صورت نظر آئی، اُس وقت آپ شرم سے دروازہ کی طرف بھاگے، اور وہی شرم اس آفت سے نجات کی باعث ہوئی“ (۲)۔

(۱) ”الہندیہ“، کتاب العناسل، الباب السابع عشر فی النذر بالحج، مطلب: زیارة النبی ﷺ، ۱/۲۶۵۔

(۲) ”التفسیر الکبیر“، یوسف، تحت الآية: ۲۴، ۶/۴۴۳، ۴۴۴ ملقطاً۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رسالہ ”فیض عام“ میں لکھتے ہیں: ”نمازِ عشا کے بعد مدینہ شریفہ کی طرف متوجہ ہو کر کوئی درود سو بار پڑھے، اور حضور ﷺ کی صورتِ پاک کا استحضار کرے۔“ یہ استحضار تصور نہیں تو کیا ہے؟!، اور جو مٹروٹج کسی امر کا اور مصطفیٰ کے لئے مفید نہیں تو شاہ صاحب نے کس غرض سے حکم دیا ہے؟! (۱)۔

علامہ خفاجی ”مقولہ ابو ابراہیم صحیحی“ کی بحث میں لکھتے ہیں: ”فی فرض ذلك ويلاحظه ويمثله كأنه عنده“ (۲)۔

”مواہب لدنیہ“ میں ہے: ”ویمتھضر علمہ بوقوفہ بین یدہ وسماعہ لسلامہ کما ہو فی حال حیاتہ؛ إذ لا فرق بین حیاتہ وموتہ فی مشاہدہ لآئمته ومعرفته بأحوالہم، ونیاتہم، وعزائمہم، وخواطرہم، وذلك عنده جلی لا خفاء به“ (۳)۔

”عالمگیری“ میں ”اختیار شرح مختار“ (۴) سے نقل کرتے ہیں: ”وتعمیل صورته الکریمۃ البھیة كأنه نائم فی لحدہ عالم به یسمع کلامہ“ (۵)۔

(۱) ”فتاویٰ عزیزی“، رسالہ فیض عام، جزء اول، ص ۱۷۲۔

(۲) ”نسیم الریاض“، القسم الثانی فیما یحب علی الأنام من حقوقہ ﷺ، الباب الثالث فی تعظیم أمرہ، فصل فی تعظیم النبی ﷺ بعد موتہ، ۴/۸۳۔

(۳) ”المواہب“، المقصد العاشر، الفصل الثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف ومسجدہ المنیف، ۱۲/۱۹۵ بتصرف۔

(۴) ”الاختیار للتعلیل المختار“، کتاب الحج، باب الہدی، فصل فی زیارۃ قبر النبی ﷺ، الجزء الأول، ص ۱۸۸۔

(۵) ”الہندیہ“، کتاب المناسک، الباب السابع عشر فی النذر بالحج، مطلب: زیارۃ =

مولانا رفیع الدین خان مراد آبادی لکھتے ہیں: ”از جملہ اوقات ذوق و حضور و لذت و سرور حال خطبہ جمعہ ہست کہ در اکثر احوال خطیب بالائے منبر ہر گاہ بذکر آنحضرت ﷺ میر سمدی گوید: اشهد ان هذا محمد رسول الله، او قال: هذا النبي، او قال: صاحب هذا القبر المعطر، و در آں وقت رو بسوئے حجرہ شریفہ میگرداند و اشارت میکند، اگر کسے را نصیبی از حضور قلب حاصل باشد، و دریں مکان تصور کند زمان آں سرور را ﷺ کو خیل نماید طلعت منور اورا ایستادہ بالائے منبر، و تو ہم کند گرد آگروا، و حاضر بودن مہاجرین و انصار را از صحابہ کبار با نظار استماع احکام و اخبار از زبان دربار سید ابرار و تحریص و تخصیص کردن آنحضرت ایشان را در آشنائے خطبہ بر طاعت حق جل و علا، و بیان فرمودن شرائع و احکام و تمثیل کند خود را حاضر در آں محفل مجد و جلال در صف فعال لذتی و سروری در آں وقت ادراک کند کہ بعبارت در نیاید: ”اللهم ارزقنا ذلك بمنك وفضلک!“

ان سب عبارات سے بخوبی واضح کہ تمثیل، و خیل، و استحضار، و تصور والا، اور آپ کی صورت کریمہ، اور اُس مجلس مقدس، اور وہاں کے حالات کا، اور اپنے نفس کو اس دربار میں حاضر، اور حضور کو اپنے حال خستہ کی طرف متوجہ، اور اپنے کلام و سلام و تعظیم و اکرام سے مطلع خیال کرنا، موجب لذت و سرور، خصوصاً زیارت شریفہ، اور ذکر حضور کے وقت ضرور ہے۔

اسی طرح تشہد کے باب میں علماء لکھتے ہیں کہ ”ندا کے وقت حضور کو وہاں موجود، اور اپنے نفس کو حضور میں حاضر خیال کرے“ (۱)۔

= النبی ﷺ، ۱/۲۶۵۔

(۱) ”رسالہ“ مولوی رفیع الدین

اور در باب درود کہتے ہیں کہ ”درود پڑھتے وقت صورتِ مطہرہ کو جو آخر عمر میں تھی نصب العین رکھے، اور حضور کو مجمعِ صحابہ میں موجود، اور اپنے کو خس و خاشاک کی طرح اس مجلسِ مجبرک کے کسی گوشہ میں نہایت ادب و انکسار کے ساتھ حاضر سمجھے؛ کہ اس خیال سے ہیبت و جلال آپ کا دل میں اثر کرے گا، اور جس قدر آداب کی رعایت و خشوع و خضوع اور حضور کی عظمت و ہیبت دل میں زیادہ ہوگی، درود زیادہ فائدہ بخشنے گا۔“ اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ تخیل و تصور کا مفید و مہر ہونا مشروط بواقیعت نہیں۔

اور مولانا موصوف یہ بھی لکھتے ہیں: ”ایک دن دروازہ بیت اللہ شریف کے سامنے کھڑا ہو کر دعا کرتا تھا، روزِ فتح مکہ کا یاد کر کے تصور کیا کہ حضور اقدس دروازہ بیت اللہ شریف میں تشریف رکھتے ہیں، اور صحابہ حضور میں حاضر، اور کفار قریش سب پریشان و ہراساں وہاں موجود، اور آپ کفار کے قصورات معاف فرماتے ہیں“ (۱)۔

یہ لکھ کر کہا: ”ملاحظہ ایں حال باعث شد بتوسل از آنجناب ودعا بدرگاہ در حضرت عزت جلّتِ عظمتِ تعالیٰ برائے مغفرتِ خود و جمیع اقارب و اُجانب و قضائے حوائج دین و دنیا“ (۲)، و نرجو من اللہ تعالیٰ الإجابة إن شاء اللہ تعالیٰ۔

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ بادشمنانِ نظر داری
ورنہ کہاں مصلیٰ اور اُس کا مکان و شہر، اور کہاں وہ مجلسِ ملائک مائس!، اسی طرح کہاں یہ وقت اور زمانہ، اور کہاں محضرِ صحابہ میں حضور اقدس کا خطبہ!، صحیح حدیث جسے بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے روایت کیا: ((أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ)) (۳)۔

(۱) ”رسالہ“ مولوی رفیع الدین.....

(۲) ”رسالہ“ مولوی رفیع الدین.....

(۳) ”صحیح البخاری“، کتاب الإیمان، باب سوال جبریل النبی ﷺ عن: الإیمان =

اس امر کے اثبات میں کافی اور برہان شافی ہے؛ کہ روایت باری اس عالم میں غیر انبیاء کے لئے متصور نہیں، اور محال عادی ہے، تو خیال اس امر کا کہ ”میں خدا کو دیکھتا ہوں“ مجز و تحمیل و تصور غیر واقعی ہے، یا اس ہمہ غایت تعظیم و اجلال و ہیبت بروح کمال، و خضوع و خشوع و انجذاب و محبت و حیا و ذوق و شوق کا غلبہ اُس کے ثمرات سے ہے۔ شیخ محقق نے ”ترجمہ مشکاۃ“ میں اس کی تصریح کی ہے^(۱)، اور اہل عرفان اسے مقام مشاہدہ کہتے ہیں۔

اسی طرح ذکرِ معظم و محبوب خصوصاً ذکرِ خدا اور رسول کا مثر ان ثمرات، اور منتج ان صفات کا ہے، اور بسا اوقات ذکر و تذکور سے معاملہ یکساں، یا تذکور کے ساتھ یا وصفِ غیبت و ہی معاملہ جو اُس کے حضور میں کریں، عمل میں آتا ہے۔ اربابِ سلوک و عرفان تو اس بات پر اطمینان کفی اور اعتقاد تام رکھتے ہیں، ہم بظہر تسکین فرقہ و ہابیہ (جو حضراتِ صوفیہ کے کلمات کے معتقد اور تجربات پر مطمئن نہیں) ایک حدیث صحیح (کہ اس مدعا میں صریح ہے) نقل کرتے ہیں، ”صحیح مسلم“ میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً وارد: ((إِنَّ الْكَافِرَ إِذَا أُخْرِجَتْ رَوْحُهُ قَالَ: حَمْدًا وَذِكْرًا مِنْ نَتْنِهَاءِ - وَذِكْرًا - لَعْنًا، وَتَقُولُ أَهْلُ السَّمَاءِ: رَوْحٌ خَبِيثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ، - قَالَ: - فَيَقَالُ: انْطَلِقُوا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ))، قال: أَبُو هُرَيْرَةَ: فَرَدَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رِيْطَةً عَلَيْهِ عَلَى أَنْفِهِ هَكَذَا^(۲)۔

= والإسلام والإحسان وعلم الساعة، ر: ۵۰، ص: ۱۲، و”صحیح مسلم“، کتاب الإیمان، ر: ۹۳، ص: ۲۵۔

(۱) ”اھد المذمات“، کتاب الایمان، الفصل الاول، ۳۳/۱۔

(۲) ”صحیح مسلم“، کتاب الحنۃ وصفۃ ونعمیہا وأهلہا، باب عرض مقعد الحب من =

دیکھو رسول اللہ ﷺ نے روح کافر کے نکلنے اور اُس کی بدبو کا ذکر فرما کر کپڑا ناک پر رکھا، جس طرح بدبو آنے کے وقت رکھتے ہیں!۔

امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ”کان سبب ردھا علی الأنف بسبب ما ذکر من نتن ریح روح الکافر“^(۱)، یعنی ناک پر کپڑا رکھنے کا سبب روح کافر کی بدبو کا ذکر تھا۔

قاعدہ ۱۹

جناب باری نے تعظیم و تکریم اپنے نبی کی بلا تخصیص و تعیین ہیئت و وضع و وقت و غیرہ کے فرض فرمائی، اور کسی خاص صورت اور طریق و طرز میں منحصر نہ ٹھہرائی، تو جس طرز و طریق و ہیئت و وضع سے، جس وقت، جس حال میں، جس فعل خواہ قول سے بجالائیں، بشرط عدم مزاحمت و ممانعت شرع امر مطلق کی تعمیل، اور حکم شارع کا امتثال ہے۔ لہذا خود حضور والا میں صحابہ جس طرح چاہتے فعلاً و قولاً تعظیم آپ کی بجا لاتے، اور خود حضور سرورِ انام اس تنوع و تعدد و اقسام کو منع نہ کرتے، بلکہ پسند فرماتے۔

صحابہ سے و غیرہا کتب حدیث ایسے وقائع اور احوال سے مالا مال، اور سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کا بھی یہی حال تھا کہ خود انہوں نے اور ان کے عصر میں جس نے جس طریق سے چاہا، آپ کی تعظیم و توقیر عمل میں لایا، کسی نے یہ نہ کہا کہ ”تجھ سے پہلے یہ طریق کس نے کیا؟ اور کس آیت و حدیث سے ثابت ہوا؟ یا قرون

= الجنة والنار علیہ وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه، ر: ۷۲۲۱، ص: ۱۲۴۔

(۱) ”شرح صحیح مسلم“، کتاب الجنة وصفة ونعمها وأهلها، باب عرض مقعد الجنة من

الجنة والنار علیہ وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه، الجزء السابع عشر، ص: ۲۰۵۔

علاش میں موجود نہ تھا، تو نے کہاں سے نکالا؟ یا صحابہ کرام و اہل بیت عظام آپ کی محبت و تعظیم میں تمام عالم سے زیادہ کامل تھے، اگر یہ صورت جائز تھی، وہ کیوں نہ بجا لائے؟“ اور نہ اس قسم کے اعتراضات اور بے ہودہ شبہات کسی کے خیال میں آئے، بلکہ سب نے پسند کر لیا، اور معاصرین و لاحقین نے اس فعل کو فاعل کے محامد سے شمار کیا۔

مقلدات سابقہ میں اکثر روایات مثبت و مؤید مدّ عائد کور، اور کتب دینیہ میں صد ہا حکایات مسطور ہیں، بنظر اسی اطلاق و عمل سلف کرام اور اکابر اسلام کے علمائے متاخرین نے بتصریح لکھ دیا ہے کہ ”جو فعل تعظیم و اجلال حضور میں زیادہ دخل رکھے، وہی بہتر اور اولیٰ ہے۔“ کما فی ”العالمگیریہ“^(۱) معزیاً الی ”فتح القدیر“^(۲)۔

اور شیخ امام رحمۃ اللہ سندھی بھی ”منسک متوسط“ میں ایسا ہی لکھتے ہیں:

”وکلّ ما کان أدخل فی الأدب والإجلال کان حسناً“^(۳)۔

اور علامہ امام ابن حجر ”جوہر معظّم“ میں کہتے ہیں: ”تعظیم النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- بجميع أنواع التعظیم التي ليس فيها مشاركة الله تعالى في الألوهية أمر مستحسن عند من نور الله أبصارهم“^(۴)۔

(۱) ”الہندیہ“، کتاب المناسک، الباب السابع عشر فی النذر بالحجّ، مطلب: زیارة النبی ﷺ، ۱/۲۶۵۔

(۲) ”الفتح“، کتاب الحجّ، باب الہدی، مسائل منثورة، ۳/۹۴۔

(۳) ”المنسک المتوسط“، باب زیارة سیّد المرسلین ﷺ، فصل، ص ۵۰۵۔

(۴) ”الجوہر المنظّم فی زیارة القبر الشریف النبوی المکرم المعظّم“، الفصل الأول فی مشروعیة زیارة نبینا محمد ﷺ، ص ۱۲ بتصرف۔

دیکھو یہ امام اجل، فاضل بے بدل کس تصریح سے بطور قاعدہ کلیہ فرماتے ہیں کہ ”سوا اُس فعل کے جس سے خدا سے خدائی میں شرکت ہو جائے، جملہ اقسام تعظیم (کہ محی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے کئے جائیں) مستحسن اور اچھے ہیں!۔ یہ آفت کہ ”اس فعل کی یہ خاص ہیئت قرآن وحدیث سے کہاں ثابت ہے؟ اور نہ قرون ثلاثہ میں یہ فعل کسی نے کیا!، اور اس بنا پر (العیاذ باللہ) اسے بدعت وضلالت کہنا، یا تعظیم حضور کو (معاذ اللہ) خلاف قیاس سمجھ کر موار و شرع پر منحصر کرنا، اور ایسے خیالات فاسدہ و اُدھامِ باطلہ اس کے ترک کا حیلہ اور خلقِ خدا کو اس سے روکنے کا وسیلہ ٹھہرانا، اور امرِ دین میں اس درجہ گستاخ اور بے باک ہو جانا“ اس زمانہ پُر فتنہ و فساد کے خصائص و غلبہ کفر و عناد کے نتائج سے ہے۔

حدیث میں آیا ہے: ((فرشتے اپنے بازو طالبِ علم کے لئے بچھاتے ہیں))^(۱)، اور یہ لوگ جناب رسالت کی تعظیم میں کلام کرتے، حیلے اور بہانے بناتے ہیں۔ ”در مختار“ میں روئی کا تعظیماً چومنا (باوجود کہ نہ قرآن وحدیث میں اس کی تصریح ہے، نہ قرون ثلاثہ سے ثابت ہوا) بحوالہ بعض مستحسن ٹھہرایا^(۲)، ان صاحبوں کو رزاقِ مطلق کے رسولِ برحق کی تعظیم میں اس درجہ استہکاف و انکار کا موقع کہاں سے ہاتھ آیا؟!۔

(۱) ”جامع الترمذی“، أبواب العلم، باب [ما جاء] في فضل الفقه على العبادة،

ج: ۲، ۲۶۸، ص: ۶۰۹۔

(۲) ”الدر“، کتاب الکراہیۃ، باب الاستبراء وغیرہ، فصل فی البیع، ۵/ ۲۴۶۔

قاعدہ ۲۰

در باب تعظیم و توہین عُرف و عادتِ قوم و دیار پر بڑا اعتبار ہے، عرب میں باپ اور بادشاہ سے ”کاف“ کے ساتھ (جس کا ترجمہ ”تُو“ ہے) خطاب کرتے ہیں، اور اس ملک میں یہ لفظ کسی معظّم بلکہ ہمسرے بھی کہنا گستاخی اور بیہودگی سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر ہندی اپنے باپ یا بادشاہ خواہ کسی واجب التعظیم کو ”تُو“ کہے گا، شرعاً بھی گستاخ و بے ادب اور تعزیر و تنبیہ کا مستوجب ٹھہرے گا۔ اور جو فعل جس ملک، اور جس قوم، اور جس عصر میں تعظیم کا قرار پائے گا، اُس کا تارک اگر اُسی قوم اور زمانہ و دیار سے ہوگا، تارک تعظیم، اور اُس پر طعن و انکار، بلا شک تعظیم پر طعن و انکار سمجھا جائے گا۔ ہم نے اس رسالہ کے قاعدہ ہشتم میں بدلائل باہرہ اور برائین واضح ثابت کیا ہے کہ عُرف و عادتِ اہل اسلام شرعاً معتبر ہے، اور فقہائے کرام نے صد ہا مسائل میں رواج و عادت سے استناد کیا، اور اُس کے مطابق حکم دیا ہے۔ موافقتِ قوم و دیار اُن کی عادت میں باعثِ اُلفت ہے؛ کہ مراد شارع اور مطلوب شرع ہے، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پر اس کا احسان جتا تا ہے: ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ﴾ (۱)۔

اور مخالفتِ مؤمنین بلا وجہ شرعی موجبِ وحشت جس کی نسبت و عمید شدید فرماتا ہے: ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (۲) ... إلخ۔

ولہذا امام حجتہ الاسلام محمد غزالی رحمہ اللہ کتاب ”احیاء العلوم“ کے ادب خاصِ آدابِ سماع میں قیام اور کپڑے اتارنے کی نسبت (کہ موافقت صاحبِ وجد

(۱) لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیئے۔ (پ ۱۰، الأنفال: ۶۳)۔

(۲) اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے۔ (پ ۵، النساء: ۱۵۵)۔

اُتار لیں) لکھتے ہیں: ”قالموافقة في هذه الأمور من حسن الصحبة والعشرة إذ المخالفة موحشة، ولكل قوم رسم، ولا بدّ من مخالفة الناس بأخلاقهم، كما ورد في الخبر^(۱)، لا سيّما إذا كانت أخلاقاً فيها حسن العشرة والمعاملة، وتطبيب القلب بالمساعدة، واصطلاح عليها جماعة، فلا بأس بمساعدتهم عليها، بل الأحسن المساعدة إلّا فيما ورد نهى لا يقبل التأويل“^(۲).

بلکہ کتاب مستطاب ”عین العلم“ میں بطور قاعدہ کے کہتے ہیں: ”والأسرار بالمساعدة فيما لم ينه عنه وصار معتاداً في عصرهم حسن وإن كان بدعة“^(۳). یعنی اہل عصر کی عادت میں (کہ شرع شریف سے ممنوع اور منہی عنہا نہیں، گو بدعت ہو) موافقت کر کے انہیں خوش کرنا مستحسن.

فاحفظ تلك الأصول تنفعك إن شاء الله في مهمات الفصول، واكتبها على الحناجر ولو بالحناجر تردّ بها على ما يرويك، ولا يردّيك في ظمأ الهواجر، وصلى الله تعالى على خير خلقه محمد النبي الزكي الطاهر، وعلى آله وصحبه أولى النور الباهر والقدر الفاجر، وعلى من معهم أجمعين.

(۱) أي: ((خالقوا الناس بأخلاقهم))... الحديث، (”المستدرک“ کتاب المعرفة الصحابة، ذکر مناقب أبي ذر الغفاري رضي الله عنه، محنة أبي ذر رضي الله عنه، ر: ۲۰۱۹/۶، ۵۴۶۴).

(۲) ”الإحياء“، کتاب آداب السماع والوجد، الباب الثاني في آثار السماع وآدابه، المقام الثالث من السماع، الأدب الخامس، ۳۳۱/۲، ۳۳۲، ملقطاً.

(۳) ”عین العلم وزین الحلم“، ص ۵۰۹، ۵۱۰.

فهرست آیات قرآنیہ

آیت	پارہ	سورت	آیت	صفحہ
صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	۱	الفاتحة	۷	۱۶۳
هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	۱	البقرة	۲۹	۱۰۶
خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	۱	البقرة	۲۹	۱۰۳، ۱۰۱
وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ	۱	البقرة	۳۱	۱۲۱
أَعْلَمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ	۱	البقرة	۳۳	۱۲۱
وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرَ لَكُمْ	۱	البقرة	۵۸	۱۵۷
أَلَمْ نَمُنْ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ	۱	البقرة	۸۵	۸۷
لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا	۱	البقرة	۱۰۴	۲۰۸
أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَى	۱	البقرة	۱۰۸	۱۰۶
مِنْ قَبْلُ				
بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ	۱	البقرة	۱۱۷	۸۷
وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى	۱	البقرة	۱۲۵	۱۵۶
وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا	۲	البقرة	۱۴۳	۱۷۰، ۸۳
لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ				
إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ	۲	البقرة	۱۵۸	۱۵۷
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ	۲	البقرة	۱۸۵	۱۵۶

١٥٦	١٨٥	البقرة	٢	أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ
١٥٦	١٨٥	البقرة	٢	فَمَنْ شَهِدَ
١٥٨	٢٢٨	البقرة	٢	إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ كُنْتُمْ غَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ صِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ
٣٢	٦	آل عمران	٣	يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ
١٤٠، ٨٣	١١٠	آل عمران	٣	كُنْتُمْ غَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ
١٢١	١٣٣	آل عمران	٣	وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ
٢١٣، ١٥٥	٦٣	النساء	٥	وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا
١٩٤	١١٥	النساء	٥	وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا
٢٢٨، ٨٤	١١٥	النساء	٥	وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ
١٠٦	٣	المائدة	٦	الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ
١١٨	٨٩	المائدة	٤	صِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ
٣٣	١٠٢	الأنعام	٤	ذَلِكَُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ

١٠٣	١٣٥	الأعراف	٨	قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا
٢٠٦	١٥٤	الأعراف	٩	فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ
				وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي
٢١٠	٢٣	الأنفال	٩	اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ
٢٢٨	٦٣	الأنفال	١٠	وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَفَ بَيْنَهُمْ
١٩٠	٣١	التوبة	١٠	اتَّخَذُوا أَحِبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِمَّنْ
				دُونِ اللَّهِ
١٢١	٨٣	هود	١٢	وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ
٣٩	٢٦	إبراهيم	١٣	اجْتَسَتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ
٣٨	٢٢	الحجر	١٣	إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ *
١٤١	٩٠	النحل	١٣	إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ
١٠٤	١١٦	النحل	١٣	وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمْ
				الْكُذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ
				لَتَفْتُرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ
٢٠٦	٣٠	الحج	١٤	وَمَنْ يُعْظَمْ حُرْمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ
				عِنْدَ رَبِّهِ
٢٠٦	٣٢	الحج	١٤	وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَنَهَا مِنْ تَفْوَى الْقُلُوبِ
٣٦	٤٣	الحج	١٤	مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ

٢٠٤	٦٣	النور	١٨	لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ مَبْعُثًا
٢١١	٢٣	الأحزاب	٢١	مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ
١٣٢	٣١	الأحزاب	٢٢	ادْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا
٢٠٩	٥٦	الأحزاب	٢٢	إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ
٢٨	٣٩	يس	٢٣	حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ
١٨٢	٢٢	ص	٢٣	إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ
١٣٢	٣٣	فصلت	٢٣	وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ
٢٠٦	٩	الفتح	٢٦	لِيُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ
٢٠٤	١	الحجرات	٢٦	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
٢١٣	٢	الحجرات	٢٦	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
٢٠٤	٢	الحجرات	٢٦	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ

٢١٦، ٢١٠	٢	الحجرات	٢٦	لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
٢١٣	٣	الحجرات	٢٦	إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ
٢٠٨	٣	الحجرات	٢٦	إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ فَلْتَتَّقُوا
٢١٣، ٢٠٤	٥، ٣	الحجرات	٢٦	إِنَّ الَّذِينَ يَنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
٢٠٥، ٢٩	٢٤	الحديد	٢٤	وَرَهْبَانِيَّةٍ ابْتَدَعُوهَا
٨٨	٢٤	الحديد	٢٤	ابْتَدَعُوهَا
٨٨	٢٤	الحديد	٢٤	فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا
٦٨	١	القدر	٣٠	إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ

فهرست احادیث

حدیث	صفحہ نمبر
اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ.....	۸۶
اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ؛ فَإِنَّهُ مَنْ شَدَّ شَدَّ فِي النَّارِ.....	۱۶۸
أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ.....	۲۰۵
أَصْحَابُ الْبَدْعِ كِلَابُ النَّارِ.....	۷۲
أَفْضَلُ الْعِبَادَاتِ أَحْمَزُهَا.....	۲۰۵
الْأَكْمَةُ مِنْ قَرِيشٍ.....	۱۱۷
إِلَّا بِحَقِّهَا.....	۱۱۷
الْأَمْرُ ثَلَاثَةٌ أَمْرٌ بَيْنَ رَشْدِهِ فَاتَّبِعْهُ، وَأَمْرٌ بَيْنَ غِيٍّ فَاجْتَنِبْهُ، وَأَمْرٌ اخْتَلَفَ فِيهِ فَكُلُّهُ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ.....	۱۱۲
الَّذِينَ يَلُونَهُمْ.....	۸۰
الْمَدِينَةُ تَنْفِي عِبَثَ الرِّجَالِ كَمَا تَنْفِي الْكَبِيرَ عِبَثَ الْحَدِيدِ.....	۱۹۵
أَمَرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.....	۱۱۷
أَنَا مَعْشَرُ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورُثُ وَمَا تَرَكْنَاهُ صِدْقَةٌ.....	۱۱۷
أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ.....	۲۲۳
إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ فِي الْمُسْلِمِينَ جُرْماً مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحْرَمَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فَحُرِّمَ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ.....	۱۰۶

- ٢٢٣ إِنَّ الْكَافِرَ إِذَا أُخْرِجَتْ رَوْحُهُ - قَالَ: حَمَادٌ وَذَكَرَ - مِنْ تَنْتَهَاهَا.....
- ١٩٦ إِنَّ الْإِيمَانَ لِيَأْرُزَ إِلَى الْمَدِينَةِ كَمَا تَأْرُزُ الْحَيَّةُ إِلَى جَحْرَهَا.....
- ١٠٥ أَنَّ اللَّهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا، وَحَرَّمَ حَرَمَاتٍ فَلَا تُنْتَهِكُوهَا، وَحَدَّ حَدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نَسِيَانٍ فَلَا
- ١٨٠ إِنَّ أَمْتِي لَنْ يَجْتَمِعَ عَلَى الضَّلَالَةِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ اخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ.....
- ١٩٥ إِنَّهَا طَيِّبَةٌ تَنْفِي الذُّنُوبَ كَمَا تَنْفِي الْكَبِيرَ خَبَثَ الْفُضَّةِ.....
- ٣٨ إِنَّ هَذَا الدِّينَ بَدَأَ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى لِلْغُرَبَاءِ.....
- ٤٢ أَهْلُ الْبِدْعَةِ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيقَةِ.....
- ٨١ إِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ.....
- ٨٠ ثُمَّ.....
- ٨٥ ثُمَّ إِنَّ بَعْدَهُمْ قَوْمًا يَشْهَدُونَ وَلَا يَسْتَشْهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمِنُونَ وَيَنْذِرُونَ وَلَا يُؤْفُونَ وَيُظْهَرُ فِيهِمُ الشُّمَاتَةُ.....
- ٨٥ ثُمَّ يَظْهَرُ الْكَذِبُ حَتَّى أَنَّ الرَّجُلَ لِيَحْلِفَ وَلَا يَسْتَحْلِفُ وَيَشْهَدُ وَلَا يَسْتَشْهَدُ.....
- ٣٤ الْحِكْمَةُ يَمَانِيَّةٌ.....
- ١٠٣ الْحَلَالُ بَيْنَ.....
- ١٠٥ الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ.....
- ١٦٩ خَالِقُوا النَّاسَ بِأَخْلَاقِهِمْ.....

- خير أمتي ٢٤
- خير أمتي قرني ٨٠
- خير الصفوف أولها وشرها آخرها ٨٣
- خير القرون قرني ٨٥
- خير يوم طلعت فيه الشمس يوم الجمعة فيه خلق آدم ١٥٨
- سيكون في آخر هذه الأمة قوم لهم مثل أولهم يأمرون ٨٣
- بالمعروف وينهون عن المنكر، ويقاثلون أهل الفتن ١٥٨
- شر الأمور محدثاتها ٦٣
- عليكم بالجماعة والعامة ١٨٠
- عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين ٥٠
- غيث ٨٢
- فأفتوا بغير علم فضّلوا وأضلّوا ٣٨
- فعليكم بالسواد الأعظم ٣٠
- فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه وعرضه ١١٣
- فمن كانت فترته إلى غلّو وبدعة فأولئك من أصحاب النار... ٤٢
- في كلّ خمس من الإبل شاة ١١٩
- فيه ولدت وفيه أنزل عليّ ١٥٩
- فيه ولدت وفيه أنزل عليّ، وفيه هاجرت وفيه أموت ١٦٦
- فيه ولدت وفيه هاجرت ١٥٩

- كان أهل الجاهلية يأكلون أشياء ويتركون أشياء تقذراً فبعث
 الله نبيّه، وأنزل كتابه، وأحلّ حلاله، وحرم حرامه..... ١٠٣
- كلّ بدعة ضلالة..... ٨٦
- كلّكم قد أصاب..... ٩٨
- كلّ محدثة بدعة، وكلّ بدعة ضلالة..... ٥٣
- لا تؤذّن حتّى يستبين لك الفجر هكذا..... ١٩١
- لا تشبّهوا باليهود والنصارى..... ١٥٠
- لا تقتل نفس ظلماً إلّا كان على ابن آدم الأوّل كفل..... ٥٢
- لعن الله من آوى محدثاً..... ٤٢
- ليس منّا من تشبه بغيرنا..... ١٥٠
- ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن..... ٨٤
- ما لم تسمعوا أنتم ولا آباؤكم..... ٣٩
- ما ليس منه..... ٥٥
- ما نهيتكم عنه فاجتنبوه، وما أمرتكم به فافعلوا منه ما استطعتم؟
 فإنّما أهلك الذين من قبلكم كثرة مسائلهم..... ١٠٦
- مثل أمّتي مثل المطر لا يدرى أوّله خير أمّ آخره..... ٨٢
- من ابتدع بدعةً ضلالةً..... ٥٣
- من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد..... ٥٥

- من أشدّ أمتي لي حبّاً ناس يكونون بعدي يودّ أحدهم لو يراني
بأهله وماله..... ٨٣
- مَنْ تشبّه بقوم فهو منهم..... ١٥٢
- من سأل بالله فأعطوه..... ٩٨
- مَنْ سَنَّ سَنَةً حَسَنَةً، وَمَنْ سَنَّ سَنَةً سَيِّئَةً..... ٥٣
- مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سَنَةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا.. ٥١
- من شدّد شدّاً في النار..... ١٨٠
- مَنْ وَقَرَ صَاحِبَ بَدْعَةٍ فَقَدْ أَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ..... ٤٢
- نحن أحقّ من تبع بموسى فصام يوم عاشورا وأمر الناس بصيامه
نعمت البدعة هذه!..... ٣٩
- وإنّها لبدعة ونعمت البدعة! وإنّها لمن أحسن ما أحدثه الناس ٣٩
- وقد سمعتك يا بلال! وأنت تقرأ من هذه السورة ومن هذه..... ٩٨
- وكلّ بدعة ضلالة..... ٤٢
- والله إنّّه لخير..... ٤٩
- هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان..... ٣٩
- يا عبد الله! لا تكن مثل فلان كأن يقوم الليل فترك قيام الليل.... ٢٠٥
- يقولون من قول خير البرية..... ٣٨

مأخذ ومراجع

- الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة، حجة الإسلام حامد رضا (ت ١٣٦٢هـ)، لاهور: مؤسسة رضا ١٤٢٤هـ.
- إحياء علوم الدين، الغزالي (ت ٥٠٥هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٠٦هـ، ط ١.
- الاختيار لتعليل المختار، الموصلي (ت ٦٨٣هـ)، تحقيق عبداللطيف محمد عبدالرحمن، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٩هـ، ط ١.
- الأدب المفرد، البخاري (ت ٢٥٦هـ)، تحقيق عادل سعد، مكة المكرمة: مكتبة نزار مصطفى الباز ١٤٢٥هـ، ط ١.
- إذاقة الأثام لماتني عمل المولد والقيام، الإمام نقي علي (ت ١٢٩٧هـ)، كراتشي: دار أهل السنة ١٤٢٩هـ، ط ١.
- الأذكار من كلام سيد الأبرار، النووي (ت ٦٧٦هـ)، جدة: دار المنهاج، ١٤٢٥هـ، ط ١.
- إزالة الخفاء، الشاه ولي الله الدهلوي (ت ١١٧٦هـ)، لاهور: سهيل أكادمي.
- الاستيعاب في معرفة الأصحاب، ابن عبد البر (ت ٤٦٣هـ)، تحقيق علي محمد البجاوي، بيروت: دار الحيل ١٤١٢هـ، ط ١.
- الأسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعة، الملاء علي القاري

- (ت ۱۰۱۴ھ)، بیروت: دار الکتب العلمیۃ۔
- إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، القسطلاني (ت ۹۲۳ھ)،
بیروت: دار الفكر ۱۴۲۱ھ۔
- إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، أبو السعود (ت ۹۸۲ھ)،
تحقیق محمد صبیح حسن حلاق، بیروت: دار الفكر ۱۴۲۱ھ، ط ۱۔
- الأشباه والنظائر، السيوطي (ت ۹۱۱ھ)، بیروت: دار الکتب العلمیۃ
۱۴۰۳ھ، ط ۱۔
- الأشباه والنظائر، ابن نجيم (ت ۹۷۰ھ)، تحقیق الدكتور محمد مطيع
الحافظ، دمشق: دار الفكر ۱۹۹۹م۔
- أشعة اللمعات في شرح المشكاة، الشيخ عبدالحق المحدث الدهلوي
(ت ۱۰۵۲ھ)، نولکشور: مطبع نامي۔
- أنوار التنزيل وأسرار التأويل، البيضاوي (ت ۶۸۵ھ)، بیروت: دار إحياء
التراث العربي ۱۳۱۷ھ، ط ۱ (طبع في مجموعة التفاسير)۔
- إيضاح الحقّ الصريح في أحكام الميّت والضريح (مترجم اردو)،
إسماعيل الدهلوي (ت ۱۲۴۶ھ)، کراتشي: قديمي کتب خانہ۔
- البحر الرائق، زين بن إبراهيم ابن نجيم (ت ۹۷۰ھ)، تحقیق الشيخ
زكريا عميرات، کوئٹہ: مکتبہ رشیدیۃ۔
- برطانوی مظالم کی کہانی عبدالحکیم شاہجہانپوری کی زبانی، عبدالحکیم شاہجہانپوری،
لاہور: فرید بک شال، ط ۱۔

- البناية في شرح الهداية، العيني (ت ٨٥٥هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١١هـ، ط ٢.
- التجنيس والمزيد، المرغيناني (ت ٥٩٢هـ)، تحقيق الدكتور محمد أمية المكي، كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية ١٤٢٤هـ، ط ١.
- تحرير الأصول، ابن الهمام (ت ٨٦١هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٧هـ، ط ١.
- تحفة اثنا عشرية، عبد العزيز الدهلوي (ت ١٢٣٩هـ)، لاهور: سهيل أكادمي ١٣٩٥هـ، ط ١.
- تذكرة علماء الهند، رحمن علي (ت ١٣٢٥هـ)، اللكنو: مطبع نامي نولكشور.
- تفسير فتح العزيز، عبد العزيز الدهلوي (ت ١٢٣٩هـ)، پشاور: قديمي كتب خانہ.
- التفسير الكبير، الفخر الرازي (ت ٦٠٦هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤١٧هـ، ط ٢.
- التقرير والتحجير في شرح التحرير، ابن أمير الحاج (ت ٨٧٩هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٧هـ، ط ١.
- تقوية الإيمان، إسماعيل الدهلوي (ت ١٢٤٦هـ)، كراتشي: مير محمد كتب خانہ.
- تنبيه الجاهل بالهام الباسط المتعال، المفتي الحافظ بخش

(ت ١٣٣٩هـ)، اللكنؤ: مطبع بهارستان كشمير۔

- التوضيح شرح التنقيح، صدر الشريعة (ت ٧٤٧هـ)، تحقيق محمد

عدنان درويش، بيروت: دار الأرقم ١٤١٩هـ، ط ١ (مطبوع مع التلويح)۔

- جامع الترمذي (ت ٢٧٩هـ)، الرياض: دار السلام ١٤٢٠هـ، ط ١۔

- الجامع لأحكام القرآن، القرطبي (ت ٦٧١هـ)، تحقيق عبد الرزاق

المهدي، كوئته: المكتبة الرشيدية۔

- جذب القلوب إلى ديار المحبوب (مترجم أردو)، عبد الحق المحدث

الدهلوي (ت ١٠٥٢هـ)، لاهور: شبير برادرز ١٤١٩هـ، ط ١۔

- جواهر البيان في أسرار الأركان، الإمام نقي علي (ت ١٢٩٧هـ)،

ممبائي: رضا أكاديمي۔

- الجوهر المنظم، الهيتمي (ت ٩٧٤هـ)، لاهور: الإدارة المركزية لإشاعة

القرآن والسنة ١٤٠٥هـ۔

- حاشية الطحطاوي على الدر المختار، السيّد أحمد الطحطاوي

(ت ١٢٣١هـ)، كوئته: المكتبة العربية۔

- الحاوي للفتاوى، السيوطي (ت ٩١١هـ)، بيروت: دار الفكر

١٤١٤هـ۔

- الحديقة الندية في شرح الطريقة المحمدية، النابلسي (ت ١١٤٣هـ)،

مصر: دار الطباعة العامة ١٢٩٠هـ۔

- حلي صغير، إبراهيم الحلي (ت ٩٥٦هـ)، امستبول۔

- حلبة المحلّي شرح منية المصلّي، ابن أمير الحاج (ت ٨٧٩هـ)،
مخطوط.
- حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، أبو نعيم الأصفهاني (ت ٤٣٠هـ)،
تحقيق مصطفى عبد القادر عطا، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٣هـ.
- حياة مفتي الأعظم، مرزا عبد الوحيد بيلك.
- الدرّ المختار شرح تنوير الأبصار، الحصكفي (ت ١٠٨٨هـ)، دمشق:
دار الثقافة والتراث ١٤٢١هـ، ط ١، وبولاق: دار الطباعة المصرية.
- دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، البيهقي (ت ٤٥٨هـ)،
تحقيق الدكتور عبد المعطي قلنجي، بيروت: دار الكتب العلمية
١٤٢٣هـ، ط ٢.
- ردّ المحتار على الدرّ المختار، ابن عابدين الشامي (ت ١٢٥٢هـ)،
تحقيق الدكتور حسام الدين فرفور، دمشق: دار الثقافة والتراث ١٤٢١هـ،
ط ١، وبولاق: دار الطباعة المصرية.
- رمز الحقائق شرح كنز الدقائق، العيني (ت ٨٥٥هـ)، كوكته: المكتبة
الحبيبة.
- روح البيان في تفسير القرآن، إسماعيل حقّي (ت ١١٣٧هـ).
- روضة الطالبين وعمدة المتّقين، النووي (ت ٦٧٦هـ)،
- زاد المعاد في هدي خير العباد، ابن القيم الجوزية (ت ٧٥١هـ)، بيروت:
مؤسسة الرسالة ١٤٠٧هـ، ط ٤.

- سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، الإمام يوسف الشامي (ت ٩٤٢هـ)، تحقيق الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٤هـ، ط ١.

- سنن أبي داود (ت ٢٧٥هـ)، الرياض: دار السلام ١٤٢٠هـ، ط ١.

- السنن الكبرى، النسائي (ت ٣٠٣هـ)، تحقيق عبدالغفار سليمان البنداري، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١١هـ، ط ١.

- سنن ابن ماجه (ت ٢٧٥هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢١هـ، ط ١.

- سنن النسائي (ت ٣٠٣هـ)، تحقيق صدقي جميل العطار، بيروت: دار الفكر ١٤٢٥هـ.

- سيرة أعلى حضرة، العلامة محمد حسنين رضا (ت ١٤٠١هـ)، بريلي: شركة الرضوية لميتيد.

- شرح سفر السعادة، الشيخ عبدالحق المحذث الدهلوي (ت ١٠٥٢هـ)، سكه: مكتبه نوريه رضويه ١٣٩٨هـ، ط ٤.

- شرح معاني الآثار، الطحاوي (ت ٣٢١هـ)، تحقيق إبراهيم شمس الدين، كراتشي: قديمي كتب خانه.

- شرح الشفاء، الملا علي القاري (ت ١٠١٤هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٨هـ، ط ٢.

- شرح صحيح مسلم، النووي (ت ٦٧٦هـ)، بيروت: دار إحياء التراث

العربي، ط ٤ -

- شرح العقائد النسفية، سعد الدين التفتازاني (ت ٧٩٢هـ)، تحقيق

محمد عدنان درويش، دمشق: مكتبة دار البيروني ١٤١١هـ -

- شرح عين العلم وزين الحلم، القاري (ت ١٠١٤هـ)، بيروت: دار

المعرفة -

- شرح النقاية، البرجندي (ت ٩٣٢هـ)، لكتو، نولكشور -

- شرح الوقاية، صدر الشريعة (ت ٧٤٧هـ)، بشاور: مكتبة علوم إسلامية -

- شعب الإيمان، البيهقي (ت ٤٥٨هـ)، حمدي الدمرداش محمد العدل،

بيروت: دار الفكر ١٤٢٤هـ، ط ١ -

- الشفا بتعريف حقوق المصطفى، القاضي عياض المالكي (ت ٥٤٤هـ)،

بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٢هـ، ط ٢ -

- شفاء العليل ترجمة القول الحميل، عزم علي (ت ١٢٧١هـ)، لاهور:

المكتبة الرحمانية -

- شمس التواريخ -

- صحيح البخاري (ت ٢٥٦هـ)، الرياض: دار السلام ١٤١٩هـ، ط ٢ -

- صحيح ابن جبان (ت ٢٥٤هـ)، بيروت: بيت الأفكار الدولية ٢٠٠٤م -

- صحيح مسلم (ت ٢٦١هـ)، الرياض: دار السلام ١٤١٩هـ، ط ١ -

- العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية، الإمام أحمد رضا (ت ١٣٤٠هـ)،

لاهور: مؤسسة رضا ١٤١٢هـ، ط ١ -

- عمدة القاري، العيني (ت ٨٥٥هـ)، تحقيق صديقي جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤١٨هـ، ط ١.

- عين العلم وزين الحلم، محمد بن عثمان البلخي (ت ٨٣٠هـ)، بيروت: دار المعرفة (مطبوع مع شرحه).

- غاية الكلام في إبطال عمل المولد والقيام، بشير الدين القنوجي (ت ١٢٩٦هـ).

- غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، الحموي (ت ١٠٩٨هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٠٥هـ، ط ١.

- غنية ذوي الأحكام، الشرنبلالي (ت ١٠٦٩هـ)، إستانبول (هامش درر الحكماء).

- غنية الطالبين، عبد القادر الحيلاني (ت ٥٦١هـ)، تحقيق أبو عبد الرحمن عويضة، كراتشي: قديمي كتب خانة.

- غنية المتملي في شرح منية المصلي، إبراهيم الحلبي (ت ٩٥٦هـ)، لاهور: سهيل أكاديمي.

- الفتاوى الخانية، الإمام قاضي خان (ت ٥٩٢هـ)، بشاور: المكتبة الحقانية.

- الفتاوى الكبرى الفقهية، ابن حجر الهيتمي (ت ٩٧٤هـ)، القاهرة: مكتبة ومطبعة المشهد الحسيني.

- الفتاوى الهندية، الشيخ نظام (ت ١١٦١هـ) وجماعة من علماء الهند

الأعلام، بشاور: المكتبة الحَقَّانية.

- فتح الباري شرح صحيح البخاري، العسقلاني (ت ٨٥٢هـ)، تحقيق

عبد العزيز بن الباز، القاهرة: دار الحديث ١٤٢٤هـ.

- فتح الرحمن في فضائل نصف شعبان، المَلّا علي القاري (ت ١٠١٤هـ)،

مخطوط.

- فتح القدير، ابن الهمام (ت ٦٨١هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي.

- فتح الله المعين على شرح الكنز لمَلّا مسكين، أبو السعود

(ت ١١٧٢هـ)، كوثته: مكتبة العجائب لزخرف العلوم.

- فتح المبين لشرح الأربعين، ابن حجر الهيتمي (ت ٩٧٤هـ)، مصر: دار

إحياء الكتب العربية.

- الفقيه والمتفقه، الخطيب البغدادي (ت ٤٦٣هـ).

- فوائح الرحموت شرح مسلّم الثبوت، بحر العلوم (ت ١٢٢٥هـ)، لكنؤ:

نولكشور.

- فيض القدير شرح الجامع الصغير، المناوي (ت ١٠٣١هـ)، مصر:

المكتبة التجّارية الكبرى ١٣٥٦هـ، ط ١.

- الكاشف عن حقائق السنن، الطيبي (ت ٧٤٣هـ)، تحقيق بديع السيّد

اللحام، كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية ١٤١٧هـ، ط ٢.

- الكافي شرح الوافي، النسفي (ت ٧١٠هـ)، مخطوط.

- كتاب التحقيق، عبد العزيز البخاري (ت ٧٣٠هـ)، كراتشي: مير محمد

كتب خاتمه.

- كشف الأسرار شرح أصول البزدوي، عبد العزيز البخاري (ت ٧٣٠هـ)، تحقيق محمد المعتصم بالله البغدادي، كراتشي: قديمي كتب خاتمه.

- كشف الأسرار شرح المصنّف على المنار، حافظ الدين النسفي (ت ٧١٠هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية.

- كشف الغمّة عن جميع الأئمّة، عبد الوهاب الشعراني (ت ٩٧٣هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤٢٤هـ.

- الكلمات الطيّبات، الشاه ولي الله (ت ١١٧٦هـ)، دهلي: مطبع محتبائي.

- كلمة الحق، بهوپالي (ت ١٣٠٧هـ).

- كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، المتقي الهندي (ت ٩٧٥هـ)، تحقيق محمود عمر الدمياطي، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٤هـ.

- كيمياء سعادته، الغزالي (ت ٥٠٥هـ)، دهلي: مطبع محمّدي.

- مائة مسائل في تحصيل الفضائل بالأدلة الشرعية وترك الأمور المنهية، أحمد الله نواسه إسحاق الدهلوي (ت ١٢٤٥هـ)، كراتشي: الرحيم أكاديمي ١٤٢٣هـ، ط ١.

- المبين المعين لفهم الأربعين، الملا علي القاري (ت ١٠١٤هـ)، مصر: مطبعة الجمالية ١٣٢٨هـ، ط ١.

- مجالس الأبرار ومسالك الأخيار ومحائف البدع ومقامع الأشرار، أحمد الرومي (ت ٤٣٠ هـ)، لكتنو: مطبعة الآسي المدارسي.
- مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار، الفتني (ت ٩٨٦ هـ)، المدينة المنورة: مكتبة دار الإيمان ١٤١٥ هـ، ط ٣.
- مدارك التنزيل وحقائق التأويل، النسفي (ت ٧١٠ هـ)، تحقيق الشيخ زكريا عميرات، بشاور: مكتبة القرآن والسنة.
- المدخل إلى السنن الكبرى، البيهقي (ت ٤٥٨ هـ)، تحقيق محمد ضياء الرحمن الأعظمي، الكويت: دار الخلفاء للكتب الإسلامي ١٤٠٤ هـ.
- مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، الشرنبلالي (ت ١٠٦٩ هـ)، أبو عبد الرحمن صلاح بن محمد بن عويضة المنصوري، كوثته: المكتبة العربية.
- مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، القاري (ت ١٠١٤ هـ)، تحقيق صدقي محمد جميل العطار، بيروت: دار الفكر ١٤١٢ هـ.
- المستدرک علی الصحيحین، الحاكم (ت ٤٠٥ هـ)، تحقيق حمدي الدمرداش محمد، مكة المكرمة: مكتبة نزار مصطفى الباز ١٤٢٠ هـ، ط ١.
- مسلّم الثبوت، البهاري (ت ١١٩ هـ)، فيصل آباد: الجامعة السراجية الرسولية الرضوية، ولكتنو: نولكشور (مطبوع مع شرحه فواتح الرحموت).
- المسند، أحمد بن حنبل (ت ٢٤١ هـ)، تحقيق صدقي محمد جميل العطار، بيروت: دار الفكر ١٤١٤ هـ، ط ٢.

- مسند البزار (ت ٢٩٢هـ)، تحقيق محفوظ الرحمن زين الله، بيروت: مؤسسة علوم القرآن ١٤٠٩هـ، ط ١.
- مسند أبي داود الطيالسي (ت ٢٠٤هـ)، بيروت: دار المعرفة.
- مسوي شرح موطأ إمام مالك، الشاه ولي الله (ت ١٧٦هـ)، كراتشي: مير محمد كتب خانة.
- مشكاة المصابيح، التبريزي (ت ٧٤٠هـ)، تحقيق سعيد محمد اللحام، بيروت: دار الفكر ١٤١١هـ، ط ١.
- المطول، التفتازاني (ت ٧٩٣هـ)، بشار: مكتبة علوم إسلامية ١٣١١هـ.
- معالم التنزيل، البغوي (ت ٥١٦هـ)، تحقيق خالد عبد الرحمن العك، ملتان: إدارة تاليفات أشرفية ١٤٢٥هـ.
- المعجم الأوسط، الطبراني (ت ٣٦٠هـ)، تحقيق محمد حسن محمد حسن إسماعيل الشافعي، بيروت: دار الفكر ١٤٢٠هـ، ط ١.
- المعجم الكبير، الطبراني (ت ٣٦٠هـ)، تحقيق حمدي عبد المجيد السلفي، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢٢هـ، ط ٢.
- معرفة الصحابة، أبو نعيم الأصبهاني (ت ٤٣٠هـ)، تحقيق محمد حسن محمد حسن إسماعيل، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٢هـ، ط ١.
- المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، أحمد بن عمر القرطبي (ت ٦٥٦هـ)، تحقيق محيي الدين ديب مستو، بيروت: دار ابن كثير

١٤١٧هـ، ط١-

- المقاصد، التفتازاني (ت٧٩٣هـ)، تحقيق الدكتور عبد الرحمن عميرة،

قم: منشورات الشريف الرضي ١٤٠٩هـ، ط١-

- المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة،

السخاوي (ت٩٠٢هـ)، تحقيق محمد عثمان الخشت، بيروت: دار

الكتاب العربي ١٤٢٥هـ، ط١-

- مكتوبات الإمام الرباني (ت١٠٣٤هـ)، كوثه: مكتبة القدس-

- منح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر، الملا علي القاري

(ت١٠١٤هـ)، بيروت: دار البشائر الإسلامية ١٤١٩هـ، ط١-

- المنسك المتوسط، رحمة الله (ت٩٦٢هـ)، كراتشي: إدارة القرآن

والعلوم الإسلامية ١٤٢٥هـ، ط٢-

- المواقف، القاضي عضد الدين (ت٧٥٦هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية

١٤١٩هـ، ط١-

- المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، القسطلاني (ت٩٢٣هـ)، تحقيق

صالح أحمد الشامي، غجرات: مركز أهل سنت بركات رضا ١٤١٢هـ،

ط١، وبيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٧هـ، ط١ (مطبوع مع شرح

العلامة الزرقاني)-

- الموطأ، الإمام مالك (ت١٧٩هـ)، تحقيق نقيب ماجدي، بيروت:

المكتبة العصرية ١٤٢٣هـ-

- الميزان الكبرى، الشعراني (ت ٩٧٣هـ)، بيروت: دار الفكر، ط ١.
- نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر، ابن حجر العسقلاني (ت ٨٥٢هـ)، تحقيق نور الدين عتر، دمشق: دار الفكر ١٤٢١هـ، ط ٣.
- نسيم الرياض، الخفاجي (ت ١٠٦٩هـ)، تحقيق محمد عبد القادر عطا، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢١هـ، ط ١.
- نصاب الاحتساب، السنامي (ت في الربع الأول من القرن الثامن الهجري)، الدكتور مريز سعيّد مريز عسيري، كوئته: دار الكتب الشرعية والأدبية ١٤٠٦هـ.
- نور الأنوار على المنار، ملّا جيون (ت ١١٣٠هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية (مطبوع مع كشف الأسرار شرح المصنّف على المنار).
- نهاية الأرب في فنون الأدب، النويري (ت ٧٣٣هـ).
- النهاية في غريب الحديث والأثر، ابن الأثير الحزري (ت ٦٠٦هـ)، تحقيق خليل مأمون شبحا، بيروت: دار المعرفة ١٤٢٢هـ، ط ١.
- نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، الرملي (ت ١٠٠٤هـ).
- الهداية شرح بداية المبتدي، المرغيناني (ت ٥٩٢هـ)، تحقيق محمد عدنان درويش، بيروت: دار الأرقم.
- همعات، الشاه ولي الله الدهلوي (ت ١١٧٦هـ)، حيدر آباد: أكاديمية الشاه ولي الله الدهلوي.